

تمہارے نام کا تارا



محبت عبداللہ

تمہارے نام کا تارا



عَبْدُ اللَّهِ كَيْلَانِي
الحکیم مارکیٹ انڈوبازار لاہور

ہماری کتابیں : معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر:
سلمان منیر

نام کتاب	—	تمہارے نام کا تارا
مصنفہ	—	نگہت عبداللہ
کمپوزنگ	—	گل گرافکس
مطبع	—	آر۔ آر۔ پرنٹرز، لاہور
ڈیزائن	—	عاطف بٹ
سن اشاعت	—	2010ء
قیمت	—	225 روپے

سٹاکسٹ

مشاق بک کارنر

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جاسکے۔ شکریہ

فہرست

7	یہ دریا پار کرنا ہے	❖
84	یہی سچ ہے	❖
144	مسافتوں کی گرد سے	❖
202	تمہارے نام کا تارا	❖

یہ دریا پار کرنا ہے

اس نے آخری دو پیریڈس کر دیئے تھے اور جیسے ہی اس کے گھر میں داخل ہوئے،
 زرینہ ہمیشہ کی طرح دوپٹے کا کونا دانٹوں میں دبا کر ہنسنے لگی اور گوکہ اب وہ جان گئی تھی کہ وہ
 یونہی ہنستی ہے پھر بھی ٹوک دیا۔

کیوں ہنس رہی ہو؟

تم بھائی سے ملنے آئی ہو نا؟ زرینہ نے شرماتے ہوئے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرائی۔
 نہیں، تم سے۔

سچی۔

سچی وہ اس کی نقل اتارتے ہوئے پوچھنے لگی۔ اور اب سچی سچی بتاؤ، تمہارا بھائی کہاں
 ہے؟

اندز زرینہ نے کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس کے گال پر چٹکی کاٹ کر، اس
 کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ دوسرے کمرے سے اس کی اماں کو ٹکلتے دیکھ کر وہ ان کے
 پاس چلی گئی۔

السلام وعلیکم۔

وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟ اماں نے جواب کے ساتھ اس کی خیریت پوچھی۔

جی، آپ کیسی ہیں؟

شکر ہے، رائیل ادھر اپنے کمرے میں ہے۔

اماں نے بتایا تو وہ کچھ جھج گئی اور ان سے نظریں چرا کر فوراً اس کے کمرے میں

آگئی۔

ہیلو۔

تم، وہ قدرے حیران ہوا۔ یونیورسٹی نہیں گئیں؟
گئی تھی، بالکل دل نہیں لگا۔ وہ کندھے سے بیک اتار کر بے پردائی سے بیڈ پر
اچھالتے ہوئے بولی تو وہ قصد انجان بن کر پوچھنے لگا۔

کیوں؟

تم جو نہیں تھے، یہی سننا چاہتے ہونا؟ اس نے کہا تو وہ اسے نظروں کی گرفت میں
لیتے ہوئے بولا۔

صرف یہی نہیں، میں تو اور بھی بہت کچھ سننا چاہتا ہوں۔

مثلاً؟

وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی تو وہ نظریں چرا کر بولا۔

مت ہنسا کرو مجھے تمہاری ہنسی سے ڈر لگتا ہے۔

ہائے نہیں، اتنی خوفناک ہنسی تو نہیں ہے میری۔

خواب ناک تو ہے، میری نیند چرا لیتی ہے۔

اچھا؟ وہ چیر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

یونیورسٹی کیوں نہیں آئے؟

بس صبح سر میں درد تھا، طبیعت بھی کچھ بوجھل ہو رہی تھی اس لئے چھٹی کر لی۔ اس نے
بتایا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

اب کیسی طبیعت ہے؟

تمہیں دیکھ کر فریض ہو گیا ہوں، وہ دلکشی سے مسکرایا۔

پھر بھی ڈاکٹر کو ضرور دکھا دینا۔

اب ضرورت نہیں رہی، رائیبل نے کہا تب ہی زرینہ دروازے میں آ کر بولی۔

بھائی! میں نے کھانا لگا دیا ہے۔

ہاں چلو وہ اسے دیکھ کر بولا تو اس نے فوراً اٹھ کر اپنا بیگ اٹھالیا۔

نہیں رابی! میں اگر کھانا کھانے بیٹھی تو بہت دیر ہو جائے گی۔

کوئی دیر نہیں ہوتی چلو وہ اس کا ہاتھ تمام کر زبردستی کھینچتے ہوئے ڈائننگ روم میں لے

آیا۔

گو کہ وہ پہلی بار اس کے گھر نہیں آئی تھی اور نہ ہی پہلی بار کھانے میں شریک ہو رہی تھی پھر بھی اماں کے سامنے جھجکتی تھی۔ زریہ کی ہنسی اسے مزید خفیف کرتی تھی ابھی بھی وہ بار بار اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ اس نے رائیل کو کہنی مار کر اس کی طرف متوجہ کیا تو وہ ڈانٹ کر پوچھنے لگا۔

کیوں ہنس رہی ہو؟

ایسے ہی زریہ ہنسی کے درمیان بولی۔

ایسے ہی تو پاگل ہنتے ہیں۔

کوئی نہیں، میں پاگل نہیں ہوں۔

اچھا چلو کھانا کھاؤ اور اسے بھی کھانے دو۔

بس میں کھا چکی وہ فوراً چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اماں اسے دیکھ کر تعجب سے بولیں۔

ہیں یہ تم نے کھانا کھایا ہے؟

باقی گھر جا کر کھاؤں گی کیونکہ امی کھانے پر میرا انتظار کرتی ہیں وہ کہہ کر اسے یوں

دیکھنے لگی جیسے اب میں چلوں گی اور وہ سمجھ کر پوچھنے لگا۔

کیسے جاؤ گی؟

جیسے آئی تھی۔

چلو میں اسٹاپ تک چھوڑ آؤں وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اٹھنے لگا تھا کہ وہ روک کر

بولی۔

کھانا کھاؤ میں انتظار کر لیتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ڈائننگ روم سے نکل کر لاؤنج

میں آ بیٹھی اور کارزن ٹیبل سے اخبار اٹھا کر اس کی سرخیوں پر نظریں دوڑانے لگی۔

کچھ دیر بعد رائیل کے قدموں کی آواز سنتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے ہی

رائیل کمرے میں داخل ہوا فوراً بولی۔

چلو رائیل بہت دیر ہو گئی۔

آتی کیوں ہو؟ اس کے شاکی لہجے پر وہ روٹھ کر بولی۔
آئندہ نہیں آؤں گی۔

بس یہی کہہ سکتی ہوتی وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
اور کیا کہوں؟

آئندہ آؤں گی تو جانے کا نام نہیں لوں گی، وہ پیچھے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ
ہنس پڑی۔

یہ میں نہیں کہہ سکتی۔

میرادل رکھنے کی خاطر ہی کہہ دوڑا تیل نے رک کر اس کا راستہ بھی روک لیا تو وہ پیچھے
نظر ڈال کر بولی۔

کیا کر رہے ہو اماں آجائیں گی۔

آجائیں اس نے لا پرواہی سے کندھے اچکائے۔

رابی پلیز مجھے دیر ہو رہی ہے وہ اسے دھکیل کر آگے نکل گئی اور اس سے پہلے ہی دہلیز
پار کر آئی تھی۔

☆.....☆.....

وہ معمول کے مطابق دوپہر کا کھانا کھاتے ہی سو گئی تھی پھر شام میں ابھی تو روزانہ کی
طرح چائے لیکر امی کے پاس آ کر بیٹھی تھی کہ وہ خوشی سے بھرپور آواز میں بولیں۔

مبارک ہو، سمیر شادی پر آمادہ ہو گیا ہے۔

سچ، وہ بھی خوشی سے اچھلی تو اس کے ہاتھ پر گرم چائے چھلک گئی لیکن اس نے پرواہ
نہیں کی مگر ٹرے میں رکھ کر پوچھنے لگی۔ کہاں ہیں سمیر بھائی؟

ابھی باہر گیا ہے، کہہ رہا تھا کہ کسی کام سے جا رہا ہوں۔ امی نے بتایا تو وہ پر شوق انداز
میں پوچھنے لگی۔

اچھا شادی کا کیا کہا؟

زیادہ کچھ نہیں کہا، بس یہی بتایا کہ اسے ایک لڑکی پسند آ گئی ہے اور وہ جلد ہی مجھے اس
کے گھر لے جائے گا۔ امی نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

میں بھی چلوں گی۔

ہاں لیکن۔

کوئی لیکن ویکن نہیں امی، بس میں بھی چلوں گی۔ اللہ مجھے کتنا شوق ہے بھابی کا۔ امی سمیر بھائی سے کہیں ہمیں فوراً ان کے گھر لے جائیں۔
کہا تو ہے اس نے، جلدی ہی لے جائے گا۔

آپ نے ابو کو بتایا؟

ابھی آئے کہاں ہیں تمہارے ابو اور ہاں تمہارے ابو آج بیٹھے کی فرمائش کر گئے تھے جاؤ جلدی سے کسٹرڈ بنالو۔

امی نے اچانک یاد آنے پر کہا تو وہ چائے کا لگ لے کر اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
اور کھانے میں کیا کچے گا؟

بس روٹی پکانی ہے، سالن میں نے دوپہر ہی میں پکا لیا تھا۔ چائے پی لو آرام سے۔
امی نے اس کے ہاتھ میں لگ دیکھ کر کہا۔

ٹھنڈی ہو گئی ہے اور بتاؤں گی۔ وہ کہتے ہوئے کچن میں آ گئی۔ پہلے چولہے پر چائے
کا پانی رکھا پھر کسٹرڈ کا سامان اکٹھا کرتے ہوئے گنگنا نے لگی تھی۔
مدت سے یہی ارمان کہ بھیامیر ادولہا بنے گا۔

اوہو بڑے گانے گائے جا رہے ہیں۔ ندانے کچن میں آ کر جھانک کر کہا تو وہ اسے
دیکھ کر شوخی سے بولی۔

ہاں اب تو گانے گانے کے دن آرہے ہیں۔

کیا مطلب؟ ندانے آ گئی۔

سمیر بھائی کی شادی اس نے اتر کر بتایا۔

سچ کب ہے؟ کس کے ساتھ ہے؟ ندانے خوشی کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔

ایک عدد لڑکی جو سمیر بھائی نے خود پسند کی ہے۔

نہیں ندانے کی بے یقینی پر وہ ہنستے ہوئے بولی۔

اس صدی کی حیرت انگیز بات یہی ہو سکتی ہے۔

ہے ناں؟

واقعی کیسی ہے؟ ندانے اعتراف کے ساتھ پوچھا۔

پتہ نہیں ابھی میں نے دیکھی کہاں ہے۔ آج ہی تو انہوں نے امی کو بتایا ہے کہ وہ لڑکی پسند کر چکے ہیں اور بہت جلد امی کو ان کے گھر لے جائیں گے۔ اس نے بتایا تو ندامت کوک انداز میں بولی۔

کہیں چکر تو نہیں دے رہے؟

نہیں، تمہیں پتہ ہے۔ وہ صاف بات کرنے کے عادی ہیں۔

ہاں یہ تو میں مانتی ہوں۔ اچھا سنو صرف سمیر بھائی کی شادی کا پروگرام ہے یا ساتھ تمہاری بھی؟ ندانے اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً تڑخ کر بولی۔

جی نہیں۔۔۔۔۔ میرا ابھی شادی وادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

ہاں ابھی تو وہ بیچارہ پڑھ رہا ہے اس کے بعد جاب تلاش کرنے کا مرحلہ آئے گا

پھر۔۔۔۔۔

اچھا بس چپ اس نے ٹوک دیا تو ندانے اسے اس بات پر کہنے لگی۔

سنو! اسے ضرور خبردار کر دینا کہ سمیر بھائی کے بعد تمہارا نمبر ہے۔

اسے پتہ ہے وہ قصداً بے نیازی دکھا کر پوچھنے لگی چائے پیوگی؟

نہیں یہ تم کسٹروڈینا رہی ہو؟

ہاں۔

مجھے ضرور بھجوانا، ندا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

میرے نوکر نہیں لگے ہوئے، یہیں آ کر کھا لینا۔

رات میں آؤں گی، بچا کر رکھنا۔ ندا کہتے ہوئے چلی گئی تو وہ جلدی جلدی ہاتھ چلاتے

ہوئے پھر گنگنا نے لگی تھی۔

مدت سے یہی ارمان کہ بھیا میرا دلہا بنے گا۔

☆.....☆.....

اسے واقعی اپنے اکلوتے سمیر بھائی کی شادی کا بہت ارمان تھا۔ گزشتہ پانچ سالوں

سے وہ ان کیلئے لڑکیاں دیکھ رہی تھی۔ یعنی اپنے طور پر اسے جو بھی لڑکی اچھی لگتی، وہ اسے سمیر

بھائی کیلئے پسند کر لیتی اور جب امی کو بتاتی تو وہ گہری سانس کے ساتھ کہتیں۔

ارے پہلے بھائی سے پوچھو وہ پتہ نہیں کیا سوچے ہوئے ہے؟ شادی کا تو نام ہی نہیں

سننا چاہتا۔

اس کی کبھی ہمت نہیں ہوئی سمیر بھائی سے پوچھنے کی کیونکہ وہ اس سے ایک دو نہیں پورے دس سال بڑے تھے۔ یعنی وہ پہلوٹھی کی اولاد تھے اور یہ سب سے آخر کی۔ یہ اور بات کہ درمیان میں جتنی بھی اولادیں ہوئیں وہ سال چھ مہینے سے زیادہ زندہ نہیں رہی تھیں۔ بہر حال جب وہ چھوٹی تھی تب تو سمیر بھائی کے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی لیکن جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی ان کی غیر معمولی سنجیدگی سے خائف رہنے لگی تھی جہاں وہ گھر میں داخل ہوتے یہ اپنے کمرے میں جا گھسیتی پھر بھی ان کی شادی کیلئے بڑی مشتاق تھی۔ جب وہ آٹھویں کلاس میں پڑھتی تھی تب سے ان کیلئے لڑکیاں دیکھ رہی تھی۔ چار سال تک بڑی پر جوش رہی تھی پھر آہستہ آہستہ مایوس ہونے لگی۔ یہ تو اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا کہ سمیر بھائی خود لڑکی پسند کر لیں گے کیونکہ اس کے خیال میں وہ دنیا کے خشک ترین انسان تھے یہ نہیں اس خشک ترین انسان نے جانے کیسی لڑکی پسند کی تھی۔ وہ خود ہی سوچ سوچ کر پاگل ہوئی جا رہی تھی اور بڑی بے چینی سے منتظر تھی کہ کب سمیر بھائی اسے اور امی کو لے جانے کی بات کرتے ہیں۔

تین دن اس کے بڑی بے قراری میں گزرے تھے چوتھے دن سمیر نے خود ہی اسے ساتھ چلنے کو کہا تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا اور وہ بہت شوق سے تیار ہو کر امی اور سمیر بھائی کیساتھ ان کی پسند کی ہوئی لڑکی دیکھنے بلکہ باقاعدہ پروپوزل دینے آئی تھی کیونکہ پسند تو سمیر بھائی پہلے ہی کر چکے تھے۔ اب چاہے اسے اور امی کو پسند آئے یا نہ آئے گھر سے چلتے ہوئے سمیر نے امی کو صاف لفظوں میں تو نہیں لیکن اشارتاً بتا دیا تھا کہ وہ شادی کریں گے تو فرحانہ سے دور نہ نہیں۔ جس سے اس کا جوش قدرے ماند پڑ گیا تھا کہ وہ اس لڑکی پر کوئی تبصرہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بس دیکھتے ہی اوکے کر دیتا تھا خواہ وہ کیسی بھی ہو۔

اور وہ کیسی بھی نہیں تھی بلکہ بہت حسین تھی اسے دیکھ کر وہ اور امی بھی کچھ دیر کو تو پلکیں جھپکنا ہی بھول گئی تھیں پھر سمیر کے کھانسنے پر امی چونکنے کے ساتھ بے اختیار بولیں۔
ماشاء اللہ چشم بدور۔

ہائے امی یہ ہمارے گھر میں آئیں گی انہیں تو کسی محل میں ہونا چاہئے۔ اس نے خوشی سے بے قابو ہو کر امی سے سرگوشی میں کہا تو وہ اسے گھور کر بولیں۔

کیوں سمیر کم ہے کیا؟

نہیں، وہ ہنسی تو پھر بات بے بات ہنستی ہی رہی کیونکہ اندرونی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی اور جب فرحانہ اٹھکر جانے لگی تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔
پتہ ہے ہم کیوں آئے ہیں؟ اپنے ہمیں اس نے چھیڑنے کی غرض سے کہا لیکن فرحانہ مسکرا کر بولی۔

سمیر لیکر آئے ہیں، بہت دنوں سے کہہ رہے تھے۔
تو سمیر بھائی یہاں آتے ہیں؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔
ہاں اکثر، فرحانہ بے پروائی سے بولی۔
واقعی آپ دونوں کب کہاں ملے تھے۔
یہ تم اپنے بھائی سے پوچھنا، فرحانہ نے کہا۔
تب ہی اس کی دونوں بہنیں آگئیں تو وہ ان کا تعارف کرانے لگی۔
یہ فوزیہ ہے اور یہ عالیہ۔

السلام علیکم۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی کیونکہ وہ دونوں فرحانہ سے بہت مختلف تھیں، نہ ناک نقشہ نہ رنگ روپ اور اسی حیرت میں وہ بے اختیار پوچھ گئی۔
یہ آپ کی سگی بہنیں ہیں؟
تم سمیر بھائی کی سگی بہن ہو؟ فوزیہ کو شاید اس کی بات ناگوار گزری تھی، جس پر وہ فوراً سنبھل کر بولی۔

میرا مطلب ہے سمیر بھائی نے آپ کا ذکر نہیں کیا تھا، اس لئے میں سمجھی شاید فرحانہ باجی اکلوتی ہیں۔
ہم چار بہن بھائی ہیں، تین بہنیں اور ایک بھائی۔ فرحانہ نے بتایا تو اس نے یونہی سر ہلا دیا پھر پوچھنے لگی۔

آپ سب سے بڑی ہیں؟
نہیں، سب سے بڑے بھائی ہیں پھر میں اور میرے بعد فوزیہ پھر عالی۔
اور ہم بس دو بہن بھائی ہیں، اس نے کہا تو فرحانہ مسکرا کر بولی۔
مجھے معلوم ہے۔

اچھا اور کیا کیا معلوم ہے وہ پھر شوخ ہو گئی۔

زیادہ کچھ نہیں جیسے مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تم کیا کرتی ہو، فرحانہ نے کہا۔

میں آنرز کر رہی ہوں اور آپ؟ اس نے بتا کر پوچھا۔

میں نے اسی سال انگلش میں ماسٹرز کیا ہے جبکہ یہ دونوں گریجوایشن کر کے گھر بیٹھ رہی ہیں۔ فرحانہ نے اپنے ساتھ ساتھ بہنوں کا بھی بتایا تو وہ انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔

کیوں آپ کو ماسٹرز کرنے کا شوق نہیں ہے؟

نہیں بی اے کر لیا یہ بھی بہت ہے۔ فوزیہ نے اس انداز سے کہا جیسے بی اے بھی اس سے زبردستی کروایا گیا ہو۔

باتیں تو ہوتی رہیں گی، چلو پہلے چائے پی لو۔

فرحانہ کہتے ہوئے اٹھی تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور جب وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو امی اسے دیکھتے ہی بولیں۔

چلنا نہیں ہے؟

جی چلیں۔

ہائیں ایسے کیسے چلیں بیٹھو بیٹی! کچھ کھاؤ پیو۔ فرحانہ کی امی نے اس سے کہا تو وہ ایک نظر ٹیبل پر سبجے لوازمات پر ڈال کر بولی۔

بس آنٹی! پھر انشاء اللہ آؤں گی تو سب کچھ کھاؤں گی۔

ہاں اب تو آنا جانا رہے گا۔ امی کے ساتھ سمیر بھائی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور جب گھر آ کر اسے معلوم ہوا کہ انہوں نے سوچ کر جواب دیئے کو کہا ہے تو وہ جھنجھلا گئی۔

اب کیا سوچیں گے پہلے سوچنا چاہئے تھا۔

ہائیں پہلے کب گئے تھے ہم۔ امی نے ٹوکا۔

ہم نہیں گئے لیکن سمیر بھائی تو جانے کب سے جا رہے ہیں اور ایسے ہی تو نہیں کوئی کسی کو اپنے گھر بٹھاتا۔

اس کی بات ٹھیک تھی پھر بھی امی نے اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا تو وہ منہ پھلائے بیڑھیاں پھلاتے ہوئے ندا کے پاس آ گئی۔

کیا ہوا پسند نہیں آئی؟ ندانے اس کا پھولا منہ دیکھتے ہی پوچھا تو وہ پھر سے جوش میں

آگئی۔

ارے پسند نہ آنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اتنی پیاری اتنی حسین لڑکی میں نے اس سے پہلے شاید ہی دیکھی ہو ایمان سے میں اور امی بھی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔

اچھا پھر تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟

وہ تو ان کی بات پر۔۔۔۔ سوچنے کو وقت مانگا ہے۔ بھلا بتاؤ یہ کوئی تک ہے؟

ہاں تو تمہارا کیا خیال تھا، ابھی اسے ساتھ لے آؤ گی۔ تم چلی جانا اسی وقت جب اس کی امی آئیں گی۔

ندانے اس کے بازو میں چنگلی کاٹ کر رائیل کے حوالے سے چھیڑا تو وہ بازو سہلاتے ہوئے بولی۔

ہاں میں چلی جاؤں گی اسی وقت دیکھنا تم۔

ماشاء اللہ اپنی امی سے تو ابھی تک بات کی نہیں۔

امی سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے، بھابی آجائیں ان سے کہوں گی۔ وہ کہہ کر کھلکھلائی تھی۔

☆ ☆

وہ کلاس روم سے نکلی تو رائیل سامنے ہی موجود تھا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اسکی طرف آنے کے بجائے ناراضگی سے منہ موڑ کر سیڑھیاں اتر گیا۔

ارے اگلے پل وہ ہانپتی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی، کس بات پر خفا ہو؟ کل کیوں نہیں آئی تھیں؟ اس نے خفگی سے پوچھا تو وہ مطمئن ہو کر بولی۔

بس اتنی سی بات۔

یہ اتنی سی بات ہے، وہ رک گیا۔ پتہ ہے میں سارا وقت کتنا پریشان رہا، دس چکر تمہارے ڈیپارٹمنٹ کے لگا ڈالے۔ ایک ایک سے پوچھتا پھرا، سو طرح کے اندیشے الگ۔۔۔ ایک فون نہیں کر سکتی تھیں؟

فون خراب تھا، وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

فون خراب تھا، وہ اس کی نقل اتار کر پوچھنے لگا، کیوں نہیں آئی تھیں؟

سمیر بھائی کے سرال گئی تھی اس نے بتایا تو وہ اچھل کر بولا۔
ہائیں تم نے تو کہا تھا تمہارے بھائی کی ابھی شادی نہیں ہوئی؟
ہونے والے سرال لڑکی دیکھنے۔
دیکھ لی۔

ہاں بہت پیاری ہے وہ خوش ہو کر بولی۔

پھر؟

پھر یہ کہ اب سمیر بھائی کی شادی ہو گئی ہائے سچ کتنا مزہ آئے گا۔ میں تمہیں بھی بلاؤں
گی تم اپنی می کے ساتھ آنا اور زرینہ کو بھی لے آنا۔ وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی آؤ
کے ناں؟

دیکھو وہ کینٹین کی طرف چل پڑا۔

کیا دیکھو وہ پھر اس کے ساتھ تھی۔ تمہیں ضرور آنا ہے۔

ایک شرط پر۔

کیا؟

تم جج دج کر میرے سامنے نہیں آؤ گی اس کے ہونٹوں میں دبی مسکراہٹ سے بھی وہ
نہیں سمجھی۔

کیوں؟

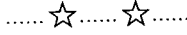
اگر پورے خاندان کے سامنے مجھ سے کوئی بے اختیاری حرکت سرزد ہو گئی تو؟
فضول باتیں نہیں کرو اور نہ ہی میں کوئی فضول بہانہ سنوں گی سمجھے۔ اس کی وارننگ پر
وہ کندھے اچکا کر بولا۔

اوکے باس پھر سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا۔ کیسے بلاؤ گی مجھے آئی مین گھر والوں سے کیا کہو
کی؟

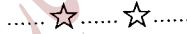
یہی کہ تم وہ خود سوچ میں پڑ گئی اور اس کے ہنسنے پر گھور کر بولی یونیورسٹی فیلو۔
بس۔

ہاں بس اتنا تعارف کافی ہے وہ کہہ کر بات بدل گئی۔ اچھا سنو میں کل بھی نہیں آؤں
کی کیونکہ کل لڑکی والے ہمارے ہاں آئیں گے۔

کیا صبح سے آئیں گے، وہ رک کر پوچھنے لگا۔
جب بھی آئیں، میں بہر حال نہیں آؤں گی کیونکہ سارے گھر کی صفائی کرنا اور کھانے
کا اہتمام الگ، سمجھ اب میں جا رہی ہوں۔ میری کلاس ہے، وہ اسے کینٹین میں دھکیل کر خود
وہیں سے پلٹ آئی تھی۔



اور اگلا سارا دن وہ بہت مصروف رہی، ندا بھی اس کی مدد کو آگئی تھی۔ دونوں نے
دوپہر تک پورا گھر چمکا دیا، اس کے بعد کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا پھر رات کی دعوت کی
تیار کی کیلئے دونوں کچن میں آگئیں۔ کام کے ساتھ دونوں کی نہ ختم ہونے والی باتیں بھی
جاری تھیں۔



ندا سے اس کی دوستی بہت پرانی نہیں تھی، بس دو سال ہی ہوئے تھے۔ وہ اوپر کے
پورشن میں ان کے ہاں کرائے دار تھے، جس طرح اس کی کوئی بہن نہیں تھی، اسی طرح ندا بھی
اکھوتی تھی۔ اس لئے دونوں پر کوئی پابندی نہیں تھی یعنی آزادانہ ایک دوسرے کے پاس آتی
جاتی تھیں۔ اکثر ویک اینڈ پر رات گئے تک یا ندانچے رہتی یا وہ اس کے پاس ہوتی تو پھر
جب تک انہیں احساس نہ دلایا جاتا، تب تک سوتی نہیں تھیں۔ پہلے تو دونوں آزادانہ ہنستی
بولتی کھلکھلاتی تھیں یعنی ان کی آوازیں دوسرے کمرے تک سنی جاتی تھیں لیکن جب سے
اس کی زندگی میں رائیل آیا تھا اور اس نے ندا کو ہرازا بنایا تھا، تب سے وہ سرگوشیوں میں
باتیں کرنے لگی تھیں کیونکہ موضوع خواہ کوئی بھی ہوتا، درمیان میں رائیل کا ذکر ضرور آ جاتا
تھا۔ اس وقت بھی کام کے ساتھ وہ سمیر بھائی کی عنقریب متوقع شادی کی باتیں کرتے
ہوئے رائیل کو بلانے نہ بلانے پر الجھ گئی تھیں۔

میرے خیال ہے بلا ہی لو اس طرح میں بھی اسے دیکھ لوں گی اور انکل، آنٹی بھی ازخود
سمجھ جائیں گے۔

ندا نے کہا تو وہ اچھل کر بولی۔

کیا، کیا سمجھ جائیں گے؟

یہی کہ جس لڑکے کو تم نے بلایا ہے وہ کوئی عام نہیں بلکہ خاص بندہ ہے۔ یوں تمہارے

لئے بھی آسانی ہو جائے گی یعنی خود سے کہنا نہیں پڑے گا۔

ندائے بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ پرسوج انداز میں سر ہلا کر بولی۔
کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔

ہاں میں ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں اب کوئی لیکن اگر مگر مت کرنا۔ ندائے فوراً کہا تو وہ
ہنس کر بولی۔

جی میں کوئی لیکن اگر مگر نہیں کر رہی بلکہ پوری طرح تم سے متفق ہوں۔

اس کے ساتھ ہی وہ خاصی پر جوش ہو گئی تھی اور مہمانوں کے سامنے بھی وہ نہ صرف
ایکٹو بلکہ کھلکھلاتی رہی تھی کیونکہ پہلے مرحلے پر ہی جب وہ چائے لے کر گئی تھی تب ہی اس
نے سن لیا تھا فرحانہ کی امی اس رشتے پر ہامی بھر رہی تھیں اس لئے ان کی خاطر مدارت میں
اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ندائے جو مہمانوں کے آتے ہی گھر چلی گئی تھی ان کے جاتے ہی
وہ اسے خوشخبری سنانے دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اوپر پہنچنے ہی چلانے لگی۔

ندا! ہاں ہو گئی۔

جج، ندا بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

کیا ہوا ہے؟ ندا کی امی ان کے شور سے باہر آئیں۔

وہ آنٹی سمیر بھائی کی شادی وہ گڑ بڑا کر بولی۔

کب ہے؟ آنٹی نے پوچھا تو وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

یہ تو میں امی سے پوچھنا بھول ہی گئی ابھی پوچھتی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ جس
طرح سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی تھی اس طرح واپس نیچے چلی آئی تو امی ٹوک کر بولیں۔ یہ
کیا طریقہ ہے آرام سے نہیں چل سکتیں؟

ابھی میں بالکل حواسوں میں نہیں ہوں خوشی سے پاگل ہو رہی ہوں۔ اس نے
کھلکھلاتے ہوئے امی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں لیکن ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے جب
ان کے چہرے پر نظر پڑی تو کچھ ٹھٹک گئی۔

کیا بات ہے آپ خوش نہیں ہیں؟

کیوں نہیں امی کے ڈھیلے ڈھالے انداز نے اسے مزید چونکایا۔

آپ کچھ چھپا رہی ہیں؟

چھپانے کی کوئی بات نہیں ہے، اصل میں انہوں نے بدلے میں تمہیں مانگا ہے۔ امی نے بتایا تو اس کی ساری خوشی اور جوش ہل میں رخصت ہو گیا۔

کیا، کیوں؟ میرا مطلب ہے آپ صاف منع کر دیں۔ وہ ان کے گلے سے ہاتھیں نکال کر نظریں چراتے ہوئے بولی تو امی کیونکہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں اس لئے کبھی نہیں۔

صاف منع کیوں کریں، پہلے لڑکا دیکھیں گے۔ میر تو اس کی بہت تعریف کر رہا تھا کہ ماشاء اللہ اچھا بڑھا لکھا ہے اور کاروبار بھی اپنا ہے۔ امی نے کہا تو وہ جڑ ہو کر بولی۔

اس سے کیا ہوتا ہے؟

بھی سب دیکھا جاتا ہے امی نے زور دے کر کہا تو وہ بھی اسی انداز میں بولی۔

ہاں لیکن بدلے والی بات ٹھیک نہیں ہے۔

مجھے بھی یہی بات کچھ کھٹک رہی ہے۔ بہر حال کل بلایا ہے انہوں نے تمہارے ابو اس سے ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔ امی بات ختم کر کے کھڑی ہوئیں تو وہ بے اختیار ان کا ہاتھ تمام کر بولی۔

امی! مجھے شادی نہیں کرنی، میرا مطلب ہے میں ابھی بڑھ رہی ہوں۔ امی اس کی پہلی بات پر ہنسی تھیں لیکن پھر دوسری بات پر مطمئن ہی ہو کر بولیں۔

ہاں ہاں بڑھ لو، انداز ٹالنے والا تھا جس سے وہ جھنجھلا کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ابو کتاتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

لیکن میں خاموش نہیں رہوں گی اس نے سب سے آخر میں یہ بات سوچتی تھی پھر تمام رات پریشان کن سوچوں اور اندیشوں میں ہی گزر گئی۔ صبح کے قریب وہ خود کو ہمت دلاتے دلاتے سوئی تو پھر دوپہر میں ہی اٹھی تھی۔

آج تمہیں یونہی سوئی نہیں جانا تھا؟ امی نے اسے دیکھ کر پوچھا تو وہ سستی سے بولی۔

جانا تھا آپ نے اٹھایا کیوں نہیں؟

کوئی ایک بار اٹھایا، کتنی بار جھنجھوڑا، کیا کھا کر سوئی تھیں؟

افیم! اس نے جل کر سوچا اور انہیں جواب دیئے بغیر کچن میں آ کر پہلے جاترہ لیا پھر چائے بنا کر دوبارہ امی کے پاس آ بیٹھی۔ بیڈ پر رکھے ان کے کپڑے دیکھ کر انجان بن کر

پہنچے گی۔

کہاں کی تیاری ہے؟

تمہارے سرہال آج رات کے کھانے پر بلایا ہے انہوں نے۔ امی کے منہ سے بے ساختہ ہی تمہارے سرہال نکلا تھا جس پر وہ اچھل پڑی۔

میرا سرہال کہاں سے آ گیا؟

ہو بھی سکا ہے کیونکہ آج ہم لڑکا دیکھیں گے امی نے کہا تو اس نے ہونٹ بھیج کر خود کو فوراً کچھ کہنے سے باز رکھا پھر پہلے چائے پی اس کے بعد بہت سنبھل کر انہیں مخاطب کر کے بولی۔

ای! آپ لڑکا دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کیا مطلب؟ امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ میں آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ راتل۔۔۔۔۔ وہ اسی قدر کہہ کر سر جھکا گئی تو امی کچھ دیر اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی رہیں پھر پر سوچ انداز میں پوچھا۔
کون ہے راتل؟

میرے ساتھ یونہی میں پڑھتا ہے اس کا ایم کام کا آخری سال ہے۔ اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے بتایا پھر کتنی دیر امی کے بولنے کا انتظار کرتی رہی ذرا سی پلکیں اٹھا کر انہیں سوچے دیکھ کر کہنے لگی۔

میں نے کوئی جرم نہیں کیا، بس مجھے وہ مجھے اچھا لگا، اس کے گھر والے بھی اچھے ہیں۔ میں ان سے مل چکی ہوں اور میں اس کے علاوہ۔۔۔۔۔ وہ پھر خاموش ہو گئی تو امی تیز ہو کر بولیں۔

جو تمہارے باپ کو وہ پسند آ گیا فرحانہ کا بھائی۔

میں یہ سب نہیں جانتی۔ میں نے آپ کو بتا دیا ہے اب ابو کو سمجھانا آپ کا کام ہے۔ وہ امی کو مشکل میں ڈال کر ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

اور یہ نہیں تھا کہ وہ خود اطمینان سے ہو گئی تھی بلکہ پہلے سے زیادہ پریشان اور خائف تھی کیونکہ اب وہ اصول پسند اور قدرے سخت گیر طبیعت سے واقف تھی اس لئے شام میں وہ اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں جب میرا امی ابو کو لیکر چلے گئے تب اس نے باہر آ کر اوپر کی نیل

بجائی تو ننداریلنگ سے جھانک کر بولی۔

کیا ہے؟

نیچے آؤ وہ کہہ کر لاؤ نج میں آ بیٹھی تو فوراً ہی ندا سیڑھیاں پھلاکتے ہوئے آ گئی۔
خود نہیں آ سکتی تھیں۔

نہیں! اس نے گہری سانس کے ساتھ کہا تو ندا اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگی۔
کیا بات ہے، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی آئی کہاں
ہیں؟

امی ابو سیر بھائی کے ساتھ ان کے سرال گئے ہیں۔

تم نہیں گئیں؟

نہیں یار بہت گڑبڑ ہو گئی ہے وہ ندا کا ہاتھ کھینچ کر بٹھاتے ہوئے بولی۔

سیر بھائی کے سرال والوں نے بدلے میں میرا رشتہ مانگ لیا ہے۔
پھر؟

پھر میں نے امی کو رائیل کے بارے میں بتا دیا ہے۔

یہ تم نے اچھا کیا ہے۔

اچھا تو کیا لیکن ابو کا کچھ پتہ نہیں ہے اگر انہیں سیر بھائی کا سالہا پسند آ گیا تو مشکل ہو
جائے گی، ابھی وہ اسے ہی دیکھنے گئے ہیں۔ اس نے تشویش ظاہر کی تو ندا پوچھنے لگی۔

تم نے دیکھا ہے اسے؟

نہیں اور نہ میں دیکھنا چاہوں گی، بس تم دعا کرو ابو بھی اسے رنجیکٹ کر دیں، اس نے کہا
تو ندا ہنس کر بولی۔

اسے میرے گھر کا راستہ دکھا دینا۔

وہ بھی بے ساختہ ہنسی تھی۔

☆.....☆

پھر بات صرف امی ابو کو لڑکا پسند آنے کی نہیں تھی اس سے زیادہ پریشان کن بات یہ
تھی کہ ادھر سے بدلے کی شادی کی شرط رکھ دی گئی تھی، جس پر سیر بھائی اور ابو کو تو کوئی
اعتراض نہیں تھا، امی بھی اعتراض نہ کرتیں اگر جو وہ انہیں رائیل کے بارے میں نہ بتا چکی

ہوتی۔ اس لئے انہوں نے ابو کے سامنے بدلے کی شادی کے منفی پہلو بیان کرنے شروع کئے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

یہ سب پرانے زمانے کی باتیں ہیں کہ ایک گھر خراب ہو تو دوسرا بھی اجڑ جاتا ہے پھر ہم اس طرح سوچیں ہی کیوں۔ گویا وہ اس سلسلے میں کچھ سننا ہی نہیں چاہتے تھے اور ادھر سے مایوس ہو کر امی نے اس کے سامنے لڑکے کی تعریفیں شروع کر دیں تو پہلے تو وہ بے دھیانی میں سنتی رہی لیکن جب امی کا مقصد سمجھ میں آیا تو چڑ کر بولی۔
وہ خواہ کتنا بھی اچھا ہو مجھے اس سے شادی نہیں کرنا۔

پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ امی نے بے بسی سے کہا تو وہ انکی بات سے زیادہ لہجے کی بے بسی سے ٹھٹکی تھی۔

کیا مطلب ہے آپ کا؟
وہ لوگ صرف فرحانہ کیلئے ہامی نہیں بھر رہے کہہ رہے تھے کہ اگر آپ کو لڑکی دینا منظور ہے تو پھر ہمیں بھی منظور ہے۔ امی نے بتایا تو وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔
تو آپ کو اسی وقت کہہ دینا چاہئے تھا کہ آپ کو منظور نہیں ہے۔
کیسے کہہ دیتی اتنی مشکل سے سیر شادی پر راضی ہوا ہے اور کرے گا بھی اسی سے۔ امی نے کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

آپ کا مطلب ہے ان کی خاطر میں۔۔۔۔۔
امی خاموش رہیں اور ان کی خاموشی گویا تصدیق تھی اس نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا پھر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تو رات کے کھانے پر بھی نہیں نکلی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ بھوک ہڑتال کر کے اپنی بات منوانا چاہتی تھی بلکہ وہ حد درجہ پریشان ہو گئی تھی کیونکہ جانتی تھی کہ اگر ابو نے اس متبادل رشتے کیلئے ہامی بھر لی تو وہ امی کی بھی نہیں سنیں گے۔
بہر حال اس رات اس نے بہت سوچا لیکن اسکی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس صورتحال سے کیسے نمٹے۔ اسی پریشانی میں وہ یونیورسٹی آئی تھی راہیل جو اس کی تین دن کی غیر حاضری پر ناراض تھا اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر ساری ناراضگی بھول گیا۔
کیا ہوا ہے تمہیں؟

میں بہت پریشان ہوں اس کی آنکھیں ویسے ہی چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

ارے ارے یوں سرعام روؤ گی تو مسئلہ ہو جائے گا تمہارے لئے کم میرے لئے زیادہ وہ بظاہر ہلکے ہلکے انداز میں بولا ورنہ حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

اس نے فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ ڈالیں پھر اس کیساتھ لائبریری میں آ بیٹھی اور ساری بات بتا کر سوالیہ نشان بن گئی تو وہ کتنی دیر سوچتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

میں کیا کروں؟ میرا مطلب ہے میں یہی کر سکتا ہوں کہ آج ہی اماں کو تمہارے گھر بھیج دوں لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میں ابھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا جبکہ تمہارے گھر والے پہلا سوال ہی یہ کریں گے کہ میں کیا کرتا ہوں ہاں اگر انہیں تمہاری شادی کی جلدی نہ ہو تو۔۔۔۔۔

بات جلدی دیر کی نہیں ہے۔ سمیر بھائی کی وجہ سے امی ابو کو مجبوراً میرے لئے بھی ہامی بھرنا پڑے گی۔

تو تم اپنے سمیر بھائی سے بات کرو اس نے کہا تو وہ مایوسی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔
نہیں کر سکتی البتہ امی ان سے کہہ سکتی ہیں۔

لیکن وہی بات کہ وہ فرحانہ کو پسند کرتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ شادی کریں گے تو فرخانہ سے ورنہ کبھی کسی سے نہیں۔

تو یہ بات تم نے کیوں نہیں کہی وہ نا چاہتے ہوئے بھی کچھ شاکی ہو گیا تو وہ الجھتے ہوئے کہنے لگی۔

میں امی کو تمہارے بارے میں بتا چکی ہوں۔ لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں لڑکی ہوں، سمیر بھائی کی طرح میں وارننگ نہیں دے سکتی۔

ہوں وہ ہونٹ بھیج کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر اسے دیکھ کر بولا ایک راستہ ہے۔
کیا؟

میرے ساتھ بھاگ چلو اس نے بظاہر بہت سنجیدگی سے کہا تھا جس پر وہ کتنی دیر ساے خوشخوار نظروں سے گھورتی رہی پھر افسوس سے بولی۔
مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔

پھر کیا امید کرتی ہو مجھ سے بتاؤ تاکہ میں وہی کروں۔
کچھ نہیں، تم کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ فوراً اس کی کلائی تھام کر

پوچھنے لگا۔

اور تم کیا کرو گی؟

فکر مت کرو زہر نہیں کھاؤں گی۔ وہ اس کے خائف انداز پر بولی۔

تم تو نہیں کھاؤ گی لیکن میں ضرور کھالوں گا۔ وہ اس کی کلائی چھوڑ کر کرسی کی پشت سے

ٹپک لگاتے ہوئے بولا۔

راہی! وہ دوبارہ بیٹھتے ہی ٹیبل پر پیشانی ٹکا کر رو دی تو وہ خود پر جبر کئے اسے دیکھے گیا۔

کتنی دیر بعد جب اس کے آنسو ختم گئے اور وہ اٹھنے لگی تب اسے روک کر بولا۔

سنو میں کل تمہارے ابو سے ملوں گا۔

نہیں! ابو نے اگر تمہیں منع کر دیا تو پھر ساری کوششیں بیکار جائیں گی۔ وہ اس کی طرف

دیکھے بغیر بولی۔

پھر اماں کو بھیجوں؟ اس نے پوچھا تو وہ سوچتے ہوئے الجھ گئی۔

مجھے نہیں پتہ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں میں تمہارے بنائیں رہ سکتی۔

تو پھر ایسا کرو اپنے بھائی کی سنگیتر سے بات کرو کہ وہ اپنے گھر والوں کو بدلے کے

رشتے سے باز رکھے۔ رائیبل نے کہا تو وہ اسی بیچ پر سوچنے لگی پھر اسے دیکھ کر بولی۔

میرا خیال ہے فرحانہ کے بجائے اس کے بھائی سے بات کروں کیونکہ فرحانہ ہو سکتا

ہے اپنی محبت میں خود غرض بن جائے جبکہ ادھر ایسا کوئی معاملہ نہیں۔

ہوں وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

چلو پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ قدرے حیران ہوا۔

میں کہاں چلوں؟

فرحانہ کے گھر سے اس کے بھائی کے آفس کا نمبر معلوم کر دو اس نے کہا تو وہ اچھل

پڑا۔

میں اس کے گھر جاؤں؟

گھر نہیں بابا! فون پر تم خود کو اس کا دوست ظاہر کر کے نمبر معلوم کر سکتے ہو۔ اس نے

جھنجھلا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر اس کے ساتھ چلتے ہوئے اچانک رک کر اسے

دیکھنے لگا۔

سُنو کیا تمہیں یقین ہے کہ۔۔۔۔۔ وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکا کیونکہ اس کی آنکھیں
یک لخت نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

☆.....☆

یو نیورٹی سے آ کر اس نے روزانہ کی طرح امی کے ساتھ کھانا کھایا، اس کے بعد اس
وقت سونا بھی کیونکہ اس کے معمول میں تھا، اس لئے برتن سمیٹ کر سیدھی اپنے کمرے میں
آ گئی جب امی کے سونے کا یقین ہو گیا تب بیک میں سے فرحانہ کے بھائی کا فون نمبر نکال
کر لابی میں آ گئی، بہت احتیاط سے ڈائل کیا تو دوسری طرف غالباً آپریٹر تھی۔
لیں۔

سکندر صاحب سے بات کرائیں اس نے فوراً کہا تو ادھر سے پوچھا گیا۔

آپ کون؟

میں ان کے گھر سے، اس نے اسی قدر کہنے پر اکتفا کیا تو چند لمحوں بعد سکندر کی آواز
آئی تھی۔

ہاں کون؟

جی میں عافیہ۔۔۔۔۔ اس نے بہت سنبھل کر کہا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

عافیہ؟

جی، سمیر بھائی کی بہن۔ اس نے مزید تعارف کرایا۔

او کیسی ہیں آپ؟ اب اس نے خوشدلی سے پوچھا۔

میں ٹھیک ہوں اور مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا ہے، وہ اسے کسی خوش فہمی میں
جتلا نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ جب ہی فوراً اصل بات پر آ گئی تو وہ بھی غالباً سنجیدہ ہو گیا
تھا۔

جی فرمائیے۔

مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں آپ کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی، پلیز آپ اپنے
والدین سے کہیں کہ وہ بدلے کی شرط ہٹا کر صرف سمیر بھائی کے لئے بات کریں۔ اس نے
جو سوچا تھا وہی جلدی سے کہہ دیا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
ہیلو چند لمحوں بعد اس نے پکار کر پوچھا۔

آپ خاموش کیوں ہو گئے؟

بھر کیا کروں؟ وہ جیسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

مجھے اس پریشانی سے نکالیں، آئی مین مجھے یقین دلائیں کہ آپ کی طرف سے اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ اس نے جھنجھلاہٹ چھپا کر کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔
اور کوئی حکم؟

شکر یہ اور بس یہ کہ کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ میں نے آپ کو فون کیا تھا۔
اچھی بات ہے اس نے کہا تو وہ مطمئن ہوئی اور ایک بار پھر شکر یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔
بھروسہ لہی تان کر ایسا سوئی تھی کہ شام میں امی نے آ کر اٹھایا، ساتھ رائیل کی اماں اور بہن کے آنے کا بتایا تو وہ جوا بھی بھی اٹھنے میں سستی کر رہی تھی، ایک دم ہوشیار ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور امی کے گلے میں بائیں ڈال کر بولی۔

امی! انہیں منع نہیں کیجئے گا۔

بھر؟ امی قدرے متوحش ہو گئی تھیں۔

بھر کیا، میں نے آپ کو رائیل کے بارے میں بتایا تو تھا۔

ہاں لیکن ادھر فرحانہ والے۔۔۔۔۔

ادھر کی فکر نہیں کریں، میرا مطلب ہے ادھر آپ منع کر دیں، کچھ نہیں ہوگا۔ سمیر بھائی کی شادی فرحانہ ہی سے ہوگی۔ وہ بڑے آرام سے امی کو حیران چھوڑ کر واش روم میں بند ہو گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو کچن کا رخ کیا اور چائے کے ساتھ جوسکٹ نمک و غیرہ موجود تھے، لکڑا رنگ روم میں آئی تھی۔

السلام علیکم! اس نے اماں کو سلام کر کے زربینہ کو گھورا جو حسب عادت اسے دیکھ کر ہنسنے لگی تھی اور اس وقت تو اس کی ہنسی میں شوخی بھی تھی۔

جیتی رہو، خوش رہو۔ اماں نے اسے دعا دی۔

بھر وہ چائے پینے تک وہاں بیٹھی، اس کے بعد زربینہ کو لیکر اپنے کمرے میں آئی تو وہاں نما موجود تھی، اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

کون آیا ہے؟

یہ رائیل کی بہن ہے، اس نے جواب میں زربینہ کا تعارف کرایا تو ندانے معنی خیز انداز

میں ہونٹ سکیڑ کر پوچھا۔

اور۔۔۔ رات بلی بھی آیا ہے۔

وہ کیوں آئے گا؟ اس نے عدا کو گھور کر کہا۔

بھریہ کس کے ساتھ آئی ہے؟

اپنی اماں کے ساتھ زرینہ! تم برا نہیں مانتا! اسے فضول بولنے کی عادت ہے۔ اس نے جواب کے ساتھ زرینہ سے کہا تو عدا براہ راست زرینہ سے پوچھنے لگی۔

اس کا رشتہ لکیر آئی ہو؟

جی زرینہ ہنسی تھی۔

میری طرف سے ہاں ہے چاہو تو کل ہی بارات لکیر آ جانا۔ عدا نے زرینہ کی ہنسی سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تو ودانت نہیں کر اس پر جھپٹنا چاہتی تھی کہ امی آ کر زرینہ سے بولیں۔

بچی! تمہاری اماں جا رہی ہیں۔

اچھا بابا! میں چلتی ہوں۔ زرینہ اس سے کہہ کر امی کے ساتھ چلی گئی تو عدا بیڈ پر گرے ہوئے بولی۔

یار! یمن تو بہت پیاری ہے۔

وہ بھی بہت پیٹنڈم ہے اس نے فوراً کہا تو عدا پہلے ہنسی پھر سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگی۔

اور اس بدلے والے رشتے کا کیا ہوا؟

وہ میں نے منع کر دیا! میرا مطلب ہے۔ وہ عدا کے پاس بیٹھ کر اپنا کارنامہ بتاتے ہوئے کھلکھلانے لگی تھی۔

☆.....☆.....

اگلے روز جب وہ یونیورسٹی جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی تو امی نے یہ کہہ کر روک دیا کہ سمیر کے سسرال والے آنے والے ہیں جس پر اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا کیونکہ اپنی طرف سے اسے اطمینان ہو گیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ آج وہ لوٹ بدلے کی شرط ہٹا کر صرف سمیر کی بات کریں گے اس لئے دوپہر تک وہ گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی رہی۔ اس دوران دوپہر کا کھانا بھی بنا دیا اور جب امی کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھی تو شوق سے پوچھنے

گل

کب تک ہوگی سیر بھائی کی شادی؟
 صرف سیر کی نہیں تم دونوں کی شادی۔ اسی نے کہا تو اس کا نوالہ اٹھاتا ہاتھ وہیں رک
 گیا۔

کیا مطلب؟

تمہارے بابو نے سکندر کیلئے ہامی بھر لی ہے۔

اسی نے بتایا تو وہ چکا گئی۔

کیوں، کیوں بھر لی ہامی اور مجھ سے پوچھے بغیر، مجھے نہیں کرنا وہاں شادی۔
 بیکار باتیں مت کرو امی ناگواری سے ٹوک کر بولیں۔ سیر کہہ چکا ہے کہ وہ فرحانہ کے
 علاوہ کسی سے شادی نہیں کرے گا اور ہمیں ہر حال میں اس کی شادی کرنا ہے کیونکہ اس گھر
 میں روٹھیں اسی کے بال بچوں سے ہوں گی، تم تو اپنے گھر کی ہو جاؤ گی۔
 وہ کتنی دیر سناٹے میں امی کو دیکھے گئی پھر بولی تو اس کی آواز ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

آپ کو صرف سیر بھائی کی خوشی عزیز ہے؟

تم بھی خوش رہو گی، سکندر اچھا لڑکا ہے۔ اسی اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھیں اور وہ
 انہیں جھموڑنا چاہتی تھی لیکن جان گئی تھی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ بیٹے کی محبت
 میں امی نے اس کی طرف سے دل پر پتھر رکھ لیا تھا، اس لئے وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے
 کمرے میں آ گئی اور پھر تمام دوپہر وہ سکندر کے نمبر ڈائل کرتی رہی تھی۔ کبھی وہ مینٹک میں
 ہوتا، کبھی کسی اور کام میں مصروف اور پتہ نہیں واقعی مصروف تھا یا اس سے بات نہیں کرنا چاہتا
 تھا۔

اس نے بہر حال طے کر لیا تھا کہ اس سے پوچھے گی ضرور کہ وہ اس کے ساتھ قائل
 کیوں کھیل رہا ہے اس لئے اس نے اپنی کوشش ترک نہیں کی جبکہ ڈائل کھما کھما کر اس کی
 اگلیاں شل ہو گئی تھیں اور حصہ الگ، بس نہیں چل رہا تھا، سامنے جا کر اس کا منہ لوج لے۔
 آخر پانچ بجے سے کچھ پہلے وہ لائن پر آیا تھا تو وہ جو حصے سے پاگل ہو رہی تھی اس کی آواز
 سننے ہی جو منہ میں آیا کہے گی۔

آپ انتہائی جموٹے اور بے ایمان آدمی ہیں اور مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے

یاد رکھیں اگر میری آپ کے ساتھ شادی ہوگئی تو آپ کو میری طرف سے کبھی کوئی خوشی نہیں ملے گی۔ اس کیساتھ ہی اس نے ریسیور شیخ دیا تھا۔

☆.....☆.....

وہ اپنی ساری کوششوں اور تدبیروں میں ناکام ہوگئی تھی اور اب وہ سب سے زیادہ شاکی امی سے تھی، جنہوں نے سمیر بھائی کی خوشی کو اس کی خوشی پر مقدم جانا تھا۔

سمیر بھائی کے بال بچوں سے اس گھر میں رونق ہوگی، خوش رہیں اپنی رنقوں میں، میں اب کبھی پلٹ کر اس گھر میں نہیں آؤں گی۔ جانے کب سے وہ گھنٹوں میں سردیے یہی سوچے جا رہی تھی۔ امی دو تین بار اس کے کمرے میں جھانک کر گئی تھیں پھر شاید انہوں نے ہی ندا کو بلا کر اس کے پاس بھیجا تھا۔

اے ندانے اس کے پاس بیٹھ کر آہستہ سے اس کا کندھا ہلایا تو وہ گھنٹوں سے سر نکال کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ رو نہیں رہی تھی پھر بھی اس کی آنکھیں نہ صرف سرخ ہو رہی تھیں بلکہ ان میں وحشت بھی سما گئی تھی۔

کیا ہو گیا ہے تمہیں ندانے نرمی سے ٹوکا تو وہ سچ مچ ٹوٹ گئی۔

میں ہار گئی، ندانے ہار گئی۔

ایسا مت کہو، ہو سکتا ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو۔ ندانے اس کے ہاتھ تھام کر تسلی آمیز انداز میں کہا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

نہیں، میری بہتری کسی نے سوچی ہی نہیں۔ امی ابو دونوں کو صرف سمیر بھائی کی خوشی

عزیز ہے۔

تمہیں بھائی کی خوشی عزیز نہیں ہے؟ ندا بلا ارادہ ہی کہہ گئی تھی۔

لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں اپنی خوشی ان پر قربان کر دوں، یہ قربانی وہ بھی تو دے سکتے تھے۔ وہ چیخ کر بولی تھی۔

جناب! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مرد قربانی نہیں دیا کرتے۔ ندانے قصداً ہلکا پھلکا انداز اختیار کر کے اس کا دھیان بنانے کی سعی کی پھر اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔

چلو میرے ساتھ اوپر چلو، میں تمہیں اچھی سے چائے پلاؤں گی۔

مجھے رائیل کو فون بھی کرنا ہے، اس نے تکیے پر سے دوپٹہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

کیوں؟

اتنے دنوں سے یونیورسٹی نہیں جا رہی وہ پریشان ہوگا اور پھر اسے بتا تو دوں
لہ۔۔۔ اس کی آواز حلق میں انک گئی تو وہ ندا سے پہلے ہی کمرے سے نکل آئی پھر اوپر
! لرنہ اسے ٹیلی فون کے پاس چھوڑ کر خود چائے بنانے چلی گئی تو اس نے پہلے خود پر قابو پایا
پھر رائیل کے نمبر ڈائل کئے تو دوسری طرف اسی نے فون اٹھایا تھا۔
ہیلو۔

راہی! وہ اس کی آواز سنتے ہی پھر بکھرنے لگی تھی۔

کون عافیہ! کیسی ہو یونیورسٹی چھوڑ دی کیا؟

رائیل کے لہجے میں کوئی بے قراری نہیں تھی سیدھے سادے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

آں ہاں۔ اس نے چونک کر کہا تو وہ پھر اسی انداز میں پوچھنے لگا۔

شادی ہو گئی کیا؟

تم کیا کہنا چاہتے ہو اس نے بمشکل آواز پر قابو پا کر پوچھا تھا۔

کم آن یار! جو ہونے والی بات ہے وہ تو ہو گئی پھر اس پر رونے واویلا مچانے کا کیا

لانہ۔

راہی! تم، جمہیں دکھ نہیں ہو رہا؟

ہوا تھا بلکہ دل میں درد بھی اٹھا تھا لیکن اب سب ٹھیک ہے، کوئی دکھ نہیں۔ اس نے کہا

تو وہ دکھ سے بولی۔

شاید اسی لئے میں اپنی کوششوں اور تدبیروں میں ناکام ہو گئی۔

کیا مطلب؟

کچھ نہیں اس نے فون رکھ دیا اور پلکوں تک آئی نئی انگلیوں پر سمیٹ کر ندا سے کہے

لہجہ میٹھی اتر آئی اور برآمدے میں رک کر آسمان کو دیکھنے لگی جس کی نیلا ہٹیں تاریکیوں

میں گھپ رہی تھیں اسے لگا جیسے وہ بھی تاریکیوں میں ڈوب رہی ہے۔

☆.....☆.....

پھر چند دن بعد ہی وہ دل میں بے شمار کدورتیں اور رنجشیں لئے اس گھر سے اس شخص

لے ساتھ رخصت ہوئی جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ وہ اسے کبھی دیکھنا بھی نہیں

چاہے گی اور ابھی بھی اس کے اندر کوئی تجسس نہیں تھا۔ عجلہ عروسی میں وہ یوں بیٹھی تھی جیسے وہ می اس خصوصی سجاوٹ کا حصہ ہو دل میں نہ کوئی امنگ نہ ترنگ اور نہ انتظار۔ یہاں تک کہ ہماری قدموں کی آواز بھی اس کے دل کو نہیں دھڑکا سکی۔

جناب! جھوٹا! بے ایمان آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور سلام عرض کرتا ہے۔ سکندر نے اس کے سامنے بیٹھ کر خامسے گھیر لہجے میں کہا: تب اس کا دل یک بارگی بڑی زور سے دھڑکا اور دھیرے سے کانپا تھا۔

میرے خدا! وہ جانے اس شخص کو کیا کیا کہہ گئی تھی۔ سلام کا جواب دینا فرض ہے اس نے پھر کہا تو وہ دھیرے سے بولی۔
وعلیکم السلام۔

شکریہ! اب بتائیں۔ آپ مجھ سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ اس کی تھوڑی چھوکر پوچھنے لگا: تو وہ کچھ سوچ کر الٹا اس سے پوچھ گئی۔
آپ کا کیا خیال ہے؟

میرا وہ اس کے سامنے ہاتھوں کا ٹکے بنا کر لیٹ گیا پھر کہنے لگا۔ میں نے بہت ساری باتیں سوچی تھیں ایک یہ کہ آپ کسی کو پسند کرتی ہوں گی دوسرے شاید آپ ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہیں یا پھر بدلے کی شادی کے خلاف ہیں۔ تیسری بات ٹھیک ہے، وہ جو اس کی پہلی بات پر خائف ہوئی تھی تیسری پر فوراً اعتراف کر لیا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

کیوں؟

کیونکہ میں نے اس کے اچھے نتائج نہیں دیکھے۔

دیکھتے تو میں نے بھی نہیں بہر حال ہمارے ساتھ انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا اور ہم اس خیال کو غلط ثابت کر دیں گے کیوں؟ اس نے بات کے اختتام پر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کی غیر معمولی شہدک محسوس کر کے پوچھنے لگا۔

آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟

جی۔

لیکن مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں کچھ پریشان اور اداس۔ اس کے درست قیاس پر

وہ خائف ہو کر بولی۔

نہیں! میں پریشان نہیں ہوں۔

شیور؟

اس نے بس سر ہلایا۔

چلو اب تمہاری باری ہے، اس نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

جی۔

بھئی اب تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارے کہنے پر بھی میں نے شادی سے منع کیوں نہیں کیا

تھا۔ اس نے کہا تو وہ جزبز ہو کر بولی۔

آپ بتا دیں۔

ہاں! وہ اٹھ بیٹھا۔ میں چاہتا تھا، تم اپنی جنگ خود لڑو اگر کسی کی محبت میں لڑتیں تو ضرور

بیت جاتیں ہے ناں؟ وہ بڑی کوشش سے مسکرائی تھی۔

بہر حال تمہاری ہار نے میرے دل سے بوجھ ہٹا دیا ہے، اب بتاؤ تمہاری ذات سے

مجھے کوئی خوشی ملے گی کہ نہیں۔ وہ بہت خوبصورتی سے اس کی کہی باتیں دہرا رہا تھا اور وہ اپنے

اندز نہیں نہیں کی تکرار سے گھبرا کر اس کے سینے میں جا چھپی تھی۔

☆.....☆.....

اگلے روز دو تقریبات ایک ساتھ تھیں، یعنی اس کا ولیمہ اور فرحانہ کی رخصتی، اس لئے گھر

والوں کی توجہ بٹ گئی تھی بلکہ زیادہ توجہ فرحانہ ہی نے کھینچ لی تھی۔ یہ اسے بہت غنیمت لگ رہا

تھا کہ وہ سب کے سامنے پوز کرنے سے بچ گئی تھی۔ گو کہ سکندر کی پرستلی ہر لحاظ سے اٹریکٹو

تھی لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی، جس کی کوری زمین پر سب سے پہلے رائیل نے قدم

جمائے تھے جن کے نشان وہ اب کھرچ ڈالنا چاہتی تھی۔ رات سکندر کے سینے میں چھپ کر

اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ اب کبھی اسے یاد نہیں کرے گی جو بڑے آرام سے اس کی محبت

سے دستبردار ہو کر اسے بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر گیا تھا اور رات سے اب تک وہ صرف اس

کی لٹی کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ یعنی اسے نہ سوچنے کا عہد کر کے بھی وہ صرف اسے ہی سوچ

رہی تھی۔ محبت سے نہ سہی کسی اور انداز سے ہی وہ بہر حال اس کے ہر پل پر قابض تھا۔ اگر

سکندر کو فراغت سے اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملتا تو اسکی بجھی آنکھیں دیکھ کر ضرور ٹھککتا اور

اگر اس سے نہ بھی پوچھتا تو اپنے آپ قیاس ضرور کرتا لیکن گھر کا اکلوتا لڑکا ہونے کے باعث فرحانہ کی شادی کے انتظامات کی ذمہ داری بھی اس پر آن پڑی تھی۔ صبح ناشتہ بھی اس نے بہت عجلت میں کیا تھا اس کے بعد جانے کہاں کہاں مصروف رہا تھا اور ابھی اسٹیج پر بھی اسے اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھنا نصیب نہیں ہو رہا تھا، کبھی ادھر سے اس کی امی نکالتیں، کبھی ادھر سے بہنیں۔ پھر جب بارات کی آمد کا شور مٹا، تب اس کی پمپلیں خود بخود اٹھ گئیں اور ایک ٹک اپنے بھائی سمیر کو دیکھ گئی جن کی شادی کا مدتوں سے ارمان تھا اور کتنے ہی ارمان تھے اس کے دل میں جو دل ہی میں رہ گئے تھے۔ اس کی جگہ اس کی نندیں فوزیہ اور عالیہ سمیر کے دائیں بائیں بازو سے لگ کر بیٹھ گئی تھیں۔

کیسی ہے میری بیٹی؟ امی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

ناراض ہو؟ امی نے محبت سے ٹوکا تو وہ خود کو بکھرنے سے بچانے کی سعی میں بولی۔

ہاں۔

پنگی میں تو سمجھی تھی سکندر کو دیکھ کر۔

سکندر اچھے ہیں لیکن میں پھر بھی خوش نہیں ہوں کیونکہ آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اس کا تنفر ظاہر ہونے لگا تھا۔

برا کیا کیا؟ امی اب ٹھنکی اور پریشان بھی ہوئی تھیں۔

آپ جانتی ہیں بیٹے کی خوشی پر مجھے قربان کر دیا۔

نہیں، ہم نے تمہارا اچھا سوچ کر ہی۔۔۔ امی اپنی صفائی پیش کرنے جا رہی تھیں کہ

اس کی ساس کے آنے پر خاموش ہو گئیں جبکہ ان کا دل اس کی طرف کھینچ رہا تھا۔ آخر ماں تھیں چاہتی تھیں اسے سینے سے لگا کر تسلی دیں لیکن خائف بھی تھیں کہ کہیں وہ پھٹ نہ پڑے جب ہی اس کے پاس سے اٹھ گئیں پھر بس دو دو سے ہی اسے دیکھتی رہی تھیں۔



اگلے دن اس نے سنا سمیر بھائی اپنی دلہن کے ساتھ ہنی مون پر چلے گئے ہیں، گو کہ اس کے اندر ایسی کوئی خواہش نہیں تھی پھر بھی وہ منتظر رہی کہ سکندر کوئی پروگرام بنائیں گے یا اس کے ساس سر ہی کہیں گے کہ دلہن کو کہیں گھما پھراؤ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کے برعکس

تیسرے دن سے ہی اسے ہانڈی چولہے میں لگا دیا گیا تو پھر مردنا بھی اس کی تندیں فوزیہ اور عالیہ اس کا ہاتھ بٹانے کو کچن میں نہیں آتی تھیں جبکہ ٹیبل پر سب سے پہلے آن موجود ہوتیں۔ مزید اس کے پکائے کھانے میں نقص بھی نکالتیں۔ نمک تیز ہے، گوشت بھونا نہیں گیا، چاول میں کئی رہ گئی وغیرہ وغیرہ۔

اس سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا تھا اور منہ توڑ جواب دینا بھی جانتی تھی لیکن صرف ضد میں خود پر جبر کر رہی تھی، اس نے یہ ضد کسی اور سے نہیں اپنے ماں باپ سے باندھ لی تھی جنہوں نے بیٹے کی خوشی پر اسے قربان کر دیا تھا اور اس کا بدلہ وہ خود اپنے آپ سے لے رہی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ بہت نازوں میں پٹی تھی۔ اکلوتی ہونے کے باوجود گھرداری کے سارے کام کرتی تھی لیکن اپنے شوق اور موڈ کے مطابق۔ دل نہیں چاہتا تھا تو صاف انکار بھی کر دیتی تھی، جس پر امی زبردستی نہیں کرتی تھیں اور یہاں کیوں کہ اس نے ضد میں خود کو مٹانے کا سوچا تھا تو اس سے سانس نندوں کو اور موقع مل گیا تھا۔ بہر حال اس وقت وہ بہت تھکی ہاری اپنے کمرے میں آئی تھی اور بس فوراً سو جانا چاہتی تھی لیکن سکندر اس کے انتظار میں تھا۔

کیا کر رہی تھیں، کچھ میرا بھی احساس ہے تمہیں کہ نہیں۔

بہت ہے، اس کے ہونٹوں پر تھکی تھکی مسکراہٹ آئی تھی۔

اب کیا کر رہی ہو؟ سکندر نے اسے وارڈروب کھولتے دیکھ کر ٹوکا تو وہ اس کی طرف پلٹے بغیر بولی۔

صبح کیلئے آپ کے کپڑے پر لیں کر دوں۔

رہنے دو، صبح میں خود کر لوں گا۔ چلو یہاں آ کر لیٹو۔ اس نے خاموشی سے وارڈروب

بند کی پھر لائٹ بھی آف کر کے اپنی جگہ پر آئی تھی۔

تھک گئی ہو؟ سکندر کی سرگوشی پر اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

ہوں۔

کیوں اتنا کام کرتی ہو فوزیہ اور عالیہ بھی تو ہیں؟

انہیں شاید عادت نہیں ہے، اس نے یونہی کہہ دیا تھا۔

کیوں عادت نہیں ہے، تمہارے آنے سے پہلے تو وہی کرتی تھیں۔ وہ اس کے بالوں

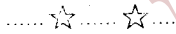
میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا تو وہ گہری سانس کو روکنے کیلئے ہونٹ بھیج گئی۔
صبح تم میرے ساتھ چلنا، قدرے توقف سے اس نے کہا تو وہ کچھ حیران ہوئی۔
کہاں؟

میں آفس جاتے ہوئے تمہیں تمہاری امی کے پاس چھوڑ دوں گا۔
کیوں؟

کیوں کا کیا مطلب، کیا تمہارا دل نہیں چاہتا میسکے جانے کو؟ اب اس نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

ہاں چاہتا ہے وہ کچھ پریشان ہوئی تھی۔
پھر کب تک کیوں نہیں ہو۔

آپ کی مصروفیت کے خیال سے اسے فوراً جواب سوچ گیا تھا۔
چلو اب میں خود لے جایا کروں گا، اپنے تئیں وہ اسے خوش کر رہا تھا۔



وہ جب امی کے ہاں پہنچی تو لاؤنچ میں ہی امی کے ساتھ سیر بھائی بیٹھے تھے جنہیں دیکھ کر سکندر نے بے ساختہ خوشی اور تعجب کا اظہار کیا۔

ارے آپ اپنی سون سے کب لوٹے؟
رات ہی آئے ہیں، سیر بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ بہت گرم جوشی سے سکندر سے گلے ملے اور اسے اپنے ساتھ بٹھالیا، تب اسے دیکھا تھا۔
کیسی ہو عافیہ؟

ٹھیک ہوں، بھابی کہاں ہیں؟ وہ کوشش کے باوجود بھی شوق کا اظہار نہیں کر سکی تھی۔
سورہی ہیں، سیر نے بتایا تو اس کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکلا تھا۔
ابھی تک؟

ہاں اصل میں سفر کی تھکان، سیر اسی قدر کہہ کر سکندر کی طرف متوجہ ہو گئے پھر سکندر کو کیونکہ آفس جانا تھا، اس لئے وہ زیادہ دیر نہیں روکا اور شام میں آنے کا کہہ کر چلا گیا تو امی اسے اپنے کمرے میں لے آئیں، اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیکر دیکھ گئیں۔
آپ خوش ہیں؟ اس سے پہلے کہ یہ سوال امی کرتیں اس نے پوچھ لیا۔

میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں امی نے کہا تو وہ ابھی بھی جتانے سے باز نہیں آئی۔
خوشی چھین کر خوش دیکھنا چاہتی ہیں؟

تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو اور یہ تم نے اپنا کیا حال کر لیا ہے لگ ہی نہیں رہا کہ تم
نوبیا ہتا ہو۔ امی نے اس کے کان چھوئے پھر خالی کلائیاں تھام لیں۔

مجھے چھوڑیں امی! آپ اپنے ارمان اپنی بہو پر نکالیں۔ اس نے اپنی کلائیاں
چھڑاتے ہوئے کہا تب ہی سمیر کے ساتھ فرحانہ کو دیکھ کر اس نے قصداً خوشی کا اظہار کیا
کیونکہ وہ اس کی صرف بھابی ہی نہیں نند بھی تھیں۔

کیسی ہیں بھابی؟

تم کب آئیں؟ فرحانہ نے اس کی بات کا جواب ہی نہیں دیا۔
تھوڑی دیر ہوئی۔

اکیلی آئی ہو؟

نہیں سکندر آفس جاتے ہوئے چھوڑ گئے ہیں۔

اچھا تم تو ابھی روگئی میں جا رہی ہوں۔ فرحانہ نے کہا تو سمیر امی سے بولے۔

امی! ہم فرحانہ کے گھر جا رہے ہیں شام تک آئیں گے۔

ابھی تو تمہاری بہن آئی ہے امی نے غالباً انہیں روکنا چاہا تھا لیکن فرحانہ نے کوئی

اہمیت نہیں دی۔

چلو سمیر وہ ان کے بازو میں ہاتھ ڈال کر نکل بھی گئی۔

☆.....☆.....

ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے۔ اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے۔ امی نے بیٹے بہو کو

سراہنے کے ساتھ دعائیں دیں پھر اسے دیکھ کر بولیں۔

بیٹھو میں تمہارے لئے۔۔۔۔۔

نہیں میرے لئے کچھ نہیں کریں میں ابھی ناشتہ کر کے آرہی ہوں۔ اس نے فوراً

روک دیا۔

اچھا میں ذرا ماسی کو دیکھ لوں اور ہاں دوپہر کے کھانے میں کیا کھاؤ گی؟ امی نے

جاتے جاتے رک کر پوچھا۔

کچھ نہیں، میرا مطلب ہے آپ کوئی اہتمام نہ کیجئے گا۔ آپ ماسی کو دیکھیں۔ میں ندا سے مل کر آتی ہوں۔ وہ کہتے ہوئے امی سے پہلے ہی کمرے سے نکل آئی، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے اچانک اپنے اندر خالی پن کا احساس ہوا کہ ندا کو بتانے کے لیے اس کے پاس زندگی کے نئے موڑ کی کوئی خوبصورت داستان نہیں ہے نہ اس کی چھیڑ چھاڑ پر وہ شرمیلی ہنسی ہنس سکتی ہے۔ اس خیال نے اسے مزید آرزوہ کر دیا تھا اور وہ ایسے ہی ندا کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

ارے تم، ندانے غور ہی نہیں کیا، بس اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔
دو تین بار مجھے معلوم ہوا کہ تم آئیں اور چلی بھی گئیں، میں بہت ناراض ہوں تم سے۔
تم سیڑھیاں نہ چڑھتیں مجھے بلوائیتیں یا اپنے میاں سے ملوانا نہیں چاہتیں۔ اس نے شرارت سے اسے چھیڑا پھر اسے لیکر کمرے میں لے آئی تو وہ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔

خالہ جان کہاں ہیں؟
یہیں مارکیٹ گئی ہیں، آتی ہوں گی، تم بیٹھو۔
ندانے لائٹ آن کرتے ہوئے کہا پھر اسے دیکھ کر وہیں کھڑی رہ گئی تو وہ کچھ حیران ہوئی۔

کیا ہوا؟
تمہیں کیا ہوا ہے اتنی کمزور لگ رہی ہو؟
تمہاری آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں، وہ آرام سے بیٹھ گئی تو ندا اس کے قریب بیٹھ کر دھیرے سے پوچھنے لگی۔
وہ یاد آتا ہے؟
کون؟ ایک پل کو اس کا دل ڈوبا تھا۔
رائبل۔

نہیں، اس نے سختی سے جھٹلایا۔ بالکل نہیں تم، آئندہ کبھی اس کا نام بھی مت لینا، مجھے نفرت ہے اس سے۔

پھر تم اتنی سونی سونی کیوں لگ رہی ہو؟
امی بھی یہی کہہ رہی تھیں، مجھے اصل میں زیورات کا شوق نہیں ہے، اس نے سنبھل کر

بات بنائی تو ندا کو اس پر رحم آ گیا۔

میں تمہارے لئے جس لیکر آتی ہوں۔

نہیں ندا میں کچھ نہیں لوں گی، بس تم میرے پاس بیٹھو۔ اس نے ندا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اچھا سکندر بھائی بھی آئے ہیں؟ ندا نے پوچھا تو وہ سر ہلا کر بولی۔

ہوں اب شام میں آئیں گے۔

ہیں کیسے؟

اچھے ہیں۔

اور ان کے گھر والے؟ ارے ہاں سیر بھائی اور بھابی تو آ گئے ہیں نا، میں رات ہی بھاگی گئی تھی نیچے لیکن۔۔۔۔۔ ندا شوق سے بولتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئی تو اس نے بلا ارادہ ہی ٹوکا تھا۔

لیکن کیا؟

بھابی نے بات ہی نہیں کی، ابھی کیا کر رہی ہیں؟ ندا نے بتا کر پوچھا۔

میکے غمی ہیں۔

ہیں، تم یہاں آئی ہو وہ وہاں چلی گئیں۔

افوہ، چھوڑو یہ باتیں۔ اس نے جھنجھلا کر ٹوکا تو ندا بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

☆.....☆

پھر شام میں سکندر اسے لینے آیا تو امی ابو کے بہت اصرار پر بھی رات کے کھانے تک رکنے پر آمادہ نہیں ہوا جو اسے بہت برا لگا کیونکہ وہ خود تو دوپہر میں سو گئی تھی اور امی اسی وقت سے اہتمام میں لگ گئی تھیں جبکہ سیر اور فرحانہ اس وقت تک نہیں آئے تھے۔ بہر حال اس نے سکندر کے نہ رکنے کو محسوس تو کیا لیکن بہت تھوڑی دیر کیلئے اس کے بعد وہ یہ سوچنے لگی تھی کہ اچھا ہے اب امی ابو کو پتہ چلے گا کہ ان کا انتخاب کیسا ہے۔

کیا سوچ رہی ہو؟ سکندر نے ویو مر میں اس پر نظر ڈال کر اچانک پوچھا تھا۔

ہوں، کچھ نہیں۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ اس کی مسکراہٹ بڑی دلکش تھی وہ ایک پل کو کنفیوژ

سی ہو گئی۔

بتاؤ نا؟ اس نے اصرار کیا تو وہ الٹا اس سے بولی۔

آپ بتائیں۔

اول روز کی طرح پہلے میں قیاس کروں اس نے محظوظ ہو کر کہا تو وہ اندر ہی اندر جربز ہوئی پھر سوچ کر کہنے لگی۔

میں یہ سوچ رہی تھی کہ امی ابواتنا اصرار کر رہے تھے آپ کو رک جانا چاہئے تھا۔

ہاں رکنا تو چاہئے تھا لیکن میرا کچھ اور پروگرام تھا بلکہ ہے۔

کیا؟

پہلے شاپنگ پھر کھانا اس نے بتا کر اسے دیکھا تو وہ قصداً مسکرائی پھر پوچھنے لگی۔

کس خوشی میں؟

عجیب لڑکی ہو، بجائے خوش ہونے کے مجھ سے خوشی پوچھ رہی ہو پھر بھی بتادوں کہ میں چاہتا ہوں، تم بہت سارا وقت میرے ساتھ رہو۔

کیا مطلب۔۔۔؟ وہ واقعی نہیں سمجھی تھی اور وہ ایک دم بنجیدہ ہو گیا۔

گھر میں تو تم ملتی نہیں ہو، لگتا ہے تمہاری شادی مجھ سے نہیں باقی سب گھر والوں سے ہوئی ہے اور کسی وقت تو مجھے لگتا ہے جیسے تم مجھ سے بھاگ رہی ہو۔ سچ بتاؤ کہیں سچ ایسا تو نہیں؟ وہ پارکنگ ایریا میں گاڑی روک کر اسے دیکھنے لگا تو اسے لگا جیسے وہ پھٹ پڑے گی، جب ہی دانتوں کو سختی سے ایک دوسرے پر جما کرنفی میں سر ہلانے لگی۔

اچھا یہ بتاؤ مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟

یا اللہ! یہ آپ راستے میں کیسی باتیں کرنے لگے ہیں، چلیں مجھے بھوک لگ رہی ہے، وہ کہتے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

پہلے کھانا یا پہلے شاپنگ؟ وہ گاڑی لاک کر کے اس کے پاس آیا تو پوچھنے لگا۔

شاپنگ۔

اور وہ جانے کس موڈ میں تھا، اسے اچھی خاصی شاپنگ کروا ڈالی پھر چائینیز میں کھانا کھاتے ہوئے خود ہی کہنے لگا۔

مجھے احساس ہے تمہارے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے۔ فزیز اور عالیہ نے بالکل ہی کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور امی بھی ان ہی کا ساتھ دے رہی ہیں، میں آ کر بولوں گا

’نہیں‘ آپ کو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے فوراً ٹوکا ’میرے لئے یہی سہ ہے کہ آپ کو خود احساس ہے۔‘

تم بھی کبھی کبھی میرا احساس کر لیا کرو؟ سکندر مسکین شکل بنا کر بولا تو بے ساختہ شرمیلی لڑکی ہوا۔ اس نے نظروں کا زاویہ بدلاتھا کہ عین سامنے وہ آ گیا جسے نہ سوچنے کا عہد لے وہ اب تک اس کی نفی کرنے میں لگی ہوئی تھی اور اس نے بہت چاہا کہ فوراً نظریں اٹا کر دیکھ لے لیکن یہ کہاں ممکن تھا جبکہ رائیل اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، وہ اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کا ہاتھ تھامے جانے اس کی آنکھوں میں کون سے خواب سج رہے تھے کہ وہ گم سم ہو گئی تھی۔

اے کیا ہوا؟ سکندر نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر ٹوکا پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں گردن موڑ کر دیکھنے لگا تو وہ چونکنے کے ساتھ کچھ خائف ہوئی پھر بے شکل سنہلے ہوئے بولی۔

وہ لڑکی شاید یونیورسٹی میں تھی۔

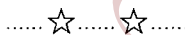
تمہارے ساتھ؟

ہاں، نہیں تو میرا مطلب ہے ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں نہیں تھی۔

اور اس کے ساتھ؟

پتہ نہیں ہوگا کوئی۔۔۔ چلیں۔۔۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ رائیل اسے دیکھے جب ہی

دراکڑی ہو گئی تھی۔



سکندر اس پر مزید محبتیں نہ چاہا اور کر کے سوچا تھا اور سونا تو وہ بھی چاہتی تھی لیکن نیند آ کے لہو دی کیونکہ ذہن بری طرح چیخ رہا تھا، نظروں سے وہ منظر محو ہو کے نہیں دے رہا تھا۔ اہمیں بند کرتی پھر کھلتی آخر تکیے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

اتنی جلدی وہ بدل گیا، میں کوشش کر کر ہار رہی ہوں اور وہ۔۔۔۔۔ پھر خود کو تسلیاں پہنچا لی۔

وہ ایسا ہی ہوگا، فلرٹ۔ جب ہی تو میری شادی کا سن کر اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا اور بالکل نہیں تو مجھے الزام ہی دیتا وہ بھی نہیں۔ اس کا مطلب ہے وہ یہی چاہ رہا تھا کہ میں خود اس

کی زندگی سے نکل جاؤں۔ بے ایمان دھوکے باز فرہمی۔ اس نے تکیے سے آنکھیں رگڑ ڈالیں پھر ڈرتے ڈرتے سکندر کو دیکھا وہ بے خبر سو رہا تھا۔

مدھم روشنی میں اس کے نقوش بڑے دل فریب لگ رہے تھے یا شاید تھے ہی ایسے کیونکہ وہ پہلی بار اتنے قریب سے اسے براہ راست دیکھ رہی تھی۔

اور اگر یہ ایسا جاذب نظر نہ ہو تب بھی میرا شوہر ہے میرا احساس کرتا ہے مجھے خوش رکھنا چاہتا ہے اور میں میں اس فرہمی کی وجہ سے اسے نظر انداز کرتی ہوں۔ اف کتنی بری ہوں میں اب میں خوش رہوں گی اس کیلئے ہنسوں گی کھلکھلاؤں گی۔

اوں ہوں کسی نے چپکے سے دل کا دامن کھینچا تھا مت ہنسا کرو مجھے تمہاری ہنسی سے خوف آتا ہے۔

کیوں اتنی خوفناک ہے میری ہنسی؟

اونہ خواب ناک۔

وہ پھر تکیے میں منہ چسپا کر رہی تھی اور یونہی روتے روتے جانے کب سوئی تھی پھر بھی صبح معمول کے مطابق اٹھ گئی اور روزانہ کی طرح منہ ہاتھ دھو کر سکندر کے پیر کا انگوٹھا ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل کر سیدھی کچن میں جا پہنچی اور اس وقت وہ چاہتی تھی کہ صرف سکندر کیلئے ناشتہ بنا کر اپنے کمرے میں لے جائے لیکن ساس نندیں جیسے اس کے کچن میں جانے کے انتظار میں بستروں میں پڑی رہتی تھیں۔ ادھر وہ چولہا جلاتی ادھر سب کی آوازیں آنے لگتیں تو اسے لگتا جیسے سب ناشتہ ناشتہ پکا رہے ہوں جس سے غیر ارادی طور پر اس کے ہاتھوں میں تیزی آ جاتی تھی۔ پھر سکندر آفس جانے کیلئے تیار ہو کر ٹیبل پر آتا تو باقی سب بھی آن موجود ہوتے۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا سب ٹیبل پر بیٹھ چکے تھے۔ وہ آخر میں ٹی پاٹ میں چائے دم کر کے لارہی تھی کہ اسی وقت فرحانہ آ گئی جیسے دیکھ کر اس نے بے اختیار تعجب کا اظہار کیا کیونکہ کل وہ اور سمیر بھائی سارا دن یہاں رہے تھے اور رات گئے جب وہ سکندر کے ساتھ واپس آئی تھی تب انہیں گھر جانے کا خیال آیا تھا جب ہی اس وقت پھر اس کی آمد پر اسے حیرت ہوئی تھی۔

آپ؟

کیوں؟ میں نہیں آ سکتی؟ فرحانہ نے شک کر کہا تو اس سے پہلے اس کی ساس بول

پڑیں۔

کیوں نہیں تمہارا گھر ہے جب چاہو آؤ۔

اسے شاید برا لگا ہے، فرحانہ بیٹھتے ہوئے بولی، برا لگے یا بھلا، میں تو آؤں گی اپنی ماں کے پاس۔

سمیر نہیں آئے؟ سکندر نے اسے مزید کچھ کہنے سے روکنے کی خاطر پوچھا تھا۔

وہی چھوڑ گئے ہیں، شام کو آئیں گے۔ وہ سکندر کو جواب دے کر پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

تم ابھی تک حیران کھڑی ہو آ خر کیوں؟

سکندر نے ایک نظر اسے جزبہ ہوتے دیکھا پھر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

اس کی حیرت بجا ہے فرحانہ، اصل میں تم لوگ کل بھی تو آئے تھے۔

پھر فرحانہ پتہ نہیں سمجھ نہیں رہی تھی یا جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔

پھر یہ کہ ناشتہ کرو سکندر نے جان چھڑانے کی خاطر کہا، ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

سمیر ناشتے کے بغیر چلا گیا، فرحانہ پر اسٹے کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے بولی۔

پتہ نہیں ان لوگوں کے ہاں ناشتے کا رواج نہیں ہے یا شاید بڑی بی اس انتظار میں بیٹھی تھیں کہ میں ناشتہ بناؤں گی۔

اس کے حلق میں سلاؤں کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی ایک گیا تھا، جلدی سے چائے کا گھونٹ لیکر

اس نے سکندر کو دیکھا تو اس نے ٹیبل کے نیچے اس کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر گویا خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

☆.....☆.....

اور پھر یہ روزانہ کا معمول بن گیا کہ سمیر بھائی صبح آفس جاتے ہوئے فرحانہ کو یہاں

چھوڑ جاتے اور شام میں آتے تو اکثر رات گئے دونوں کی واپسی ہوتی اور اگر کسی دن شام

میں جاتے تو ان کا آؤ ٹنگ کا پروگرام ہوتا تھا۔ بہر حال ایک طرف تو اسے اپنے بھائی پر

حیرت کے ساتھ بے انتہا افسوس اور غصہ تھا، دوسری طرف وہ یہ بھی ضرور سوچتی تھی کہ امی کو

اپنے بیٹے پر اس کی خوشیاں قربان کرنے کا صلہ مل رہا ہے۔ یہ دوسری سوچ کی گرفت بعض

اوقات اتنی مضبوط ہوتی کہ وہ خوش ہوتی۔

اس روز بہت دنوں بعد سکندر آفس جاتے ہوئے اسے امی کے گھر چھوڑ کر گیا تھا تو اس نے ذرا بھی لحاظ نہیں کیا اور طنزیہ جتا دیا۔

کیوں امی! بڑی رونق ہوگئی آپ کے گھر میں سیر بھائی کے بال بچوں سے، جواب میں امی کے آنسو اس روانی سے چھلکے کہ وہ ایک پل میں پاتال میں جا تری تھی۔

امی! امی! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں مناتے مناتے خود بھی روئے لگی تھی۔

تم کیوں رورہی ہو؟ امی نے آنسو پونچھتے ہوئے اسے ٹوکا تو اس کی پہلی سوچ عود کر آئی۔

مجھے سیر بھائی پر غصہ آتا ہے، یا تو شادی ہی نہیں کرتے تھے اور کی تو۔۔۔۔

بس بیٹا سب نصیب کی بات ہے، امی نے آہ بھری۔

ہاں لیکن سیر بھائی کوئی نوعمر لڑکے نہیں ہیں، اچھے خاصے مچھوڑ آدی ہیں۔ انہیں ایسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ وہ صرف ان کا نہیں میرا بھی سسرال ہے، روزانہ منہ اٹھائے چلے آتے ہیں۔ وہ غصے میں بولتی چلی گئی اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی جب ہی امی نے ٹوکا نہیں جب وہ خاموش ہوگئی تب پوچھنے لگیں۔

تمہاری ساس بیٹی کو سمجھاتی نہیں؟

وہ کیا سمجھائیں گی، الناز خوش ہوتی ہیں۔ اس نے جل کر کہا تو امی تعجب سے بولیں۔

عجیب عورت ہے، یہ بھی نہیں سوچتی کہ بیٹی کے روزانہ آنے سے بہو پر کیا اثر پڑے گا۔

مجھے تو انہوں نے لاوارث سمجھ لیا ہے کیونکہ سیر بھائی بھی آتے ہیں تو سالیوں کے

کمرے میں گھسے رہتے ہیں، مجھ سے سرسری حال احوال پوچھنا بھی حرام ہے۔

یہ تو بہت غلط بات ہے، میں تمہارے ابو سے کہوں گی وہی سیر کو سمجھائیں گے۔ امی نے

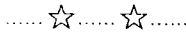
تشویش سے کہا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

سمجھ چکے وہ۔

پھر بتاؤ میں کیا کروں؟

آپ کچھ نہیں کر سکتیں اب میں ہی۔۔۔۔

میں تم کچھ مت کرنا، امی نے فوراً ٹوکا تو وہ ان کی تشویش دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئی۔



رات تقریباً ایک بجے تک وہ سمیر بھائی اور فرحانہ کے ساتھ ناچا رہے ہوئے بھی بیٹھی رہی اور ملکہ کو بھی بٹھائے رکھا پھر ان کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو یہاں بھی ملکہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے اس نے تین بجادے تھے اور گو کہ یہ پہلی رات تھی جو وہ اتنی دیر سے سو رہی تھی، اکثر سکندر کے سونے کے بعد بھی وہ بلا مقصد جاگا رہی تھی لیکن آج کیونکہ اس پر جتنا مقصود تھا، اس لئے اسے بھی جگائے رکھا اور صبح اطمینان سے سو رہی۔ جب معمول کے مطابق کچن میں اس کی موجودگی کے آثار نہیں جاگے تب چالے اس نے اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا تھا، جس سے اس کی آنکھ کھلی ضرور لیکن وہ اہل نہیں اور سکندر کو اٹھتے دیکھ کر مزید سوتی بن گئی۔

عالیہ اسکندر نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ کسمسا کر بولی۔

کیا ہے؟

اللہ کی نہیں؟

اوپر سر میں درد ہو رہا ہے۔ اس نے مزید بازو میں چہرہ چھپالیا اور سکندر کی تیاری میں لڑتی رہی پھر پتہ نہیں کسی نے اسے ناشتہ دیا یا وہ سمیر بھائی کی طرح ایسے ہی چلا گیا تھا۔ بہر حال اس کے جانے کے بعد وہ گھر والوں کا رد عمل سوچتے ہوئے دوبارہ سونے کی کوشش کر رہی تھی کہ ساس اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

اے کب تک سوؤ گی؟ وہ آنکھوں سے ذرا بازو نیچے کھسکا کر انہیں دیکھنے لگی، بولی کچھ کہیں۔

انہو ناشتہ بناؤ۔ انہوں نے کہا تو اب وہ بیزار ہو کر بولی۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

کیا ہوا؟ درد اور نیند بھی پوری نہیں ہوئی، رات اتنی دیر تک فرحانہ بھابی کے ساتھ بیٹھی رہی۔ اس نے جان بوجھ کر فرحانہ کی دیر تک موجودگی جتائی تھی۔

اس کا تو روز کا معمول ہے، تمہیں کیا ضرورت تھی جاگنے کی۔ سکندر بھی بغیر ناشتے کے

چلا گیا، وہ ناگواری سے مزید بڑھاتے ہوئے چلی گئیں۔



میرا بھائی بھی بغیر ناشتے کے جاتا ہے، اس نے سر جھٹک کر تکیے میں منہ چھپا لیا تھا۔ اور پھر اس نے بھی اپنا یہی معمول بنانے کا سوچ لیا، رات کے کھانے کے برتن یونہی چھوڑ کر سکندر کے ساتھ لاؤنج میں آ بیٹھی جہاں فرحانہ، سمیرا اور عالیہ اور فوزیہ بھی موجود تھیں جو اسے دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگیں اور وہ دیکھ کر بھی انجان بن گئی لیکن فرحانہ سے بالکل برداشت نہیں ہوا فوراً ٹوک دیا۔

تم کیوں اپنی نیند خراب کر رہی ہو جاؤ سو جاؤ۔

سارا دن تو سوتی رہی ہوں اب نیند نہیں آ رہی۔ اس نے اطمینان سے جواب دے کر ریوٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔

تو کیا اب ساری رات جاگتی رہو گی؟ فرحانہ کی پریشانی وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

نہیں، جب تک آپ لوگ بیٹھے ہیں۔

ہم اگر دو بجے تک بیٹھے رہیں تو۔۔۔۔۔

تو کیا؟ میں اپنے گھر میں بیٹھی ہوں آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ وہ اندر ہی اندر محظوظ ہو کر بول رہی تھی۔

میں کیوں پریشان ہوں گی؟ میں تو اس خیال سے کہہ رہی ہوں کہ پھر صبح تم اٹھو گی نہیں۔ فرحانہ نے کہا تو اس کا دل چاہا کہہ دے کہ اصل بات تمہارے منہ سے نکل ہی گئی لیکن وہ ان سنی کر کے ٹی وی دیکھنے لگی۔

پھر سکندر تو نیند کے باعث معذرت کر کے پہلے اٹھ گیا لیکن وہ سمیرا اور فرحانہ کے جانے کے بعد ہی اپنے کمرے میں آئی تھی اور اس وقت واقعی دو بج رہے تھے سکندر بے خبر سو رہا تھا۔

سوری، صبح پھر تمہیں ناشتے کے بغیر جانا پڑے گا۔ اس نے دھیرے سے کہہ کر لائٹ آف کر دی۔

اور صبح کسی نے اس کا دروازہ نہیں دھڑ دھڑایا۔ سکندر کے اٹھنے اور جانے کا بھی اسے

پتہ نہیں چلا تھا۔

کافی دن چڑھ آنے پر خود سے اس کی آنکھ کھلی تو سر بوجھل ہو رہا تھا اور یہ یقیناً دیر سے سونے اور دیر سے اٹھنے کا نتیجہ تھا، جس پر وہ خود کو ابھی سرزنش کر رہی تھی کہ اس کی ساس آگئیں۔

اٹھ گئیں خیر سے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بال سمیٹنے لگی۔

دیکھو بی بی! یہ طریقے یہاں نہیں چلیں گے، میں جانتی ہوں تم فرحانہ کی نقل کرنا چاہ رہی ہو لیکن تم اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اس جیسی کبھی نہیں بن سکتیں۔

اللہ نہ کرے جو میں اس جیسی ہوں، اس کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟ ساس یکدم آپے سے باہر ہو گئیں، تم کیا آسمان سے اتری حور پری ہو۔

میری فرحانہ کا کیا مقابلہ کر سکتی ہو، اس کے پیر کی جوتی کے برابر نہیں ہو تم پھر وہ تو میاں کے دل پر راج کرتی ہے، تمہاری کیا حیثیت ہے، ابھی سکندر سے کہوں تو تین لفظ کہہ کر نکال باہر کرے گا تمہیں۔
وہ ہکا بکا دیکھتی رہ گئی۔

ایسے آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہی ہو، چلو اٹھ کر ہانڈی روٹی کرو یا تمہارا باپ آ کر کرے گا۔ ان کے آخری جملے نے اسے بری طرح سلگا دیا تھا۔

میرا باپ کیوں ان کی بہو آئی ہوگی، اس سے کہیں۔

ساری تکلیف تمہیں اس کے آنے سے ہوتی ہے۔

بالکل ہوتی ہے اور جب تک وہ اس طرح آتی رہے گی، میں کچھ نہیں کروں گی۔ وہ برابر سے جواب دینے پر آگئی تو ساس آخری حربہ استعمال کر کے چلی گئیں۔

اگر یہ بات ہے تو جا بیٹھو اپنے باپ کے گھر۔

اور وہ جواب اٹھنا چاہ رہی تھی دوبارہ لیٹ گئی۔ چائے کی شدید طلب کو بھی دبا دیا تھا۔

پھر شام کو سکندر کے آتے ہی ماں بہنوں نے اسے لاؤنج میں ہی گھیر لیا اور اس کے

خلاف جو بولنا شروع ہوئیں تو انہیں چپ کراتے کراتے آخر وہ سر تھام کر بیٹھ گیا، اس پر بھی

وہ خاموش نہیں ہوئیں اور وہ اپنے کمرے میں ان سب کی آوازیں سنتے ہوئے کچھ خائف

بھی ہو گئی تھی کہ جانے اب سکندر آ کر اس سے کیا کہے گا تب ہی سکندر کے دھاڑنے کی آواز آئی تھی۔

آپ سب خاموش ہو جائیں، یکدم خاموشی چھا گئی پھر قدرے توقف سے سکندر نے کہا تھا۔

یہ سب فرحانہ کی وجہ سے ہوا ہے، جب سے اس کی شادی ہوئی ہے ایک دن اپنے گھر میں ننگ کر نہیں بیٹھی اگر اسے یہیں رہنا تھا تو شادی کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی اور آپ بجائے اسے سمجھانے کے الٹا اس کی سائیڈ لے رہی ہیں۔
تو تمہیں بھی بہن کا آنا اگلتا ہے۔

ہاں برا لگتا ہے۔ یہ اپنے ساتھ میرا گھر بھی خراب کر رہی ہے اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ غصے سے کہہ کر اپنے کمرے میں آیا تھا اور اس کی سہمی شکل دیکھ کر بھی اسی انداز میں بولا۔
چلو۔

کہاں؟ وہ حیران ہوئی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔
جلدی سے چھینچ کر کے آ جاؤ، میں انتظار کر رہا ہوں۔ وہ کہہ کر چلا گیا تو وہ اپنے آپ میں الجھتے ہوئے پانچ منٹ میں تیار ہو کر اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔
آپ ناراض ہیں؟ اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔
تم سے؟ کیوں؟

میں دو دن سے آپ کا خیال جو نہیں کر رہی۔ اس نے مجرمانہ انداز میں گویا اپنے جرم کا اعتراف کیا تو وہ ذرا سی تاسف بھری ہنسی کے ساتھ بولا۔

صرف دو دن میرے حساب سے تو تمہیں بہت پہلے یہ سب کرنا چاہئے تھا۔

آپ کے خیال میں میں ٹھیک کر رہی ہوں؟

نہیں، لیکن غلط بھی نہیں کہہ سکتا۔ تمہیں کیا لگ رہا ہے؟ اس نے پوچھا تو وہ آرزوگی سے بولی۔

میں ایسا نہیں چاہتی آپ کو پریشان بھی نہیں کرنا چاہتی۔

ہوں وہ جانے کیا سوچنے لگا۔ وہ وقفے وقفے سے گردن موڑ کر اسے دیکھتی رہی لیکن

ٹوکا نہیں۔

جب وہ اسے ریسٹورنٹ میں لے آیا تب بھی پہلے کھانے کا آرڈر دیا پھر اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ پوچھنے لگی۔

آپ کو بھوک لگ رہی ہے؟

کیوں تمہیں نہیں لگ رہی؟ کیا کھایا تھا دن میں؟ وہ خاموش رہی تو پوچھنے لگا۔

ایسا کب تک چلے گا؟

بس آج آخری دن تھا، صبح میں۔۔۔۔۔

نہیں، وہ ٹوک کر بولا۔ تم صرف میرا اور اپنا کام کرو گی اور بس۔ فوزیہ، عالیہ کو سر

چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھی۔

اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔



اگلی صبح وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی اور سکندر کو ہلا کر کچن میں آئی تو پہلے کی طرح ادھر اس نے چولہا جلایا، ادھر گھر میں چہل پہل شروع ہو گئی لیکن اس نے توجہ نہیں دی اور آرام سے سکندر اور اپنے لئے ناشتہ بنا کر ٹرے اپنے کمرے میں لے آئی۔ سکندر آفس جانے کیلئے تیار ہو چکا تھا، بغیر کوئی تبصرہ کئے اس کے ساتھ ناشتہ کیا پھر جاتے جاتے اچانک یاد آنے پر رک کر کہنے لگا۔

سنو! آج ایک دوست کی شادی میں جانا ہے، تیاری کر رکھنا۔

اچھی بات ہے، وہ اسے سی آف کرنے باہر تک آگئی پھر واپس آئی تو لاؤنج میں فوزیہ

اور عالیہ ناشتہ بنانے پر الجھ رہی تھیں جبکہ فرحانہ صوفے پر پاؤں پسارے لیٹی تھی۔

ایسا کرو فرحانہ! آج ناشتہ تم بناؤ فوزیہ نے کہا تو اس نے فرحانہ کا جواب سننے کیلئے

قصد اپنے قدم سست کر لئے تھے۔

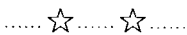
میں؟ فرحانہ اچھی تھی مجھے اگر ناشتہ بنانا ہوتا تو میں یہاں کیوں آتی۔

تو تم یہاں ناشتہ کرنے آتی ہو؟

یہی سمجھ لو، فرحانہ نے کندھے اچکا کر کہا تو عالیہ اٹھتے ہوئے بولی۔

ٹھیک ہے، میں ناشتہ بنا دیتی ہوں لیکن دوپہر کا کھانا تم بناؤ گی۔

مجھ سے امید مت رکھنا، یوں بھی میں مہمان ہوں۔
 مہمان! فوزیہ اور عالیہ چیچی تھیں اور وہ کسی طرح اپنی ہنسی نہیں روک سکی تو جلدی سے
 کمرے میں آ گئی تھی۔



اجنبی لوگوں میں کسی شناسا چہرے کی تلاش میں اس کی نظریں مسلسل بھٹک رہی تھیں۔
 سکندر بھی اسے بٹھا کر جانے کہاں چلا گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ شادی کی تقریب میں
 انتہائی بور ہو رہی تھی اور یہ یوریت اس کے چہرے پر بھی واضح نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد
 جب دلہن کو اسٹیج پر لایا گیا تب اس کی توجہ تھوڑی بٹ گئی اور ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی نظریں بھی
 اسی پر جا ٹھہری تھیں جو چیز اسے سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی، وہ دلہن کے
 ہونٹوں پر چسکتی مسکراہٹ تھی اور ابھی وہ اس مسکراہٹ کا راز پانے جا رہی تھی کہ عقب سے
 آواز آئی تھی۔

رائیل، رائیل یہاں آؤ۔

رائیل! اس کی دھڑکنیں منشر ہو گئیں کیونکہ سامنے سے وہ اسی طرف آ رہا تھا، وہ
 کوشش کے باوجود نظروں کا زاویہ نہیں بدل سکی اور سماعتوں کے در بند کرنا تو اور بھی مشکل
 تھا۔

میں کتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں، کہاں تھے؟ وہ جو کوئی بھی تھی جا رہا نہ حقوق
 کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

یہیں تو تھا، اسے رائیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ محسوس ہوئی تھی۔

یہیں تھے تو نظر کیوں نہیں آئے؟

تم نے دل کی آنکھ سے نہیں دیکھا ناں۔ بڑا دلفریب انداز تھا، اس نے ذرا سی گردن
 موڑ کر اس لڑکی کو دیکھنا چاہا لیکن نظریں رائیل کی پشت سے ٹکرا کر رہ گئیں۔

دل کی آنکھ سے کیسے دیکھا جاتا ہے؟ وہ اب اٹھلا کر پوچھ رہی تھی، وہ رائیل کا جواب
 سننا چاہتی تھی لیکن سکندر کے پکارنے پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ بیٹھتے ہوئے
 بولا۔

تم شاید بور ہو گئیں۔

ہاں، چلیں۔ اس نے چلیں کے ساتھ ہی اٹھنا بھی چاہا تو سکندر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ابھی کون جانے دے گا۔

کیا مطلب؟

کھانا لگ چکا ہے، تمہارے لئے یہیں لے آؤں یا۔ وہ سکندر کی بات پوری ہونے سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی پھر اس کے اشارے پر جس طرف خواتین جا رہی تھیں، وہ بھی اسی طرف آ گئی۔ پلیٹ میں بریانی نکال کر جیسے ہی پلٹی رائیل سامنے آ گیا اور گہری مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگا۔

کیسی ہو؟

بالکل ٹھیک، اس کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکلا تھا اور پھر وہ اسی کوچ ثابت کرنے کیلئے ہنس کر پوچھنے لگی۔

تم کیسے ہو؟

اگر میں کہوں، تم بن ادھورا تو۔۔۔۔۔؟ اس کے ہونٹوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی لیکن لہجے میں بلا کی حسرت۔ وہ یوں محسوس نہیں کر سکی کہ ساری توجہ خود کو سنبھالنے میں تھی۔

ہا ہا ہا، وہ قصد استہزاء ہی تو وہ بات بدل گیا۔

تمہارے ساتھ کون ہے؟

تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟

تمہارا شوہر۔

وہی ہیں، وہ تائید کے ساتھ پلیٹ پر جھک گئی تو چند لمحے توقف سے وہ پوچھنے لگا۔

خوش ہو؟ اس نے پہلے چیخ منہ میں ڈالا پھر اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

ہوں، بہت۔

اچھی بات ہے، وہ جانے لگا پھر ایک دم رک کر بولا تھا تم ساڑھی میں اچھی لگ رہی

ہو۔

تھینک یو، وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر ہنسی تو وہ پھر رک گیا۔

یوں مت ہنسا کرو۔

اس کی ہنسی یلکھت غائب ہو گئی اور وہ بھی فوراً ہی دوسری سمت نکل گیا تھا۔ کتنی دیر بعد اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھنا چاہا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا تب وہ پلیٹ رکھ کر سکندر کے پاس آئی تو میک اپ کے باوجود اس کا چہرہ پھیکا لگ رہا تھا۔

کیا بات ہے؟ سکندر نے فوراً ٹوکا لیکن وہ کچھ بول نہیں سکی۔

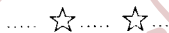
چلو چلتے ہیں، ٹھہرو میں ذیشان سے کہہ آؤں۔ وہ کہہ کر اسٹیج کی طرف بڑھ گیا لیکن پھر درمیان ہی میں کسی لڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا تھا، غالباً اسے ہی اپنے جانے کا بتا رہا تھا پھر اسے لئے ہوئے اس کے قریب آ گیا۔

یہ عافیہ ہے میری وائف، لڑکی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے تھامتے ہوئے وہ سوالیہ نظروں سے سکندر کو دیکھنے لگی۔

یہ ذیشان کی بہن ہے روحینہ۔ سکندر نے اس کا تعارف کرایا تو اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

ٹھیک ہے روحینہ ہم چلتے ہیں، سکندر نے اس سے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔
کل آؤں گے ناں؟
دیکھو۔

نہیں، ضرور آنا۔ کل تو گھر کی تقریب ہے۔ اس کے اصرار پر سکندر نے اثبات میں سر ہلایا پھر اسے دیکھا تو وہ چلنے کا اشارہ کر کے چل پڑی تھی۔



گھر آتے ہی وہ ہلکا سا شلوار سوٹ نکال کر واش روم میں بند ہو گئی اور پہلے ساڑھی سے نجات حاصل کی پھر منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو سکندر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے جانے کن سوچوں میں گم تھا، اس نے پہلے سرسری نظر اس پر ڈالی پھر ساڑھی ہینگ کرتے ہوئے بار بار اسے دیکھا لیکن وہ متوجہ نہیں ہوا تب وہ سوچ بورد کے قریب جا کر پوچھنے لگی۔

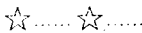
لائٹ آف کر دوں؟

ہیں، وہ بری طرح چونکا تھا، کچھ کہا تم نے؟

لائٹ آف کر دوں، اس نے کچھ ٹھک کر اپنی بات دہرائی تھی۔

ہاں، وہ آنکھیں بند کر گیا تو وہ لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ لیٹی اور اس وقت وہ

سوچنا کچھ اور چاہتی تھی لیکن اس کا ذہن سکندر کی سوچوں پر الجھنے لگا تھا۔



صبح اس کے آفس جانے کے بعد وہ ناشتے کی ٹرے کچن میں رکھے آئی تو فوزیہ اسے سنا کر بولی۔

آج فرحانہ نہیں آئی۔

فرحانہ نہیں آئی؟ اس نے برملا حیرت کا اظہار کیا تو اب فوزیہ براہ راست اسے دیکھ کر بولی۔

تم تو خوش ہوگی۔

وہ مصلحتاً خاموش رہی اور پیٹھ موڑ کر سنک میں رکھے برتن دھونے لگی تو قدرے رک کر فوزیہ پھر کہنے لگی۔

تم رات ذیشان بھائی کی شادی میں گئی تھیں؟

ہاں، اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

روحینہ سے بھی ملیں؟

روحینہ؟ اس نے تل بند کر کے فوزیہ کو دیکھا تو وہ فوراً بولی۔

ذیشان بھائی کی بہن۔

ہاں آتے ہوئے ملاقات ہوئی تھی اس سے۔

اس نے بتایا تو اب فوزیہ معنی خیز انداز میں پوچھنے لگی۔

کیسی ہے؟

ٹھیک ہے۔

میں اس کی طبیعت نہیں پوچھ رہی، فوزیہ نے ٹوکا تو وہ سمجھی نہیں۔

کیا مطلب؟

خوبصورت ہے ناں؟ فوزیہ ہنسی اور ان کے ایسے ہی ناسمجھنے والے انداز میں دیکھتے رہنے پر کہنے لگی۔

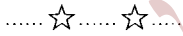
سکندر بھائی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔

اچھا، اس نے پھکی ہنسی کے ساتھ پوچھا پھر کیوں نہیں؟

تم جو درمیان میں آ گئیں، فوزیہ نے آرام سے اسے الزام دے ڈالا۔
میں؟ وہ حیران ہو گئی۔ میں کب آئی، میں تو سیر بھائی کا رشتہ لیکر آئی تھی پھر بدلے کی شرط تو یہاں سے رکھی گئی تھی۔

ہاں بس فرحانہ کی۔۔۔ فوزیہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ ایک دم بات ادھوری چھوڑ کر کچن سے نکل گئی اور وہ کوشش کے باوجود سر نہیں جھٹک سکی اور سارا دن وقفے وقفے سے اس کا ذہن مختلف باتوں میں الجھتا رہا۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ اس نے خود سکندر کو فون کیا تھا کہ وہ شادی سے منع کر دے لیکن اس نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا تھا اور پھر اولین شب بات اس پر ڈال دی تھی، یہ کہہ کر میں چاہتا تھا، تم اپنی جنگ خود لڑو۔

فوزیہ جھوٹ کہتی ہے، بہت الجھنے کے بعد آخر میں اس نے سوچا تھا یا خود کو تسلی دی تھی لیکن پھر خیال آیا کہ رات شادی کی تقریب میں سکندر اسے بٹھا کر خود غائب ہی ہو گیا تھا اور اس نچ پر سوچتے ہوئے وہ پھر الجھ گئی۔



شام میں سکندر معمول سے بہت پہلے آ گیا اور کچھ دیر آرام کے بعد ڈیٹھان کے ویسے میں جانے کی تیاری کرنے لگا تو وہ اس کے آس پاس منڈلاتے ہوئے انتظار کرنے لگی کہ وہ اسے بھی تیار ہونے کو کہے گا لیکن وہ پتہ نہیں اسے لے جانا نہیں چاہتا تھا یا اپنا سوٹ پر لیس کرنے میں کچھ زیادہ ہی مگن تھا کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا، تب اندر ہی اندر جزبہ ہوتی وہ خود ہی ایک ساڑھی نکال کر اس سے پوچھنے لگی۔

میں یہ پہن لوں؟

ہیں، تم بھی چلو گی؟ اس نے چونک کر دیکھتے ہوئے کہا پھر خود ہی جیسے اپنی بات سننے لگا تھا۔

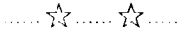
میرا مطلب ہے، کل تم بور ہو گئی تھی۔

ہاں اس نے ساڑھی واپس الماری میں ڈال دی، میرا خیال ہے میں نہیں جاتی۔
نہیں اگر چلنا چاہو تو۔۔۔۔۔

نہیں آپ چلے جائیں البتہ مجھے اگر امی کے گھر چھوڑ دیں تو۔۔۔۔۔

ہاں یہ ٹھیک ہے پھر واپسی میں تمہیں لیتا آؤں گا، وہ فوراً اس کے پروگرام سے متفق

ہو گیا تھا۔



وہ امی کے گھر آ تو گئی تھی لیکن اب اسے افسوس ہو رہا تھا کیونکہ بارہ بج چکے تھے اور سکندر ابھی تک نہیں آیا تھا، ابوکافی دیر اس کے پاس بیٹھ کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے اور امی بھی اس کی وجہ سے بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ سیر بھائی اور فرحانہ گھر پر نہیں تھے۔ امی نے فرحانہ کے بارے میں بتایا تھا کہ آج سارا دن وہ اپنے کمرے میں بند رہی تھی پھر جیسے ہی سیر آفس سے آیا اسے ساتھ لیکر نکل گیا تو اب تک وہ نہیں لوٹے تھے۔ اس نے قصداً ان دونوں کے بارے میں کچھ کہنے سے گریز کیا۔ یوں بھی اس وقت اسے اپنی پوزیشن آکورڈی لگ رہی تھی۔

آپ سو جائیں امی، سکندر آئیں گے تو میں چلی جاؤں گی۔ اس نے امی کی نیند سے جھل آکھیں دیکھ کر کہا۔

نہیں کوئی بات نہیں، سیر اور فرحانہ کے آنے تک میں بیٹھی ہوں۔
وہ لوگ کون سا مجھے کہنی دیں گے، میں ندا کو بلا لیتی ہوں، وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ سو گئی ہوگی، امی نے کہا لیکن اس نے ان سنی کر کے اوپر کی تیل بجا دی تو فوراً ہی ندا بھاگی آئی تھی اور اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگی۔
تم اس وقت آئی ہو؟

نہیں شام کو آئی تھی لیکن تمہارا خیال ابھی آیا ہے، اس نے ہنس کر کہا تو ندا نے برا نہیں مانا۔
شکر آیا تو۔

چلیں امی اب آپ سو جائیں، ندا ہے میرے پاس۔ اس نے زبردستی امی کو اٹھا دیا پھر ندا کے ساتھ بیٹھ کر کہنے لگی اصل میں سکندر اپنے دوست کی شادی میں گئے ہوئے ہیں۔

تم نہیں گئیں؟ ندا نے فوراً پوچھا۔
میں کل گئی تھی، بہت بور ہوئی پھر اچانک یاد آنے پر ندا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں بولی۔

سنو وہاں وہ بھی تھا رائیل۔

ہیں تمہاری ملاقات ہوئی اس سے؟ ندا سے متحس ہو کر پوچھا تو وہ ناگواری سے بولی۔

ہاں آیا تھا میرے پاس۔

کیا کہہ رہا تھا؟ ندا کا تجس ہنوز تھا۔

بس رکی باتیں، کیسی ہو خوش ہو ساڑھی میں اچھی لگ رہی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس نے بتایا تو ندا اس کا ہاتھ دبا کر پوچھنے لگی۔

تم کیسی باتیں کرنا چاہتی تھیں؟

کیسی بھی نہیں، وہ خود ہی سامنے آ گیا تھا۔ فضول آدی۔ اس نے کہہ کر سر جھٹکا تو ندا اس کے بازو میں چنگلی کاٹ کر بولی۔

اب وہ فضول ہو گیا۔

شروع سے تھا میں نے ہی اسے سمجھنے میں غلطی کی لیکن اب میں شکر کرتی ہوں کہ۔۔۔۔۔ ڈورنیل سے وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

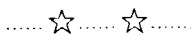
شاید سکندر آگئے، چلو تم گیٹ بند کر لینا۔

مجھے اسی لئے بلایا تھا؟ ندا نے غلطی سے ٹوکا۔

ہاں، وہ ہنسی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر تک لے آئی، پہلے اس کا سکندر سے تعارف کرایا پھر اللہ حافظ کہہ کر گاڑی میں آ بیٹھی اور بلا ارادہ کہہ گئی۔

بہت دیر کر دی؟

شادیوں میں تو دیر ہو ہی جاتی ہے۔ سکندر کے انداز میں بے پروائی محسوس کر کے وہ خاموش ہو رہی تھی۔



پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، وہ اب اس گھر میں رچ بس جانا چاہتی تھی اور اس کیلئے اس نے پہلے اپنا محاسبہ کیا تو اپنی بہت ساری غلطیاں سامنے آئیں، جیسے شروع دن سے فوزیہ اور عالیہ اس سے دور دور تھیں تو اس نے بھی خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا اور ساس کو بھی اپنی ساس سمجھ کر سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس کے برعکس اگر وہ ان کے معاملہ میں اور دوسری باتوں

میں دلچسپی لیتی اور اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کرتی تو اس کے خیال میں اجنبیت کی دیوار گر سکتی تھی، ابھی بھی اتنی دیر نہیں ہوئی تھی وہ ان باتوں پر عمل کر سکتی تھی البتہ فرحانہ کے ساتھ وہ رعایت برتتے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اگر طریقے سے آئے گی تو اسے اہمیت دی جائے گی ورنہ نہیں یہ بھی اس نے غیر جانبداری سے سوچا تھا اور پھر یہ نہیں کہ وہ یہ ساری باتیں سوچ کر رہ گئی بلکہ اسی دن سے عمل شروع کر دیا تھا اور کچھ ہی دنوں میں وہ گھر کے کام یوں تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ فوزیہ اور عالیہ اپنے حصے کے کام بغیر کہے خود ہی کرنے لگی تھیں جبکہ ساس کے کمرے کی جھاڑ پونچھ اور دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی اس نے اپنے ذمہ لے لئے تھے۔ مزید فارغ وقت میں وہ ان کے پاس بیٹھنے بھی لگی تھی اور ایسے میں وہ خود کو بالکل فراموش کر کے صرف انہیں اہمیت دیتی تو پھر بہت جلدی وہ اس پر کھلنے لگی تھیں بالکل اسی طرح جیسے کوئی دوست ہمدرد مل جائے۔ بہر حال ان دنوں وہ عالیہ کیلئے بہت پریشان تھیں، یعنی اس کی شادی کیلئے۔ رشتے آتے تو تھے لیکن بات نہیں بنتی تھی۔

پتہ نہیں کب نصیب کھلیں گے اس لڑکی کے، اس وقت وہ آہ بھر کر بولیں تو وہ انہیں تسلی دینے لگی۔

آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں، جب اللہ کو منظور ہوگا ہو جائے گی اس کی شادی۔
اے سنو تمہارے میکے میں کوئی نہیں ہے، چچیرے، میرے بھائی۔ انہوں نے پوچھا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

میری خالہ کے چار بیٹے ہیں، صرف ایک کی شادی ہوئی ہے۔
باقی تین تو کنوارے ہیں ناں، کیا کرتے ہیں؟ وہ اس کے قریب کھسک آئی تھیں۔
ماشاء اللہ پڑھے لکھے برس روزگار ہیں اس نے بتایا تو وہ فوراً بولیں۔
تو اپنی عالیہ کی بات چلاؤ ناں؟

میں۔۔۔ میں امی سے کہوں گی وہ کہہ کر پچھتائی تو نہیں لیکن پھنس ضرور گئی تھی کہ شام میں سکندر کے آتے ہی وہ اس سے میکے جانے پر اصرار کرنے لگیں اور اسے تو کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن اس وقت سکندر نے تھکن کے باعث منع کر دیا تو پھر اگلے دن وہ باقاعدہ دو دن رہنے کا پروگرام بنا کر امی کے گھر آئی تھی۔ پہلے کی طرح سکندر صبح آفس جاتے ہوئے اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور وہ ابھی امی کے پاس بیٹھی ہی تھی کہ سمیر کے کمرے سے پہلے سمیر کی

پھر فرحانہ کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں اس نے کچھ پریشان ہو کر امی کو دیکھا۔
یہ کیا ہو رہا ہے؟

روزانہ کا معمول ہے تم چلو میرے کمرے میں۔ امی اسے وہاں سے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئیں لیکن اس کا دھیان اسی طرف تھا۔
کیوں امی کیوں لڑتے ہیں دونوں؟

کیا بتاؤں اس لڑکی نے تو زندگی اجیرن کر دی ہے۔ گھر داری کی طرف تو آتی ہی نہیں نہ ناشتہ کھانا دیتی ہے نہ اسے کپڑے تیار ملتے ہیں۔ ابھی دیکھو وہ آفس جانے کیلئے کھڑا ہے اور اس سے ایک کپ چائے نہیں بنتی، اسی بات پر جھگڑا ہو رہا ہوگا اور شام میں تو اور ہنگامہ کرتی ہے۔ روز کہیں نہ کہیں جانے کیلئے تیار امی بولنے پر آئیں تو بولتی چلی گئیں۔
وہ دم سادھے سن رہی تھی پھر شاید امی کو خود ہی احساس ہوا سر جھٹک کر بولیں۔
چھوڑو میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی۔

لیکن امی ایسا کب تک چلے گا، وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔
میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

ویسے غلطی بھیا کی ہے شروع میں ہی اسے اتنا سرچڑھا لیا کہ اب وہ۔۔۔۔۔ فرحانہ کو آتے دیکھ کر وہ نہ صرف خاموش ہوئی بلکہ اپنی جگہ سے کھڑی بھی ہو گئی تھی اور ابھی سلام اس کے ہونٹوں میں تھا کہ فرحانہ کہنے لگی۔

اچھا ہوا تم یہیں ہو اور اب یہیں رہنا، وہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔
کیا مطلب؟ اس نے پہلے ایک نظری پر ڈالی تھی۔
میں جا رہی ہوں تمہارے بھائی پر اور اس گھر پر لعنت بھیج کر اونہ۔ وہ غصے سے کہہ کر اسی انداز میں واپس پلٹ گئی تو اس کے ساتھ امی بھی اس کے پیچھے بھاگی آئیں۔
دلہن، دلہن رکو تو کہاں جا رہی ہو؟

اس جہنم سے دور۔۔۔۔۔ وہ ر کے بغیر بولی تھی۔

سنو سمیر کہاں ہے؟ سمیر! امی اسے روکنے کے ساتھ سمیر کو پکارنے لگیں لیکن وہ شاید جا چکے تھے جب ہی ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔
کبھی میٹ کو دیکھتی جسے فرحانہ کھلا چھوڑ گئی تھی، کبھی امی کو جو سمیر پکارے جا رہی تھیں۔

سمیر بھائی چلے گئے شاید اس نے امی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر خود کو سہارا دیا تھا۔
ہیں؟ امی نے اسے دیکھا تو ٹھٹھک گئیں، چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو رہا تھا۔ ہاتھوں میں
بھی لرزش تھی تب امی نے جلد سے اسے بٹھایا اور جا کر پانی لے آئیں۔

تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟

پریشانی کی بات نہیں ہے کیا؟ آپ نے سنا نہیں وہ کیا کہہ گئی ہے کہ تمہیں وہاں آنے
کی ضرورت نہیں ہے اس نے کہا تو امی اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے اور کوئی ہم نے تھوڑی نکالا ہے اسے خود گئی ہے۔ پھر
قدرے رک کر پوچھنے لگیں، شام میں سکندر ادھر ہی آئے گا نا؟

نہیں آج تو نہیں آئیں گے میرا مطلب ہے میں دو دن رہنے کے ارادے سے آئی
تھی۔ وہ بتا کریں دیکھنے لگی جیسے اسے رہنا چاہئے یا نہیں۔

شوق سے رہو دو کیا چار دن رہو۔ امی نے اس کی نظروں کا سوال پڑھ کر کہا تھا۔
نہیں امی اس طرح تو بات خراب ہو جائے گی۔

تو پھر ایسا کرو سکندر کو فون کر کے شام میں ادھر ہی بلا لو پھر جیسا وہ کہے امی نے کہا تو
کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ انہیں دیکھ کر بولی۔

میرا خیال ہے پہلے آپ سمیر بھائی کو فون کر کے فرحانہ کے جانے کا بتائیں اور دیکھیں
وہ کیا کہتے ہیں آفس سے واپسی پر وہ اسے لیتے ہوئے آئیں۔ آخر میں اس نے قیاس بھی
کیا۔

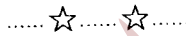
ہاں یہ بھی ممکن ہے میں فون کرتی ہوں سمیر کو۔ امی اٹھ کر چلی گئیں تو اس نے صوفے
کی پشت پر سر ٹکا لیا، اچانک سارے بہت کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ یوں جیسے جسم میں
جان ہی نہ ہو جبکہ ذہن ماؤف ہو رہا تھا پھر بھی وہ امی کے آنے کی منتظر تھی۔ جاننا چاہتی تھی
کہ سمیر بھائی کیا کہتے ہیں اور سمیر نے صاف انکار کر دیا تھا، فرحانہ کو لے آنا تو دور کی بات
ان کا کہنا تھا کہ وہ اب کبھی اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے اور اگر ان کے ساتھ اس کا
معاملہ نہ جڑا ہوتا تو شاید امی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتیں لیکن اب وہ بھی پریشان ہو گئی
تھیں۔

تم سکندر کو فون کر دو امی کا اصرار تھا۔

نہیں جب میرا کوئی جھگڑا نہیں تو میں کیوں خواہ مخواہ کی صفائیاں پیش کروں اس نے اچانک سکندر کو فون کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ورنہ تھوڑی دیر پہلے وہ بھی یہی سوچ رہی تھی۔ صفائیاں پیش کرنے کی کیا بات ہے صرف اسے صورتحال بتا دو ورنہ اس کی ماں بہنیں۔

آپ فکر نہیں کریں وہ اتنے کانوں کے کچے نہیں ہیں۔ اس نے امی کی بات کاٹ دی اور انہیں مزید اطمینان بھی دلادیا لیکن خود اندر سے متوحش تھی۔

پھر سارا دن وہ متضاد کیفیات میں گھری رہی، کبھی وہ امی ابو کے فیصلے کو نئے سرے سے غلط قرار دیتے ہوئے اس پر کڑھتی کبھی اسے سیر بھائی پر افسوس ہوتا جنہوں نے پہلے بھی اپنی خوشی کے حصول کی خاطر اسے نظر انداز کیا تھا اور ابھی بھی اس کا خیال نہیں کر رہے تھے اور کبھی وہ اپنے مقدر سے شاکہ ہوتی کہ اسی کے ساتھ ایسا کیوں ہوا وہ تو اس گھر میں رنج بس جانا چاہتی تھی اور ایمان داری سے سب کو اپنا بنانے کی تنگ دود میں لگی تھی اب پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان تھی۔



شام میں سیر آئے تو امی نے انہیں بری طرح لتاڑا اس کا احساس دلانے کی خاطر بھی جانے کیا کچھ کہا جس کا ان پر پتہ نہیں اڑ ہوا یا نہیں کیونکہ وہ کچھ بولے ہی نہیں۔ امی کی ساری باتیں خاموشی سے سن کر اپنے کمرے میں بند ہو گئے تھے پھر ابو آئے تو اس سے پہلے کہ امی ان کے سامنے شروع ہوتیں وہ اٹھ کر اپنے سابقہ کمرے میں آ بیٹھی لیکن لاشعوری طور پر منتظر تھی کہ ساری رو داد سن کر ابو اس کے پاس ضرور آئیں گے جب ہی دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی تو وہ بے اختیار ادھر متوجہ ہوتے ہی حیران ہو گئی۔

مانا کہ مجھے پرسوں آنا تھا لیکن اس وقت آنے پر تم نے کوئی پابندی تو نہیں لگائی تھی یا لگائی تھی؟ سکندر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ بوکھلا گئی۔

نہیں۔

پھر اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ وہ آرام سے بیٹھ گیا تو وہ بلا ارادہ پوچھ گئی۔

آپ آفس سے آرہے ہیں؟

نہیں، گھر سے۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا پھر بھی پہلے انجان بنا پھر اس کا ہاتھ کھینچ کر

اپنے پاس بٹھالیا۔

جانتی ہو میں اس وقت کیوں آیا ہوں اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا تو وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

کیونکہ میں تمہیں دو دن اس خوف میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ فرحانہ اور سمیر کے جھگڑے کے بعد تمہارا کیا ہوگا اسی لئے میں اس وقت آ گیا اور اگر تم چاہو تو ابھی میرے ساتھ چل سکتی ہو چلو گی؟

جیسا آپ کہیں وہ سر جھکا کر بولی۔

تمہارا کیا دل چاہ رہا ہے۔

کل کل چلوں گی اس نے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

ٹھیک ہے میں کل آ جاؤں گا۔

تھینک یو وہ اب کھلکھل کر مسکرائی تھی دل سے بھاری بوجھ جو سرک گیا تھا۔

☆.....☆

صبح ناشتے کی میز پر سمیر مجرمانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھے تھے اور امی بار بار ابو کو اشارے کر رہی تھیں کہ انہیں سمجھائیں لیکن ابو ایک نظر ان پر ڈال کر انجان بن جاتے پھر اچانک اس سے پوچھنے لگے۔

رات سکندر کیا کہہ رہا تھا؟

جی وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی کچھ نہیں ایسے ہی آئے تھے۔

فرحانہ کے متعلق کچھ کہا؟ ابو نے پھر پوچھا۔

نہیں۔

سمجھدار لڑکا ہے میں نے بھی ذکر کرنا چاہا تو اس نے فوراً روک دیا کہ یہ ان کا معاملہ ہے اور ان کے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ابو نے سمیر کی طرف اشارہ کر کے کا پھر انہیں مخاطب کر کے پوچھنے لگے۔

کیوں سمیر تم نے کیا سوچا ہے؟

کچھ نہیں سمیر بھائی غالباً اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے تھے جب ہی اس قدر کہہ کر اٹھ کر چلے گئے تو ابو اسے دیکھ کر کہنے لگے۔

بیٹا! ان کے لڑائی جھگڑوں سے تم پریشان مت ہونا اور نہ ہی گھر جا کر فرحانہ سے الجھنا۔ اس کی کوشش تو یہی ہوگی کہ تمہیں بھی میکے بٹھا دے لیکن تم قتل سے کام لینا اور جیسا تمہارا شوہر کہے دیا کرنا، کبھی۔

جی۔

اور تمہیں بھی سیر کیلئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے دو چار دن گزریں گے خود ہی لے آئے گا بیوی کو۔ ابو امی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی ناشتے کے برتن سمیٹ کر کچن میں آگئی پھر جب تک امی اس طرف آئیں وہ برتن دھو چکی تھی اس کے بعد وہ امی کیساتھ لاونج میں آ بیٹھی اور جب انہیں بتایا کہ اس کی ساس نے عالیہ کے رشتے کے سلسلے میں اسے یہاں بھیجا تھا تو اس کی امی نے صاف انکار کر دیا۔

تا بھی نائیں تو تمہاری خالہ سے بات نہیں کروں گی اور نہ میں تمہیں کرنے دوں گی۔ کیوں؟

کیوں کا کیا مطلب ایک کو بھگت رہی ہوں نائیں۔

نہ بیٹا! تمہاری خالہ کہیں گی جانے کس دشمنی کا بدلہ لیا ہے۔ امی نے ہاتھ جوڑ کر کہا تو وہ جبر بڑھ کر بولی۔

لیکن امی! عالیہ ایسی نہیں ہے۔

کیوں؟ تمہارے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا انہوں نے، نوکرانی بنا کر رکھ دیا تمہیں۔

ہاں لیکن اب۔۔۔۔۔

بس مجھے اپنی بہن کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا، امی اسے ٹوک کر چلی گئیں تو وہ اپنے آپ پر کڑھتے ہوئے دکھ سے سوچنے لگی۔

میری کوئی اہمیت کوئی حیثیت نہیں ان کی نظر میں نہ میرا احساس ہے۔ پہلے سیر بھائی کا خیال تھا اب اپنی بہن کا خیال۔ آخر مجھے کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی تو سوچا جاسکتا تھا کہ اس طرح میرے سر سے ایک بلا ٹلے گی یا اس طرح سسرال میں میری حیثیت کچھ مضبوط ہو جائے گی۔ میرا کیوں نہیں سوچتیں امی مجھے بوجھ سمجھ کر اتار کیوں پھینکا ہے انہوں نے، اگر سکندر اپنی بہن کا بدلہ لینے کیلئے مجھے یہاں چھوڑ جائے تو فون کی بیل سے اس کی سوچیں منتشر ہو گئیں تب بھی وہ فوراً نہیں اٹھی پہلے انتظار کیا کہ امی آ کر فون اٹھائیں گی لیکن

وہ پتہ نہیں کہا تھیں، آخر اسے ہی اٹھنا پڑا۔

ہیلو۔۔۔۔۔ منفی سوچوں کے باعث اس کی آواز میں مایوسی اور شکستگی تھی پھر بھی

پہچاننے والا پہچان کر بولا۔

مجھے رات معلوم ہوا کہ تم یہاں ہو تو میں نے سوچا ٹرائی کرو دیکھوں شاید قسمت یاوری کر جائے۔

رائبل! اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی جبکہ دل سمنے لگا تھا۔

ہیلو عافیہ چند لمحے انتظار کے بعد اس نے پکارا تو وہ سنبھلنے کی سعی کرتے ہوئے بولی۔
میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔

میں جانتا ہوں اور میں تمہیں ڈسٹرب بھی نہیں کرنا چاہتا، بس ایک بار تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ کسی طرح بھی اپنے لہجے میں ناگواری نہیں سمو سکی۔

کیوں؟

یہ میں نہیں جانتا، بس ایک بار۔ اس کا عجزانہ اصرار تھا۔

نہیں، میں تو اتفاقاً سامنا بھی نہیں چاہتی، کہاں تم ملنے کی بات کر رہے ہو اور ہاں تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں، کیا تم میری جاسوسی کرتے ہو۔ اس نے ایک دم خیال آنے پر پوچھنے کے ساتھ ٹوک بھی دیا تو وہ آرزوگی سے بولا تھا۔
ایسی بات مت کرو جو مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دے۔

پھر؟

تم شاید بھول گئیں، ذیشان کی شادی میں ہماری ملاقات ہوئی تھی، ذیشان میرا سیکنڈ کزن ہے اور رات تمہارے میاں وہاں آئے ہوئے تھے اتفاق سے میں بھی وہیں موجود تھا۔

اور میرے میاں نے تمہیں بتایا کہ میں یہاں ہوں، وہ طنزیہ بول رہی تھی۔
مجھے نہیں روجینہ کو بتا رہے تھے جو اب اس نے بھی کچھ باور کرانے کی کوشش کی تھی اور وہ ٹھٹھک کر بس اسی قدر کہہ سکی۔

پھر؟

پھر یہ کہ تمہیں ہوشیار رہنا چاہئے اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور وہ ٹھنکی تو روحمینہ کے نام پر ہی تھی، مزید متوحش ہو کر کتنی دیر اس کی بات سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرتی رہی لیکن پھر سکندر کا رویہ سوچ کر وہ کافی مطمئن ہو گئی البتہ راتیل سے مزید متفرکہ وہ ضرور اسے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال اس سے پہلے جو وہ امی کی باتوں پر اپنے آپ پر کڑھ رہی تھی تو اب اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔



پھر شام کو سکندر آیا تو وہ اس کے ساتھ جانے کے لیے پہلے سے تیار بیٹھی تھی، امی نے کہا بھی کہ رات کا کھانا کھا کر جانا لیکن وہ نہیں رکی اور بہت عجلت میں سکندر کے ساتھ نکل آئی تھی، اصل میں وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ فرحانہ کے یہاں سے جانے کے بعد اس کی ساس نندیں اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں۔ اتنی دقتوں سے تو وہ آپس کی کشیدگی دور کر پائی تھی، اب جانے کیا ہو۔ تمام راستہ وہ یہی سوچتی آئی تھی اور جب سکندر کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو پہلے مرحلے پر ہی فرحانہ سے سامنے ہو گیا، وہ اسے دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔

اسے کیوں لے آئے، میں اس کا گھر چھوڑ آئی ہوں، یہ بھی یہاں نہیں رہ سکتی، نکالو اسے۔

اس نے خائف نظروں سے سکندر کو دیکھا تو اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ فرحانہ کی تیز آواز سن کر فوزیہ عالیہ کے ساتھ اماں بھی آ گئیں۔

کیا ہوا؟

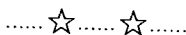
یہ یہاں نہیں رہے گی، مجھے نہیں بسنے دیا اس کے ماں باپ نے۔ آپ بھی اسے چلتا کریں۔ فرحانہ ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر باقاعدہ اونچی آواز میں یوں رونے لگی جیسے اس پر بہت ظلم ہوا ہو۔

بس، بند کرو یہ مکاری۔ سکندر زور سے دھاڑا تھا، تم خود نہیں بسنا چاہتیں، دوسروں کو الزام کیوں دیتی ہو اور اماں! آپ کو اس سے ہمدردی جتانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ اچھی طرح جانتی ہیں اسے۔

ہاں جانتی ہیں، میری ماں ہیں، ان سے زیادہ کون جانے لگا مجھے، تم انہیں میرے خلاف نہیں بہکا سکتے۔ فرحانہ انتہائی بدتمیزی سے بولی تھی۔

میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا اور تمہیں بھی یہاں رہنا ہے تو تمیز سے رہنا ورنہ۔۔۔۔۔ کیا کر لو گے تم، فرحانہ اماں سے یوں الگ ہوئی جیسے ابھی سکندر پر جھپٹ پڑے گی اور ادھر سکندر کا ہاتھ اٹھا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

نہیں سکندر! اس کے ساتھ ہی وہ اس کا بازو تھام کر کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی تھی۔



اور پھر اس کے خلاف باقاعدہ محاذ کھل گیا، فرحانہ نے گویا طے کر لیا تھا کہ اسے یہاں سے نکال کر دم لے گی، اماں اور فوزیہ عالیہ کو بھی اس نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ سکندر تو صبح کا گیا شام میں آتا اور سارا دن وہ اکیلی ان ماں بیٹیوں کے ستم کا نشانہ بنتی۔ فرحانہ تو یوں حکم چلاتی جیسے وہ سچ مچ نوکرانی ہو۔ مزید اس کے ماں باپ اور بھائی کو گالیاں اور کوسنے بھی دیتی تھی اور وہ سب سننے اور سہنے پر مجبور یوں تھی کہ ابو نے پہلے ہی تنبیہ کر دی تھی کہ اسے فرحانہ سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے اور ادھر سکندر بھی صبر اور تحمل کی تلقین کر رہا تھا۔

آخر کب تک؟ اس وقت وہ بہت عاجز تھی۔

میں کیا کہوں، اپنے بھائی سے پوچھو! آخراں نے کیا سوچا ہے۔ سکندر بڑے آرام سے خود بری الذمہ ہو گیا تو وہ بہت دل گرفتہ سی اس کے پاس سے ہٹ گئی لیکن پھر اسے لگا سکندر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اتنے دن ہو گئے تھے فرحانہ کو یہاں آئے ہوئے اور ادھر سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی، امی نے بھی فون نہیں کیا تھا۔ خیریت معلوم کرنے کیلئے ہی فون کر لیتیں! اس نے سوچا۔

شاید انہیں میری خیریت مطلوب ہی نہیں ہے، اس نے دکھ سے سوچا اور اگلے دن خود ہی انہیں فون کر ڈالا۔

کیسی ہو؟ امی نے پوچھا تو وہ اکتا کر کہنے لگی۔

ان باتوں کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ سیر بھائی نے کیا سوچا ہے؟

وہ میری کچھ ستائشیں نہیں، ہر بات کے جواب میں بس یہی کہتا ہے کہ میں نے فرحانہ کو

نہیں نکالا وہ خود گئی ہے اگر آنا چاہے تو خود ہی آ جائے، میں لینے نہیں جاؤں گا۔ امی نے بتایا تو وہ حلق کر بولی۔

یہ تو وہ بھول جائیں کہ فرحانہ خود سے آئے گی۔

پھر بیٹا میں کیا کروں؟

آپ کچھ نہیں کر سکتیں اس نے فون بند کر دیا تھا۔

..... ☆ ☆

اسے اچانک غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا تو وہ یہی سمجھی کہ تینوں بہنیں کہیں سر جوڑے بیٹھی ہوں گی لیکن جب بچن سے نکل کر آئی تو کہیں کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آئے، کچھ دیر لاؤنچ میں رک کر اس نے کوئی آواز سننے کی کوشش کی پھر اپنی ساس کے کمرے میں جھانکا اور انہیں اکیلے بیٹھے دیکھ کر اندر چلی آئی۔

کیا بات ہے؟ ساس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا تو جزبہ ہو کر بولی۔

کچھ نہیں؟ پھر ہمت کر کے ان کے سامنے آ بیٹھی تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

سب لوگ کہاں ہیں؟ اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھ لیا۔

بازار گئی ہیں تم نے کھانا پکا لیا؟

جی آپ کیلئے لے آؤں؟

نہیں لڑکیاں آ جائیں پھر کھاؤں گی وہ ان کے نزوٹھے انداز پر کچھ دیر خاموش انہیں دیکھتی رہی پھر انہیں متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

اماں! ایسا کب تک چلے گا؟

کیسا۔۔۔؟

دیکھیں ناں آپ کو ابھی عالیہ اور فوزیہ کی شادی بھی کرنی ہے اگر فرحانہ اس طرح گھر چھوڑ کر بیٹھ گئی تو ان دونوں کیلئے مشکل ہوگی اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو اب ان کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہو گیا تھا۔

یہی میں کہتی ہوں لیکن فرحانہ کو میں کیا کوئی نہیں سمجھا سکتا پھر تمہارے گھر سے بھی تو کوئی نہیں آیا۔

سمیر بھائی کہتے ہیں وہ خود گئی ہے خود آئے۔ اس نے خفیف انداز میں کہا تو وہ آہ بھر

کر بولیں۔

پھر تو یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

لیکن اماں! عالیہ اور۔۔۔ وہ پھر عالیہ، فوزیہ کا احساس دلا کر انہیں گرفت میں لینا چاہتی تھی لیکن ان تینوں کی آمد سے دل مسوس کر رہ گئی جبکہ اماں ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

کیا کیا خرید لائیں؟

لان کے سوٹ ہیں دیکھیں۔ فرحانہ شاپرز میں سے سوٹ نکال نکال کر اماں کے سامنے ڈالنے لگی پھر کن اکھیوں سے اسے دیکھ کر فوزیہ سے کہنے لگی۔

وہ سوٹ دکھاؤ ناں جو روحینہ نے پسند کیا تھا۔

روحینہ بھی ساتھ گئی تھی کیا؟ اماں نے سوٹ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

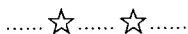
نہیں وہیں بازار میں مل گئی تھی اور اماں اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی، میں تو کہتی ہوں سکندر کے لئے چلی جائیں۔ فرحانہ نے کہا تو اماں بے اختیار اسے دیکھنے لگیں۔

اسے کیا دیکھ رہی ہیں یہ زیادہ دن یہاں نہیں نکلے گی۔

میں تمہاری طرح نہیں ہوں، وہ ضبط کرتے کرتے بھی کہہ کر کھڑی ہوئی تھی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، وہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سر جھٹکنے لگی۔

بس یہ ایکٹنگ اپنے گھر جا کر کرنا، فرحانہ نے اسے دھکا دے کر کمرے سے باہر نکال دیا تو اس کی آنکھیں مزید دھندلا گئیں، بمشکل خود کو گھینٹتے ہوئے اپنے کمرے تک آئی تھی۔

کیوں؟ میں کیوں یہ سب برداشت کر رہی ہوں، کس کیلئے۔ میرے میکے میں ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے جو مجھے ستم پہنے پر مجبور کرے پھر میرے ماں باپ کون سا میرا خیال کر رہے ہیں جو میں ان کی لاج رکھنے کا سوچوں اور سکندر وہ جانے کس مجبوری کے تحت یہ بندھن نباہ رہے ہیں۔ وہ دکھے دل کے ساتھ سوچ سوچ کر رو رہی۔



شام میں سکندر آیا تو وہ نڈھال پڑی تھی پھر بھی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

سکندر! میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔

پھر۔۔ اس کے سر سری انداز پر وہ مزید سلگ گئی لیکن بہت ضبط کرتے ہوئے بولی۔

یا تو میرے لئے علیحدہ گھر کا انتظام کریں یا پھر مجھے میرے میکے چھوڑ آئیں۔
اگر میں کہوں یہ دونوں باتیں ممکن نہیں ہیں تو؟ وہ اب بہت توجہ سے اسے دیکھنے لگا

تھا۔

تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے؟ اس کے حتمی انداز پر وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر خود کو پیچھے
صوفے پر گرانا ہوا بولا۔

علیحدہ گھر تو میں افورڈ نہیں کر سکتا۔

ٹھیک ہے پھر مجھے میکے چھوڑ آئیں، اس نے کہہ کر بیڈ کے پیچھے سے سوٹ کیس کھینچ لیا
تو اب وہ ٹھنکا تھا۔

تو تم نے پہلے ہی سے تیاری کر رکھی ہے ویسے آج ایسی کیا بات ہوئی ہے جو۔
آج میری برداشت کی حد ختم ہو گئی ہے، وہ اس کی بات کاٹ گئی تو وہ اٹھتے ہوئے

بولا۔

سوچ لو۔

مجھے اب کچھ نہیں سوچنا، وہ واقعی سوچنے کیا کچھ سننے پر بھی تیار نہیں تھی۔ جب ہی سکندر
نے مزید کچھ نہیں کہا اور سوٹ کیس اٹھا کر اسے چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

☆.....☆.....

جب وہ سوٹ کیس اٹھائے گھر میں داخل ہوئی، بوجھل شام رخصت ہو چکی تھی۔ امی ابو
دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے اس کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھ کر فوری طور پر وہ کچھ بول نہیں
سکے اور پہلے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اسے۔

میں نے بہت کوشش کی کہ میں اس گھر میں بس جاؤں لیکن وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن
اس کی آواز بھڑائی تھی۔ تب امی اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے بازوؤں میں لیکر اپنے ساتھ بٹھا
لیا تو وہ ان کے کندھے پر پیشانی رکھ کر رو پڑی۔

میں جانتا تھا، سیمیر کی ضد اسے بھی لے ڈوبے گی، کس کے ساتھ آئی ہو؟ ابو نے کہہ کر

اس سے پوچھا۔

سکندر وہ اسی قدر کہہ سکی۔

کیا کہہ کر چھوڑ گیا ہے وہ؟ ابو نے پھر پوچھا تو اس نے پہلے آنسو صاف کئے پھر کہنے

گئی۔

انہوں نے کچھ نہیں کہا، میں خود آئی ہوں کیونکہ ان کی بہنوں نے میرا جینا دو بھر کر دیا تھا اور سکندر بھی میرا دفاع نہیں کر رہے تھے، شاید اس لئے کہ ادھر سے فرحانہ کو منانے کی کوشش کوشش نہیں کی گئی۔

لیکن اس روز تو وہ کہہ رہا تھا کہ فرحانہ اور سمیر کے جھگڑے سے اس کا کوئی تعلق نہیں، امی نے کہا تو وہ دکھ سے بولی۔

مجھ سے بھی یہی کہا تھا لیکن پھر وہ مجھ سے ہی لا تعلق ہو گئے۔

تم روؤ مت، میں خود سکندر سے بات کروں گا۔ ابو نے اسے تسلی دینے کے ساتھ امی کو اشارہ بھی کیا تو وہ اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لے آئیں۔

سکندر نے اپنے منہ سے نہیں کہا لیکن شاید وہ چاہتے یہی تھے کہ میں یہاں آ جاؤں، جب ہی انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی اور اب میرا خیال ہے ادھر سے یہی کہا جائیگا کہ پہلے فرحانہ کو لے جائیں، وہ اب امی کے ساتھ سہولت سے بات کرنے لگی تھی۔

ہاں، یہی مقصد ہوگا ان کا، امی تائید کے ساتھ کہنے لگیں۔ اللہ سمیر کو عقل دے، اپنا نہیں تو تمہارا ہی احساس کرے۔

کہتے کیا ہیں سمیر بھائی؟

بس وہی ضد ہے، خود گئی ہے خود آئے، میں لینے نہیں جاؤں گا۔ خیر تم فکر نہیں کرو وہ نہیں گیا تو تمہارے ابو اور میں جا کر لے آئیں گے فرحانہ کو۔

امی نے اسے تسلی دی لیکن وہ مایوسی سے سر ہلانے لگی۔

وہ لڑکی سدھرنے والی نہیں ہے۔

اب چاہے جیسی بھی ہے، تمہاری خاطر برداشت تو کرنا پڑے گا۔ امی نے گہری سانس کھینچی پھر اٹھتے ہوئے بولیں چلو تم منہ ہاتھ دھو لو، میں کھانا لگاتی ہوں۔

آپ لوگ کھالیں، مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔ وہ کہہ کر واش روم میں چلی گئی۔

پھر امی ابو نے اس سلسلے میں فوراً کوئی اقدام نہیں کیا، صرف اس لئے کہ کہیں اسے یہ نہ سننا پڑے کہ ماں باپ ایک دن اسے اپنے پاس نہ رکھ سکے پھر تھوڑی بہت یہ امید بھی تھی کہ اسے یہاں دیکھ کر شاید سمیر کو احساس ہو لیکن سمیر جانے کس مٹی کے بنے تھے، اسے دیکھ کر

یوں بن جاتے جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔

اس وقت بھی اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ امی سے چائے کا کہہ کر اپنے کمرے میں جانے لگے تھے کہ امی نے پکار لیا۔

سمیر!

جی، وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو امی اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں۔

تمہاری بہن کتنے دنوں سے آئی ہوئی ہے، تم نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ یہ یہاں کیوں ہے؟

کیوں ہے؟ وہ نہ ٹھٹھکے نہ چونکے بلکہ امی کے ٹوکنے پر ہی پوچھا تھا۔

تمہاری وجہ سے تم اپنی بیوی کو لے آؤ تو یہ بھی اپنے گھر جانے والی بنے۔ امی نے کہا تو اب وہ اسے دیکھ کر بولے تھے۔

اگر ایسی بات ہے تو میں فرحانہ کو طلاق دے دوں گا۔

سمیر! امی نے چکرا کر ٹوکا تو وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے جبکہ وہ سنائے میں بیٹھی تھی۔

دماغ خراب ہے اس کا، تمہارے ابو آ جائیں پھر ہم ابھی جا کر لے آئیں گے فرحانہ کو۔ امی نے کہتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا پھر آہستہ سے ان کا ہاتھ ہٹا کر اٹھی تھی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

امی! اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں ڈھک کر پکارا تھا۔

کیا ہوا بیٹا، امی نے اٹھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟

پتہ نہیں۔۔۔۔۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے، وہ صوفے پر گر کر سر پیچنے لگی تو انتہائی پریشان ہو کر امی نے وہیں سے سمیر کو پکارا اور ان کے آنے پر گاڑی نکالنے کا کہہ کر اسے اٹھانے لگیں۔

چلو چلو بیٹا ڈاکٹر کے پاس۔

وہ امی کے سہارے خود کو گھسیٹتے ہوئے گاڑی تک آئی تھی۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد جہاں اس کے ماں بننے کی نوید دی وہاں اس کی صحت کی طرف سے تشویش بھی ظاہر کی۔

بہت کمزور ہے، اچھی خوراک اور مکمل آرام بہت ضروری ہے، کوئی ٹینشن بھی نہیں لینی، یہ دوائیں پابندی سے استعمال کرائیں۔ ڈاکٹر نے پرچہ امی کے ہاتھ میں تھما دیا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

ڈرپ لگواؤ گی؟ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

میں نے انجکشن لکھ دیئے ہیں، وہ ضرور لگوا لینا اور یہ تم اتنی مرجھائی کیوں ہو، خوش رہا کرو۔ ڈاکٹر نے اس کا کندھا تھپک کر کہا تو وہ مسکرانے کی کوشش میں ناکام ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈرپ کو کیوں منع کر دیا تم نے، اچھا تھا لگوا لیتیں۔ ایسے ہی کھانے میں بھی بے پروائی کرتی ہو تم اور تمہیں ٹینشن لینے کی کیا ضرورت ہے۔ امی کچھ نہ کچھ بولے جارہی تھیں، اس نے سیٹ کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ذہن بری طرح تھج رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کسی موٹر پر گاڑی رکے اور وہ اتر کر بھاگتی ہوئی کہیں دور نکل جائے۔ معاذ گاڑی رکھی تھی اور وہ آنکھیں کھول کر سیر کو یوں دیکھنے لگی جیسے انہوں نے اس کی خواہش جان کر ہی گاڑی روکی ہو۔

کیا ہوا۔۔۔؟ امی نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکنے کے ساتھ ہی چہرہ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی، ٹریفک جام ہونے کے باعث گاڑیاں دیرے دیرے رینگ رہی تھیں۔ سیر بھائی جانے کیوں بریک پر پاؤں رکھ کر بھول گئے تھے۔ پچھلی گاڑیوں کے ہارن پر بھی جب انہوں نے حرکت نہیں کی تب اس نے انہیں دیکھا پھر ان کی نظروں کے تعاقب میں اس کی نظریں بھی ٹھہر گئی تھیں۔ سامنے کوئی کپلیکس تھا، جس کے مین گیٹ پر سکندر کے ساتھ روحینہ تھی۔

سیر بھائی بھی ان ہی دونوں کو دیکھ رہے تھے اور یہ صورتحال اس کیلئے زیادہ پریشان کن تھی۔ چلیں ناں بھائی، اس نے گھبرا کر کہا تب سیر نے سر جھٹک کر گاڑی آگے بڑھا دی لیکن وہ ان کی طرح سر نہیں جھٹک سکی۔

تو سکندر نے اسی لئے مجھ سے رکنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ نیلے پر سر رکھتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے پھر اس نے لاکھ خود کو بہلانا چاہا لیکن حقیقت نہیں جھٹلا سکی اور فوزیہ نے بھی تو کہا تھا کہ سکندر رو حینہ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ گزشتہ بار جب وہ یہاں آئی تھی تب رائیل نے بھی شاید صرف اسے خبردار کرنے کیلئے فون کیا تھا۔ رائیل بھی جانتا ہے، اف میں تو ہر جگہ رسوا ہو گئی۔ جھوٹا بھرم رکھنے کے قابل بھی نہیں رہی۔

یونہی روتے اور کڑھتے ہوئے وہ جانے کب سوئی تھی۔
کافی دن چڑھ آیا تھا، جب شور کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تو کچھ دیر تو وہ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں امی ابو کے سامنے سیر بھائی اونچی آواز میں بول رہے تھے۔
مانتا ہوں میں نے غلطی کی لیکن اس غلطی کا خمیازہ میں ساری زندگی نہیں بھگت سکتا،
میں فرحانہ کو طلاق دے دوں گا۔

اور عافیہ کا کیا ہوگا؟ ابو نے غصے سے پوچھا تھا۔

کیا ہوگا؟ آپ یہ غلط سمجھ رہے ہیں کہ میری وجہ سے عافیہ کی زندگی متاثر ہوگی، اس کا میاں تو پہلے ہی۔ وہ سیر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی واپس کرے میں آ گئی۔ بے شک وہ حقیقت بیان کرنے جا رہے تھے لیکن جس طرح وہ خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس پر اسے غصہ آ رہا تھا کیونکہ سکندر خواہ کیسا بھی ہو وہ بہر حال سیر بھائی کی خوشی پر قربان کی گئی تھی اور اس وقت وہ جس حال میں تھی اس کا ذمہ دار وہ سیر بھائی کو سمجھنے میں حق بجانب بھی تھی۔

کتنے آرام سے کہہ رہے ہیں کہ غلطی کا خمیازہ نہیں بھگت سکتا تو اور کون بھگتے گا۔۔۔ وہ انجانی تنفر سے بڑبڑا رہی تھی کہ ندانے آ کر اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا، وہ اسے گھورنے لگی۔

کس سے باتیں کر رہی تھیں؟ ندانے اس کے گھورنے کا نوٹس لئے بغیر پوچھا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔
اپنے آپ سے۔

کیوں؟

میری مرضی۔

اچھا چلو پہلے ناشتہ کر لو، آنٹی کہہ گئی ہیں تمہیں اپنی نگرانی میں ناشتہ کراؤں۔ ندانے اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب امی کہاں گئی ہیں؟ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

تمہارے سسرال، بتا رہی تھیں فرحانہ بھابی کو لینے جا رہی ہیں۔ ندانے بتایا تو وہ مزید حیران ہوئی۔

سمیر بھائی بھی گئے ہیں؟

نہیں، آنٹی اور انکل جا رہے تھے۔ سمیر بھائی کو تو میں نے نہیں دیکھا اور یہ تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟

نہیں تو، چلو ناشتہ کر لیں۔ وہ ندا سے پہلے کمرے سے نکل آئی لیکن پھر ناشتے کے دوران اس نے صاف گوئی سے ندا کو تمام حالات کہہ سنائے یہاں تک کہ روحینہ کے بارے میں بھی بتا دیا پھر آخر میں کہنے لگی۔

میں مانتی ہوں میرے ساتھ شروع ہی سے اچھا نہیں ہوا اور ابھی بھی ٹھیک نہیں ہو رہا پھر بھی میں واپس نہیں پلٹنا چاہتی کیونکہ اب میں اکیلی نہیں ہوں، سکندر کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن سکندر کو روحینہ کے چکر سے کیسے نکالو گی؟ ندانے پوچھا تو وہ بے بسی سے بولی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی، تم بتاؤ کیا کروں پھر؟

میرا مطلب ہے انکل آنٹی کو آنے دو، ہو سکتا ہے فرحانہ ان کے ساتھ آ جائے اور سکندر بھی۔ ندانے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

ناشتے کے بعد ندا کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر چلی گئی تو امی ابو کا انتظار کرتے ہوئے

اس کا ذہن ہر دو صورتوں میں الجھتا رہا یعنی سکندر اور فرحانہ کا آنا اور نہ آنا دونوں ہی پریشان کن تھے کیونکہ اس کیلئے اب صرف سسرال کا مسئلہ نہیں تھا، اس سے زیادہ روحینہ کا معاملہ سنگین لگ رہا تھا۔ اس وقت اس کا ذہن اسی نکتے پر آ کر انکس گیا تھا کہ امی ابو آ گئے تو ان کی

مایوس شکلیں دیکھ کر اس نے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی، کچھ دیر بعد امی اس کے پاس آ بیٹھیں اور خود ہی بتانے لگیں۔
فرحانہ آنے پر تیار ہی نہیں ہوئی، ہر بات پر بس یہی کہتی رہی کہ ایسے دقیانوسی شخص کے ساتھ میرا گزارہ نہیں ہے۔

دقیانوسی؟ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

ہاں، میں نے اس سے وضاحت طلب کی تو کہنے لگی سمیر کو بچے چائیں اور مجھے تو بچے زہر لگتے ہیں، مگر کبھی سمیر کی یہ خواہش پوری نہ کروں۔

اس کی اماں نے کچھ نہیں کہا؟ اس نے پوچھا۔

نہیں، وہ تو بیٹی کے سامنے بے بس لگ رہی تھیں، امی نے بتایا تو وہ قدرے رک کر پوچھنے لگی۔

اور سکندر؟

وہ گھر پر نہیں تھا، ہوتا بھی تو کیا کر لیتا۔ وہ تو اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں اور مجھے تو اپنے سمیر پر حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ صرف صورت دیکھ کر مرنا تھا اور دیکھ لو ظاہری خوبصورتی کا جادو کتنا عرصہ چلتا ہے۔

یہ سب تو ٹھیک ہے امی لیکن سمیر بھائی کو ایک دم آپے سے باہر نہیں ہونا چاہئے، قتل سے کام لیں اور بچے کیلئے جلدی مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ سال دو سال بعد ہو سکتا ہے فرحانہ کو خود احساس ہو جائے اس نے کہا تو امی مایوسی سے بولیں۔
مجھے تو امید نہیں۔

امید تو مجھے بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بہت ضدی اور خودمر لڑکی ہے، اس کے باوجود میری خاطر آپ کو سمیر بھائی کو یہی سمجھانا ہے۔ اس نے کہا تو امی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔
ہاں میری خاطر اس نے زور دے کر ایک طرح سے جتایا تھا کہ اگلی خاطر میرے دل کا خون بھی تو کیا تھا۔

امی اس کا مطلب سمجھ کر کچھ دیر تک سوچتی رہیں پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

تم سہرے کیا امید رکھتی ہو؟

سکندر جیسا بھی ہے میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں کیونکہ میرے نزدیک شادی

کھیل نہیں ہے کہ آج اس سے توکل اس سے، مجھے سکندر سے شکایت ضرور ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اس سے ناطہ ہی توڑ لوں۔ چند لمحے رک کرنفی میں سر ہلاتے ہوئے پھر کہنے لگی۔

نہیں، میں اس سے ناطہ نہیں توڑوں گی لیکن میں اس گھر میں بھی نہیں جاؤں گی اور یہ میں سکندر سے کہہ آئی تھی کہ وہ میرے لئے علیحدہ گھر کا انتظام کرے اور میرا مطالبہ ناجائز نہیں ہے اگر وہ غیر جانبداری سے سوچے گا تو ضرور مان جائے گا۔

اسے سوچنے کی فرصت ملے گی تب ناں، سمیر تو اس کے بارے میں کچھ اور بتا رہا تھا۔ اہی کا اشارہ روحینہ کی طرف تھا اور وہ سمجھ کر بھی انجان بن رہی تھی۔

کیا بتا رہے تھے سمیر بھائی؟

پتہ نہیں سچ ہے یا جھوٹ، اہی غالباً بتانا نہیں چاہ رہی تھیں۔ جب ہی اٹھ کھڑی ہوئیں، چلو تم آرام کرو اور ہاں تم نے ناشتہ کر لیا تھا؟

جی۔

دوا بھی وقت پر لیتا، اہی تاکید کرتے ہوئے چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

پھر کتنے دن گزر گئے، اسے یہاں آئے ہوئے ایک مہینہ ہونے والا تھا اور اس دوران سکندر نے فون بھی نہیں کیا تھا جبکہ وہ شدت سے منتظر تھی کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اس کا سکندر سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا اور نہ وہ اسے یہاں چھوڑ کر جاتے ہوئے اس نے یہ کہا تھا کہ وہ پھر نہیں آئے گا، اس لئے وہ منتظر تھی لیکن کسی کسی وقت اسے اپنا یہ انتظار خود بھی بڑا عجیب سا لگنے لگتا کیونکہ اس کا کوئی دیا اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔

میں کیا کروں؟ اس وقت وہ ندا کے سامنے رو پڑتی، مجھے یکے میں اس طرح رہنا اچھا نہیں لگ رہا۔

تو تم خود کیوں نہیں سکندر کو فون کر لیتیں۔ ندا نے کہا تو وہ رندمی آواز میں بولی۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔

کس بات ہے؟ ندا نے حیرت سے پوچھا۔

کہیں وہ سمیر بھائی اور فرحانہ کا حوالہ دے کر یہ نہ کہہ دیں کہ میرا بھی تم سے کوئی تعلق

نہیں اس نے صاف گوئی سے اپنا خدشہ بیان کیا۔

ہاں ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ندانے پر سوچ انداز میں تائید کی تو وہ مزید پریشان ہو گئی۔
پھر اب کیا ہوگا؟

میں کیا کہہ سکتی ہوں سوائے اس کے کہ صبر سے کام لو۔ ندانے اس کا ہاتھ تھپکا پھر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگی دیکھو برا مت ماننا تم حقیقت سے نظریں چرا رہی ہو۔ کیا مطلب۔ وہ اپنے رخسار سے اس کا ہاتھ ہٹا کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

مطلب یہ کہ جب سکندر تمہارے ساتھ فینر ہی نہیں ہے تو پھر تم کیوں اس کیلئے بلکان ہو رہی ہو دوسری بات بدلے کی شادیوں میں یہی تو ہوتا ہے پھر تم کیوں اس لگائے بیٹھی ہو۔ اس کے برعکس میں تو کہوں گی کہ تم جی طور پر خود کو تیار کر لو کہ کسی بھی وقت تمہارا فیصلہ ہو سکتا ہے اگر فرحانہ کیوجہ سے نہیں تو روحینہ۔ ندا حقائق بتاتے ہوئے اس کے چہرے پر تاریک سائے پھیلنے دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔

تم ٹھیک کہہ رہی ہو کتنی دیر بعد وہ دکھ سے بولی تھی۔ ہاں اگر روحینہ درمیان میں نہ ہوتی تو شاید۔

ایک کام کرو ندا اچانک کسی خیال کے تحت اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی تم روحینہ سے بات کرو۔

روحینہ سے؟ سوچ میں پڑ گئی۔

کیا سوچ رہی ہو؟ ندانے اسے متوجہ کیا تو اس کے سینے سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہوئی پھر اسے دیکھ کر بولی۔

روحینہ سے نہیں میں رائیل سے بات کرتی ہوں۔
رائیل سے۔

ہاں وہ روحینہ کا کزن ہے وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....

وہ گزشتہ تین دن سے رائیل کے نمبر ٹرائی کر رہی تھی اور اس وقت جب اس کی آواز سنائی دی تو جیسے وہ عاجز کھڑی تھی اسی انداز میں بے اختیار کہہ گئی۔

کہاں ہو تم میں کب سے تمہیں۔ اچانک احساس ہونے پر خاموش ہو گئی تو ادھر وہ جو

اس انداز پر حیران ہو رہا تھا، ٹوک گیا۔
ہاں کہو۔

وہ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے اس نے سنبھلنے کی سعی کرتے ہوئے کہا تو اب وہ بے اختیار بولا تھا۔

روحینہ کے بارے میں۔

جب جاننے ہو تو سمجھاتے کیوں نہیں اسے، کیوں میرا گھر خراب کر رہی ہے۔ وہ چیخ کر اس پر بگڑنے لگی تو وہ بھی ناگواری سے بولا۔

اسے کیوں الزام دے رہی ہو، قصور تمہارا اپنا ہے، تم نے کیوں گھر چھوڑا۔
یہ میرا مسئلہ ہے، وہ جزبہ ہو گئی تھی۔

اور روحینہ؟ رائیل نے فوراً پوچھا تھا۔
وہ تمہاری کزن ہے۔

اس سے مجھے انکار نہیں لیکن اس کے ذاتی معاملات میں میں کیسے مداخلت کر سکتا ہوں، اس نے ایک طرح سے معذوری ظاہر کی تھی۔

بہر حال وہ اچھا نہیں کر رہی، وہ کہہ کر فون رکھنے لگی تھی کہ اس نے پکار لیا۔
سنو بس یہی کہنا تھا اور کچھ نہیں کہو گی؟

مثلاً کیا؟ وہ ناچاہتے ہوئے بھی پوچھ گئی۔

یہی کہ ان حالات میں تمہیں اس شخص کا خیال آتا ہے جو تمہیں دیکھ کر جی اٹھتا تھا، اس کے لہجے میں بڑی آس تھی کہ وہ ڈگمگا گئی اور بڑی دقتوں سے بولی تھی۔

نہیں، میں پلٹ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اچھی بات ہے، میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔

تھینک یو، وہ فون رکھ کر اپنے کمرے میں آئی تو کوئی دبے پاؤں ساتھ چلا آیا تھا، وہ چونک کر پلٹی اور گھبرا کر دروازہ بند کر دیا لیکن آنے والا آچکا تھا، جس کی سرگوشیوں میں وہ بہک رہی تھی۔

ریت کے گھر وندے بھی کبھی پائیدار ہوتے ہیں۔ یہ تو ہوا کے جھونکوں سے بکھر جاتے ہیں، کہاں میں آندھی طوفانوں سے بچانے کی سعی میں ہلکان ہوئی جا رہی ہوں۔

ندا ٹھیک کہہ رہی تھی کسی بھی وقت میرا فیصلہ ہو سکتا ہے اور اب کیا رہ گیا ہے جس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔

سمیر بھائی کو بچے چاہئیں جبکہ فرحانہ کو بچے پسند نہیں اور سکندر۔۔۔۔۔ وہ اپنی پرانی محبت کی طرف لوٹ چکا ہے پھر میں کس کے انتظار میں ہوں مجھے بھی پلٹ کر دیکھ لینا چاہئے۔

رائیل! ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ اس نے آنکھیں بند کی تھیں کہ فوراً گھبرا کر سیدھی ہو بیٹھی کیونکہ رائیل کے ساتھ اس لڑکی کا خیال آ گیا تھا جسے اس نے ریٹورنٹ میں دیکھا تھا۔

جھوٹے مکار! کیوں مجھے درغلائے آگئے ہو جاؤ چلے جاؤ۔ وہ ڈپریشن کا شکار ہو کر چلاتے ہوئے بھاگی اور امی کی گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔

عافیہ۔۔۔۔۔ عافیہ۔۔۔۔۔ امی کے جھنجھوڑنے سے اس کی چیخیں اور بلند ہونے لگیں تب گھبرا کر امی اٹھ کھڑی ہوئیں اور پہلے ابو کو آفس فون کیا پھر پڑوس میں کہہ کر ٹیکسی منگوائی اور اسے کلینک لے گئیں۔

کیا پریشانی ہے اسے؟ ڈاکٹر نے اسے ڈرپ لگاتے ہوئے پوچھا۔

بس کچھ کھاتی چینی نہیں ہے امی یہی کہہ سکیں۔

یہ تو بہت غلط بات ہے آپ کو پتہ ہے اس حالت میں خوراک ڈیل ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں بولتی رہی پھر سسٹر کو ڈرپ میں انجکشن ڈالنے کا کہہ کر چلی گئی۔ کیوں اتنا ٹینشن لیتی ہو سکندر اگر تمہیں نہیں لے جانا چاہتا تو ہم اسے مجبور تو نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد امی شروع ہوئیں تو وہ آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے

مجھے نیند آ رہی ہے۔

ہاں سو جاؤ میں تمہارے ابو کو فون کر کے آتی ہوں۔ امی نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

ابو سے کیا کہیں گی؟

یہی کہ ہم یہاں ہیں اور تمہیں ڈرپ لگی ہوئی ہے۔ امی کہتی ہوئی چلی گئیں تو ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے وہ چونک گئی۔ زرینہ کھڑی تھی۔

سنو تم عافیہ ہونا؟ وہ لڑکی اب اندر آ کر پوچھ رہی تھی، وہ آنکھیں کھول کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

میں زرینہ ہوں، تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ زرینہ نے اپنا نام بتانے کے ساتھ شکوہ بھی کیا تو وہ افسردگی سے مسکرائی۔

اتنی جلدی بھول گئیں زرینہ، ہنوز شاکی تھی۔

بھولنا اپنے اختیار میں کب ہوتا ہے اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

تمہاری شادی ہو گئی نا؟ زرینہ شاید تصدیق کی خاطر پوچھ رہی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا تو کہنے لگی۔

بھائی تو شادی کا نام ہی نہیں سننا چاہتا، جب اماں بہت زور دیتی ہیں تو کہتا ہے عافیہ جیسی کوئی ہو ہی نہیں سکتی، وہ نہیں تو کوئی نہیں۔

کیا؟ اس کے اندر ابال اٹھنے لگا تھا۔ دماغ خراب ہے تمہارے بھائی کا، وہ تم لوگوں کو چکر دے رہا ہے ورنہ میں نے خود اسے ایک نہیں کئی لڑکیوں کے ساتھ دیکھا ہے۔

نہیں باجی! میرا بھائی چکر باز نہیں ہے، لڑکیاں خود اس کے پیچھے بھاگی آتی ہیں، گھر بھی آتی ہیں لیکن میرا بھائی کہتا ہے، کوئی بھی عافیہ جیسی نہیں۔ وہ تمہیں نہیں بھولتا۔

زرینہ ہانپنے بھائی کی صفائی میں بولے جارہی تھی پھر شاید اس کی اماں نے پکارا تھا کہ پہلے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا پھر جاتے ہوئے بولی تھی۔

تم بہت بری ہو۔

میں بری ہوں، وہ آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی۔ نہیں میرا نصیب برا ہے، جب ہی تو ساری تدبیریں ناکام ہو گئی تھیں جبکہ سکندر بھی روحینہ کو پسند کرتا تھا پھر بھی اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

کیوں، وہ الجھنے لگی۔ سکندر کے ساتھ کیا مجبوری تھی، وہ آرام سے انکار کر کے روحینہ کے ساتھ شادی کر سکتا تھا، اب بھی تو۔

سو گئیں؟ امی کی آواز پر وہ آنکھیں کھول کر غائب دماغی سے انہیں دیکھنے لگی۔

کچھ کھاؤ گی؟ امی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا پھر ڈرپ کو دیکھ کر بولی۔

پتہ نہیں یہ کب ختم ہوگی۔

ہو جائے گی جلدی کیا ہے۔ امی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔
 میں تھک گئی ہوں اور مجھے یہاں گھبراہٹ ہو رہی ہے، گھر چلیں۔
 تم اتنی جلدی پریشان کیوں ہو جاتی ہو، صبر نہیں ہے تم میں۔ گھر جا کر کیا کرو گی وہاں
 بھی تو لیٹنا ہی ہے۔ امی کچھ خفگی سے بولنے لگیں تو اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔
 کیا بات ہے ایسے کیوں کرتی ہو، قدرے رک کرا می اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کا
 بازو دھلایا تو اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں پر رکھ لیا۔
 رو رہی ہو امی کو اس کے آنسوؤں کی نمی محسوس ہوئی تھی، رونے سے مسئلے حل نہیں
 ہوتے بیٹا۔

پھر کیسے حل ہوتے ہیں؟ وہ دھندلائی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔
 صبر سے اچھے وقت کا انتظار کرو امی، جربز ہو کر بولیں۔
 ایک بات بتائیں امی اگر سمیر بھائی اور فرحانہ صلح پر آمادہ نہ ہوئے تو میرا کیا ہوگا، کیا
 میں اسی طرح بیٹھی رہوں گی۔ اس نے کسی خیال کے تحت پوچھا تھا اور امی کے پاس غالباً
 جواب نہیں تھا جب ہی آہ بھر کر رہ گئی تھیں۔



اس نے خود کہا تھا کہ وہ پلٹ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہے لیکن حالات کی ستم
 ظریفی کہ اپنی بات کا بھرم رکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا، مزید زینہ کی باتوں سے وہ اور پکھل
 رہی تھی۔

بھائی کہتا ہے کوئی بھی عافیہ جیسی نہیں ملتی، وہ تمہیں نہیں بھولتا۔
 اب کیوں بھول گیا ہے وہ اس کے فون کے انتظار میں ٹوٹ رہی تھی کیونکہ یہ عہد کر چکی
 تھی کہ خود سے رابطہ نہیں کرے گی۔

ان دنوں وہ مکمل طور پر گئے دنوں کی گرفت میں تھی اور جیسے امی نے کہا تھا کہ صبر سے
 اچھے وقت کا انتظار کرو تو اسے لگتا جیسے گئے دن لوٹ کر آنے والے ہیں، اس وقت وہ ان ہی
 دنوں میں کھو کر سوچ رہی تھی۔

زینہ نے اسے بتایا تو ہوگا کہ میں ہسپتال میں ہوں پھر اسے فون کیوں نہیں کیا، میری
 طبیعت پوچھنے کے بہانے ہی۔

عافیہ! امی اسے پکارنے کے ساتھ کمرے میں آئیں تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔
یہ دیکھو فرحانہ نے۔۔۔ امی نے سفید رنگ کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا تو وہ ایک
نظر اس پر ڈال کر پوچھنے لگی۔

کیا ہے اس میں؟

خلع کا نوٹس بھجوایا ہے اس نے، امی نے بتایا تو اب اس نے لفافہ لے لیا اور اس میں
سے پیپر نکال کر دیکھنے لگی، اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا اور ایسے ہی اس کے اندر
بھی خاموشی تھی۔

بتاؤ بھلا یہاں کیا تکلیف تھی اسے، اپنی مرضی سے سوتی جاگتی، کھاتی جیتی تھی پھر نندوں
کا بکھیرا بھی نہیں ہے یہاں، جیسا تمہارے ساتھ ہے۔ امی اپنا بولے جا رہی تھیں، اس نے
ان کی باتوں پر بھی تبصرہ نہیں کیا اور خاموشی سے لفافہ واپس ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔
مجھے تو تمہاری فکر ہو رہی ہے اگر سمیر نے بھی غصے میں آ کر اسے طلاق بھجوا دی تو۔

تو کیا ہوگا، وہ بول پڑی۔ بدلے میں سکندر بھی یہی کریں گے ایسی شادیوں میں یہی
ہوتا ہے ناں۔ دونوں کامیاب یا پھر دونوں ناکام، کبھی آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ۔۔۔
بس کرو، امی قدرے سختی سے ٹوک کر مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ ڈور بیل کی آواز پر
بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر چلی گئیں۔

ہاہا! اس کے ہونٹوں سے گہری سانس کے ساتھ ذرا سی تاسف بھری ہنسی بھی خارج
ہوئی تھی پھر وہ اپنے بارے میں اسی سچ پر سوچنے لگی تھی کہ کھٹکھٹانے کی آواز پر فوراً ادھر متوجہ
ہوتے ہی حیرت میں گھر گئی۔

سکندر!

میری آمد غیر متوقع ہے کیا؟ سکندر نے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اس
نے پہلے نظروں کا زاویہ بدلا پھر سر جھکا دیا۔

مایوس ہو گئی تھیں؟ سکندر نے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا اور وہ ابھی بھی خاموش تھی۔
ناراض ہو، اس نے نفی میں سر ہلایا۔

ادھر دیکھو میری طرف، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟

کچھ نہیں، میں وہ۔۔۔ ابھی فرحانہ کا بھجوا دیا ہوا نوٹس دیکھ رہی تھی اور اس کے بارے

میں سوچ رہی تھی۔ اس نے بات بتاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگا۔

اس کے علاوہ اور کیا سوچا؟

اور۔۔۔۔۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر جاننے کی کوشش کرنے لگی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

فرحانہ کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی مت سوچنا۔

وہ سر پھری ضدی لڑکی ہے اور اپنے ہر عمل کی خود ذمہ دار۔۔۔۔۔ سمجھیں۔ سکندر نے

کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تمام لیا تو وہ جریز ہو کر بولی۔

ہو تو آپ کی بہن۔

ہاں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں غلط فیصلوں میں بھی اس کا ساتھ دوں۔

آپ کے گھر والے تو یہی چاہتے ہوں گے وہ اپنے ناخن دیکھتے ہوئے بولی۔

گھر والوں کو چھوڑ دو تمہیں مجھ پر بھروسہ ہونا چاہئے۔

میں تمہیں لینے آیا ہوں اور میں چاہتا ہوں تم سارے خدشات سے نکل کر میرے

ساتھ چلو۔ اس نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی بولی کچھ نہیں۔

کیا بات ہے کچھ غلط کہہ گیا ہوں میں؟ اس نے ٹوک کر پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر

کہنے لگی۔

نہیں غلط تو نہیں، بس ایک بات مدد مگی۔

کون سی؟

روحینہ، میرا مطلب ہے جب آپ روحینہ کو پسند کرتے تھے تو پھر مجھ سے شادی پر

کیوں آمادہ ہوئے۔ کیا مجبوری تھی آپ کے ساتھ؟ اس نے کھوجتی نظریں اس کے چہرے

پر جمادی تھیں۔

فرحانہ! سکندر کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تھی پھر قدرے رک کر کہنے لگا

فرحانہ کی ضدی اور خود سر طبیعت کے باعث اماں کو خدشہ تھا کہ وہ اپنے گھر نہیں بس سکے گی

یعنی اس کے سسرال والے اسے زیادہ عرصہ برداشت نہیں کریں گے اور یوں سمجھو اس کا

مستقبل محفوظ کرنے کیلئے اماں نے مجھ سے یہ قربانی مانگی تھی کہ اس طرح سمیرا بند ہو جائے

گا یعنی اپنی بہن کی خاطر فرحانہ کی عادات سے سمجھوتہ کرے گا لیکن یہاں تو الٹا ہی معاملہ

ہو گیا۔

ادھہ انسان کیا کیا تدبیریں کرتا ہے لیکن تقدیر سے نہیں لڑ سکتا، اس کے لہجے میں دکھ سمٹ آیا تھا۔

بہر حال میں محبت کی قربانی دے چکا ہوں لیکن بیوی کی قربانی نہیں دے سکتا کیونکہ میں پلٹ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس نے کہا تو وہ بری طرح چوکی لیکن فوراً سنبھل کر بولی تھی۔

میں نے ابھی کچھ دن پہلے آپ کو روحینہ کے ساتھ دیکھا تھا۔
 ضرور دیکھا ہوگا، اصل میں مجھے گھر کی تلاش تھی اور وہ اسی سلسلے میں میری مدد کر رہی تھی۔ اس کی کسی دوست کا اپارٹمنٹ خالی تھا، میں اس کے ساتھ وہی دیکھنے گیا تھا شاید تم نے وہیں کہیں دیکھا ہوگا۔

وہ صاف گوئی سے بتا کر مسکرایا تو وہ نظریں چرا گئی۔
 بس یا کچھ اور بلکہ میرا خیال ہے باقی باتیں اپنے گھر جا کر۔ اپارٹمنٹ ہے تو چھوٹا لیکن ابھی ہم بھی تو دو وہی ہیں جب تین چار پانچ ہوں گے تب کوئی اور گھر دیکھ لیں گے۔ ٹھیک۔
 وہ اس کا ہاتھ دبا کر اقرار چاہ رہا تھا، اس نے مسکرانے سے پہلے دل میں عہد کیا تھا کہ اب کبھی پلٹ کر نہیں دیکھے گی۔

☆.....☆.....

یہی سچ ہے

شادی کروں گی تو کسی امیر کبیر آدمی سے، جس کا یہ اتنا بڑا بنگلہ ہوگا، نوکر چاکر حکم کے منتظر، پورچ میں کم از کم چار گاڑیاں ہر وقت موجود اور۔۔۔۔۔

بس آنکھیں کھول دو۔۔۔۔۔ وہ جو آنکھیں بند کئے بڑے جوش سے بول رہی تھی، شجاع کے ٹوکے پر پہلے بیٹھا کر آنکھیں کھولیں پھر اسے دیکھ کر دانت پیس کر بولی۔
تم ہمیشہ بے وقت آتے ہو اور اگر آئی گئے تھے تو کچھ دیر خاموش رہ لینے سے کیا بگڑ

جاتا تمہارا۔۔۔۔۔

میرا تو نہیں تمہارا بگڑ سکتا تھا۔۔۔۔۔ وہ ہونٹوں میں مسکراہٹ دبا کر بولا۔

کیا۔۔۔۔۔ کیا بگڑتا میرا۔۔۔۔۔؟

اتنی سی آنکھوں میں اتنے سارے خواب۔

آنکھیں بھینگی ہو جاتیں پھر امیر کبیر تو کیا کوئی غریب فقیر بھی نہ پوچھتا تمہیں۔ شجاع نے باقاعدہ آنکھیں بھینگی کر کے گویا اسے خواب دیکھنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔
تم کہنے ہونے کے ساتھ اندھے بھی ہو، میری اتنی بڑی بڑی آنکھوں کو اتنا سا کہہ رہے ہو فوراً چشمہ لگوا لو۔

اس نے چڑ کر اسے کینہ اور اندھے کا خطاب دینے کے ساتھ مشورہ بھی دے ڈالا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگا جبکہ سجدیہ نے اپنی ہنسی چھپانے کی خاطر اخبار اپنے چہرے کے سامنے پھیلالیا تھا۔

ہنس کیوں رہے ہو۔۔۔۔۔ وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

اپنے آپ پر ہنس رہا ہوں، کتنا احمق ہوں میں۔ اتنا بھی نہیں پتہ کہ آنکھوں کی چھوٹائی بڑائی کا خوابوں کی لمبائی چوڑائی سے کیا تعلق۔۔۔۔۔

شجاع نے خود پر بات رکھ کر درحقیقت اس کا مذاق اڑایا تو اس باز روہ سمجھ کر تملاکر چینی۔

تم باز آ جاؤ شچی! ورنہ مفت میں میرے ہاتھوں جان گنوا بیٹھو گے۔۔۔۔۔
ارے جان کیا ہے جان۔

کیا تم نے مجھے جان کہا، وہ اپنی جگہ سے یوں کھڑی ہوئی جیسے بھی اس پر حملہ آور ہوگی اور وہ سر کھجاتا ہوا بولا۔

وہ کیا ہے کہ زبان پھسل گئی ورنہ دشمن جان کو بھلا میں جان کہہ سکتا ہوں۔
اچھا اب براہ مہربانی تم جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا تو سعدیہ ایک دم اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔

ہائیں! کس قدر بد تمیزی ہو تم ثانیہ۔۔۔۔۔ شچی بھائی پلیز آپ بیٹھیں۔۔۔۔۔ میں آپ کیلئے چائے لیکر آتی ہوں۔

ہاں چائے تو میں ضرور پیوں گا، وہ فوراً بیٹھ گیا اور شریر نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو وہ اس کی نقل اتار کر بولی۔

چائے تو ضرور پیوں گا، اپنے گھر میں نہیں ملتی تمہیں چائے۔

ملتی بھی ہے تو میں نہیں پیتا۔۔۔۔۔

کیوں۔۔۔۔۔؟

مجھے صرف سعدیہ کے ہاتھ کی چائے اچھی لگتی ہے۔

سچ شچی بھائی! بس میں ابھی لیکر آتی ہوں۔

اپنی تعریف پر خوش ہو کر سعدیہ فوراً چائے بنانے چلی گئی تو وہ اس سے کہنے لگی۔

تم اگر اسے مکھن نہ لگاتے تب بھی وہ تمہیں چائے ضرور پلاتی۔

میں نے ہرگز مکھن نہیں لگایا، بالکل سچ کہا ہے واقعی سعدیہ بہت اچھی چائے بناتی

ہے۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا تو اس نے یوں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہی ہو بناتی ہوگی

اور اس کے انداز پر وہ پھر اسے چھیڑنے پر آمادہ ہوا۔

اور تم صرف باتیں اچھی بناتی ہو۔

صرف باتیں نہیں، میں حجامت بھی اچھی بناتی ہوں۔ اس کے جل کر کہنے پر وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگا۔

چچی جان نظر نہیں آ رہی، کہاں ہیں۔۔۔؟

پتہ نہیں۔۔۔ اس نے لا پرواہی سے کندھے اچکائے۔

تمہیں کسی بات کا پتہ بھی ہوتا ہے، اس بار وہ جھنجھلایا اور وہ اتنے ہی آرام سے بولی۔

کیوں نہیں اور پھر وہ نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔

آج کشمیر میں دس مجاہدین شہید ہوئے، ادھر ایک فلسطینی نے ایک اسرائیلی میجر کو چاقو مار کر ہلاک کیا۔ عمران خان کے سر کو کسی دورے میں دل کا دورہ لے گیا اور ادھر سری لنکا نے پیپسی کپ بھی جیت لیا جبکہ ہمارے ہاں اتنے سے دلوں میں بیچارے شریف میاں کے بال سفید ہو گئے ہیں۔

ایک منٹ۔۔۔۔۔ وہ اسے خاموش کرا کر پوچھنے لگا۔

یہ شریف صاحب کون ہیں؟

بڑے افسوس کی بات ہے، اپنے وزیراعظم کو نہیں جانتے تم۔۔۔۔۔ اس نے اتنی سنجیدگی سے تاسف کا اظہار کیا کہ ایک ہل کو واقعی وہ شیشا گیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

تو میاں نواز شریف کہو ناں۔

نہیں، میں پورا نام نہیں لے سکتی۔۔۔۔۔ وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی، اس ادا سے بولی کہ وہ ہائے کی آواز کے ساتھ کرسی سمیٹ پیچھے الٹ گیا، تبھی سعیدہ چائے لٹکرا گئی اور پہلی نظر میں وہ اسے نظر نہیں آیا تو اس سے پوچھنے لگی۔

جی بھائی کہاں گئے۔۔۔؟ اس نے مسکرا کر اس کی طرف اشارہ کیا تو سعیدہ دیکھتے ہی چپٹی۔

ہائے جی بھائی! آپ کو کیا ہوا۔۔۔۔۔ وہ فوراً طلبا بازی کھا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کان پکڑ کر ہلا۔

توبہ، توبہ میں نے ایسی لڑکی اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی، کیا چیز ہو تم تانیہ

احمد۔۔۔۔۔؟

بہت اونچی چیز ہو۔۔۔۔۔ وہ گردن اکڑا کر بولی سحدیہ پریشان سی ہو کر باری باری دونوں کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

اپنی اس اونچی شے سے پوچھو۔۔۔۔۔

وہ گری ہوئی کرسی پیر سے سیدھی کرتا ہوا بولا پھر بیٹھتی ہی سحدیہ کے ہاتھ سے چائے کا مک لیکر ہونٹوں سے لگا لیا اور سحدیہ کو اس سے کچھ پوچھنے کی نسبت خاموش ہو جانا بہتر لگا کیونکہ جانتی تھی کہ ایک تو وہ اصل بات ہی نہیں بتائے گی دوسرے خواہ مخواہ ڈانٹنے بھی لگے گی۔

☆ ☆

وہ شروع سے ایسی ہی تھی، چھوٹے بہن بھائی پر بلاوجہ رعب جمانا حالانکہ سحدیہ اس سے صرف ایک سال ہی چھوٹی تھی اور دیکھنے میں تو بڑی ہی لگتی تھی نہ صرف قد کاٹھ میں بلکہ عقل میں بھی۔ اس کے باوجود وہ اس پر رعب جمانا حق سمجھتی تھی۔ دوسرے اس کا دماغ بھی بہت اونچا تھا، قناعت تو اس کی سرشت میں ہی نہیں تھی حالانکہ اچھا خاصا خوشحال گھرانہ تھا۔ زیادہ افراد بھی نہیں تھے تین بہن بھائی امی اور ابو۔

ابو جی ایک مقامی بینک میں منجرتھے اور وہ خود بھی بی ایس سی کے بعد جاب کرنے لگی تھی یہ الگ بات کہ اپنی ساری تنخواہ وہ صرف اپنے آپ پر خرچ کرتی تھی۔ کبھی موڈ میں ہوتی تو بہت احسان کر کے ایک دوسوٹ سحدیہ کو دلادیتی یا پھر عرفان خوشامد کر کے چار پانچ سو اس سے منگوا لیتا جبکہ امی اور ابو کو تو غالباً پتہ بھی نہیں تھا کہ وہ کتنی تنخواہ لیتی ہے نہ ہی وہ اس کے پیسے پر اپنا کچھ حق سمجھتے تھے البتہ ہر مہینے اس کی ڈھیروں شاٹنگ پر امی ٹوکتی ضرور تھیں جس کا وہ الٹا ہی اثر لیتی تھی۔ یوں جیسے اس نے امی سے ضد باندھ لی تھی بلکہ ہر اس شخص سے جو اسے سمجھانے کی سعی کرتا، گویا سب اس کے دشمن تھے اس سے جلتے تھے۔ (یہ اس کی اپنی سوچ تھی) اور اپنے طور پر جلتے والے کو مزید جلا کر وہ خوش ہوتی یعنی عجیب سر پھری لڑکی تھی کچھ خود سر کچھ خود پسند اور خود آراء۔۔۔۔۔

☆ ☆

تین سال پہلے جب وہ انٹر میں پڑھ رہی تھی تب اس کیلئے دو تین اچھے رشتے آئے

تھے اور امی نے بہت چاہا تھا کہ اس کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں لیکن اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا، ابو اور امی بھی جانتے تھے اس لئے اس کی بات مانی گئی۔ اس نے کہا تھا کہ کم از کم بی ایس سی سے پہلے وہ شادی نہیں کرے گی، بہر حال دو سال کی بات تھی جو گزرتے پتے بھی نہیں چلا اور گزشتہ سال جب وہ امتحانوں سے فارغ ہوئی تھی تب بھی اس کیلئے دو اچھے رشتے موجود تھے جنہیں اس نے بڑے آرام سے کم حیثیت کہہ کر انکار کر دیا اور جب امی نے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی طرح بھی حیثیت میں ان سے کم نہیں ہیں تو وہ مذاق اڑا کر بولی تھی۔

ہماری حیثیت کون سی بہت اچھی ہے۔

بہت اچھی نہ سہی لیکن اللہ کا شکر ہے ہزاروں لاکھوں سے بہت اچھے ہیں، اس کے مذاق اڑانے پر امی بمشکل ضبط سے بول سکی تھیں۔

بس رہنے دیں مجھے نہیں کرنی اپنے جیسے لوگوں میں شادی۔۔۔ اگر آپ کو زیادہ ہی ارمان ہے تو سعدیہ کو بیاہ دیں اس کے جتنی انداز پر امی دنگ رہ گئی تھیں۔

پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً امی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ قائل ہونے کے بجائے التائیاں قائل کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ بالآخر تنگ آ کر امی نے بظاہر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا لیکن حقیقتاً وہ اس کیلئے بہت فکر مند رہتی تھیں اور فکر کی بات بھی تھی۔ وہ ایک اکیلی تو نہیں تھی، اس کے بعد سعدیہ اور عرفان بھی تھے گو کہ وہ اپنے طور پر یہ کہہ کر بات ختم کر دیتی کہ اگر پروپوزل آپ کو پسند ہے تو سعدیہ کی شادی کر دیں لیکن امی کو یہ کسی طرح مناسب نہیں لگتا تھا۔

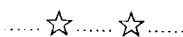
پھر جب اس نے جاپ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تب امی نے اس کی سخت مخالفت کی تھی لیکن وہ جودل میں ٹھان چکی تھی، ابو کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر باقاعدہ امی کے مقابل ڈٹ گئی تھی۔

آخر آپ کیوں منع کر رہی ہیں آمدنی میں اضافہ ہی ہو جائے گا۔ ایک طرح سے اس نے امی کو لالچ دیا، جس پر وہ ناراض ہو کر بولیں۔

نہیں چاہئے مجھے آمدنی میں اضافہ، حرام سمجھتی ہوں میں بیٹی کی کمائی کو۔۔۔۔۔
چلیں تو پھر مجھے اپنے شوق پورے کر لینے دیں۔

کیا کمی ہے تمہارے پاس اچھا کھاتی پتی ہو اور کیا چاہئے۔
 بہت کچھ اور خدا کیلئے اب آپ بہت کچھ کی تفصیل مت پوچھنے بیٹھ جائیے گا، اس نے
 ہاتھ جوڑ کر کہا تو امی اسے تاسف سے دیکھتی رہ گئیں۔

اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر تو اس کی ڈیماٹڈ میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا پہلے
 صرف ایک گاڑی اور اب یہ اتنا بڑا بنگلہ جس کے پورچ میں کم از کم چار گاڑیاں ہر وقت
 موجود ہوں، شجاع تو سن کر سچ چکر اگیا تھا۔



گھر کے کام کاج سے تو اسے سرے سے دلچسپی تھی ہی نہیں حالانکہ اس کا آفس نو بجے
 سے تھا اگر چاہتی تو صبح جلدی اٹھ کر ناشتہ وغیرہ بنا سکتی تھی لیکن وہ اٹھتی ہی دیر سے تھی اور
 آفس سے واپس آ کر تو صاف منع کر دیتی۔ میں پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔ اس کے
 باوجود اپنے کام بہت لگن سے کرتی تھی یعنی اگر کوئی ایک آدھ سوٹ میلا ہو تو اسے اسی وقت
 دھو کر ڈالنا پھر اگلے دن کے لیے کپڑوں کا انتخاب انہیں استری کر کے رکھنا اور سعدیہ کیونکہ
 فطرتاً صلح جو تھی اس لئے امی کو بھی اسے ٹوکنے کا موقع نہیں دیتی تھی خود ہی سارے کام نمٹا
 لیتی اور کسی کسی وقت امی کی ڈانٹ بھی سنتی۔

تم نے ہی اسے سر چڑھایا ہوا ہے آخر کیوں نہیں اسے کچھ کرنے دیتیں۔
 کرتی تو رہتی ہے کچھ نہ کچھ۔۔۔ اس وقت وہ اپنے کپڑے دھو کر ڈال رہی تھی
 سعدیہ نے ہنستے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا۔

بس اسے جوگی ہے امی بڑا کر رہ گئیں کیونکہ انہوں نے شجاع کو آتے دیکھ لیا تھا۔
 السلام علیکم چچی جان۔۔۔ شجاع نے قریب آ کر انہیں سلام کیا اور سعدیہ کو دیکھ کر
 پوچھنے لگا کیسی ہو۔۔۔؟

سخت ناراض۔۔۔ سعدیہ نے کہا تو وہ تعجب سے اپنی طرف اشارہ کر کے بولا۔
 مجھ سے۔۔۔؟

جی آپ۔۔۔۔

کیوں بھی؟

آپ وعدے کے مطابق فرح کو لیکر نہیں آئے۔

میں گھر سے نہیں آ رہا ورنہ اسے ضرور لکیر آتا، خیر اس اتوار کو لے آؤں گا وعدہ رہا۔
شجاع نے سعدیہ کی ناراضگی دور کرنے کی خاطر مسکرا کر اسے یقین دلایا تبھی وہ سنتی
ہوئی آگئی۔

تم کچھ جموٹے ہو پتہ نہیں سعدیہ تمہاری باتوں میں کیسے آ جاتی ہے۔
ثانیہ۔۔۔ امی نے اسے تنہی نظروں سے گھورا یہ کیسے بات کر رہی ہو؟
جموٹے کو جموٹا کہہ رہی ہوں اس پر ان کی سمجھ کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ ڈھٹائی سے
ہنستی ہوئی بولی۔ آپ دیکھئے گا سعدیہ سے کہے گا تم چائے بہت اچھی بناتی ہو۔
تو اس میں جموٹ کیا ہے میں واقعی چائے بہت اچھی بناتی ہوں۔۔۔۔۔ سعدیہ شجاع
سے پہلے بول پڑی۔

کیونکہ جانتی تھی کہ یہی بات شجاع کے منہ سے سن کر ثانیہ یقین سے کہے گی کہ محض
چائے پینے کی خاطر وہ اس کی تعریف کر رہا ہے۔

صرف چائے نہیں سعدیہ تمام کھانے بہت اچھے بناتی ہے۔
امی کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں حالانکہ انہوں نے سیدھے سادے انداز میں تعریف کی
تھی لیکن اسے یوں لگا جیسے اس پر جتا کر گئی ہوں جب ہی اندر ہی اندر سلگ گئی لیکن بظاہر
شان سے بولی۔

مجھے کچن کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔۔۔

یہ کوئی قابل تعریف بات تو نہیں ہے جو آپ اتنی شان سے بیان کر رہی ہیں بلکہ
افسوس کا مقام ہے۔۔۔ شجاع کسی طرح بھی ملو کرنے سے باز نہیں رہ سکا۔

تم تو یہی کہو گے۔۔۔ وہ نخوت سے سر جھٹک کر اٹھی اور ٹیبل پر سے اخبار لیکر کھلی چھت
پر چلی آئی، شام کا وقت تھا۔ اس پاس کی چھتوں پر بھی لڑکیاں شہلقتی ہوئی نظر آ رہی تھیں لیکن
اس کا اس وقت کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں تھا اس لئے فوراً تخت پوش پر اخبار پھیلانے
بیٹھ گئی۔ شہ سرخیوں پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد وہ پوری توجہ سے ”ضرورت ہے“ کے کالم
دیکھنے لگی کہ کوہ ابھی بھی وہ اچھی جا ب کر رہی تھی لیکن وہی بات کہ قناعت نہیں کر سکتی تھی
دوسرے یکسانیت سے جلدی اکٹا جاتی اور اب پتہ نہیں وہ کیا چاہتی تھی۔

بہر حال اس کی ساری توجہ اخبار پر تھی جیسی شجاع کے آنے کا پتہ نہیں چلا اور یہ اتفاق تھا

کہ جہاں وہ نظریں جمائے بیٹھی تھی، اس سے ذرا اوپر ”ضرورت رشتہ“ کا کالم تھا۔
اس چکر میں مت پڑو یہ سب فراڈ ہوتے ہیں۔

شجاع کی آواز پر اس نے چونک کر سر اوجھایا اور پیشانی پر پل ڈال کر پوچھنے لگی۔
کیا فراڈ ہوتے ہیں؟

یہ جو تم رشتے دیکھ رہی ہو۔۔۔۔۔ شجاع کے دونوں ہاتھوں میں چائے کنگ تھے ایک
مگ اس نے وہیں رکھ دیا جہاں جلی حروف میں ضرورت رشتہ لکھا ہوا تھا اور وہ ایک دم ہی
آپے سے باہر ہو گئی۔

دماغ صحیح ہے تمہارا، کیا سمجھا ہے تم نے مجھے۔ یعنی اب میں اخبار میں اپنے لئے رشتے
دیکھوں گی ایسی گئی گزری نہیں ہوں شجاع احمد میرے لئے ابھی بھی کتنے لوگ دامن پھیلا کر
آتے ہیں۔۔۔۔۔

مجھے پتہ ہے۔۔۔۔۔ وہ دیر عرصے سے کہتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا اور چائے کا گم ہٹا
کر اسے متوجہ کر کے کہنے لگا کسی کیلئے ہی سہی ابھی تم یہ کالم دیکھ رہی تھیں کہ نہیں۔
جی نہیں میں یہ کالم دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے نیچے انگلی رکھ کر بولی تو وہ دیکھ کر پوچھنے
لگا۔

خیریت، جاب چھوڑ دی کیا تم نے؟
نہیں۔۔۔۔۔

پھر کیا پارٹ ٹائم بھی کرو گی؟

جی نہیں میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہوں۔

دیری گزشتہ۔۔۔۔۔ اس نے سراہ کر اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کی اور کامیاب بھی
ہو گیا۔

پتہ ہے شجاع میں چاہتی ہوں کہ مجھے کسی انگلش فرم میں جاب مل جائے ہینڈ سمیلری
کے ساتھ دیگر تمام سہولیات ایمان سے مزہ آ جائے گا۔

بولتے ہوئے اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں وہ دیکھ کر نظریں چرا گیا۔
کوشش جاری رکھو مل جائے گی۔

بس تم دعا کرو۔۔۔۔۔

میری دعاؤں میں اثر ہوتا تو میں تمہیں یہاں بیٹھا نظر آتا۔۔۔۔۔ اس نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور وہ زور سے ہنسی۔

پھر کہاں ہوتے۔۔۔۔۔؟

پتہ نہیں۔۔۔۔۔ وہ ٹال گیا پھر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ دیر ہو گئی، چلنا چاہئے۔

کوئی اتنی دور نہیں جانا تمہیں، اطمینان سے جانا کھانا کھا کر۔ پتہ ہے سہیہ تمہاری فورٹ ڈش بنا رہی ہے وہ اخبار رول کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولی تو وہ شوق سے پوچھنے لگا۔

کوہ فتنے۔۔۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھر تو رکنا پڑے گا۔۔۔۔۔ وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اور قدرے توقف سے کچھ ڈرتے ڈرتے بولا۔

سنو، سہیہ سے تھوڑی گہرداری تم بھی سیکھ لو، کام آئے گی۔

مجھے کوئی شوق نہیں۔۔۔۔۔ اس نے سخت بیزاری کا مظاہرہ کیا۔

بات شوق کی نہیں ضرورت کی ہے، کل کو شادی ہو کر سسرال جاؤ گی تو۔۔۔۔۔

بس میرے دادا ابا بننے کی کوشش مت کرو، وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگی مجھے کسی ایرے غیرے سے شادی نہیں کرنی، میں ایسے گھر میں جاؤں گی جہاں ہر کام میرے ایک اشارے سے ہوگا۔

خدا کرے تمہیں ایسا ہی گھر ملے پھر بھی میں کہوں گا ثانیہ کہ خوابوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے کے بجائے حقیقت پسند بنو۔

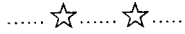
وہ اپنی نظریں دور آسمان پر بھٹکتی چھوڑ کر دھیرے دھیرے بولنے لگا۔

زندگی کی اصل خوشی اتنے بڑے بنگلے، نوکر چاکر اور گاڑیوں سے حاصل نہیں ہوتی، میں یہ نہیں کہتا کہ خواب مت دیکھو ضرور دیکھو لیکن انہیں اس طرح خود پر طاری مت کرو، زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

بس یا اور کچھ۔۔۔۔۔ وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا تھا کہ وہ بول پڑی۔ انداز سے ظاہر تھا کہ وہ اس کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی، تب وہ گہری سانس کھینچ کر کہا،
اور کچھ نہیں۔

چلو پھر نیچے چلتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ اس کی بے نیازی سے بری طرح ہرٹ ہوا جیسی اس کے ساتھ چلتے سے انکار کر دیا۔

تم چلو میں آتا ہوں۔۔۔۔۔ اور وہ بڑے آرام سے کندھے اچکا کر سیڑھیاں اتر آئی۔



پھر رات میں جب وہ صبح کیلئے اپنے کپڑے استری کرنے کھڑی ہوئی تو اس وقت شجاع کی باتوں کو سوچ کر اپنے آپ ہی ہنسنے لگی، سعدیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر پوچھنے لگی۔

کیا کوئی لطیفہ یاد آ گیا ہے؟

ہاں پورے چھ فٹ لمبا لطیفہ۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔؟ سعدیہ بالکل نہیں سمجھی۔

میں شجاع کی بات کر رہی ہوں، اس نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا تو سعدیہ برا مان کر

بولی۔

تمہارے مذاق اڑانے سے شجی بھائی کی پرسنلٹی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مجھے تم سے پورا اتفاق ہے، چکنے گھڑے پر کیا اثر ہو سکتا ہے بھلا۔۔۔۔۔

اس نے مزید شجاع کو چکنے گھڑے کا خطاب بھی دے ڈالا تو سعدیہ جل کر بولی۔

میں سمجھ گئی یقیناً شجی بھائی نے تمہیں کوئی اچھی بات سمجھانے کی کوشش کی ہوگی۔

ہاں میں تو نا سمجھ نادان، پاگل ہوں ناں۔

خیر یہ تو نہیں کہا میں نے۔۔۔۔۔ اس کے ایک دم بگڑنے پر سعدیہ کچھ خائف سی

ہو گئی۔

لیکن یہ تو یقین سے کہا ہے ناں کہ شجاع نے مجھے کوئی اچھی بات سمجھانے کی کوشش کی

ہوگی، اچھی بات سمجھانے کی کوشش کی ہوگی، اچھی بات کی وضاحت کرو۔

وہ استری چھوڑ کر سعدیہ کے سر پر آ کھڑی ہوئی، خاصا جارحانہ انداز تھا۔

مجھے نہیں پتہ۔۔۔۔۔ سعدیہ نے ناگواری سے کہہ کر منہ موڑ لیا۔

پھر کیا کہوں۔۔۔۔۔؟

..... ☆ ☆

—

عرفان! وہ مزید ضبط نہیں کر سکتی، چیخ کر بولی تم فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ ورنہ میں ابو سے تمہاری شکایت کرتی ہوں۔

دیکھ لیں یہ ہیں باجی ثانیہ۔۔۔۔۔ واقعی اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔۔۔ عرفان جلدی سے کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

بہت ہی بدتمیز ہے پھر ان دونوں کو دیکھ کر کہنے لگی، تم لوگ کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا، آؤ فرح تم میرے پاس آ جاؤ۔

میں پہلے چچا جان سے مل لوں، شجاع بھی کمرے سے نکل گیا تب وہ تفصیل سے فرح کو اپنی طبیعت کی خرابی کا بتانے لگی۔

حالانکہ صبح میں بالکل ٹھیک ٹھاک تھی، سب کے ساتھ ناشتہ کیا۔ اس کے بعد میرا ارادہ گھر کی صفائی کرنے کا تھا لیکن اچانک سر میں درد شروع ہو گیا، ابھی ٹیبلٹ لے کر لیٹی تھی۔ پھر تو ہم نے جھہیں ڈسٹرب کیا، فرح یوں شرمندہ ہو کر بولی جیسے واقعی اس سے کوئی بہت بڑی غلطی ہو گئی ہو۔۔۔۔۔

نہیں، نہیں، تمہارے آنے سے میں بالکل ڈسٹرب نہیں ہوئی بلکہ مجھے خوشی ہو رہی ہے، روز شجاع سے کہتی ہوں جھہیں لیکر آئے۔ اس نے کہا تو فرح اچھل پڑی۔
ہائیں شجاع بھائی روز یہاں آتے ہیں۔

تقریباً۔۔۔۔۔ اصل میں آفس سے واپسی پر پہلے ہمارا گھر آتا ہے، اس لئے وہ یہاں سے ہو کر جاتا ہے۔ اس نے بہت سرسری انداز میں بتایا جیسے شجاع کی آمد اس کیلئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور فرح نے خاص طور سے اس بات کو نوٹ کیا جیسی موضوع بدلتی ہوئی پوچھنے لگی۔

تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟

فرسٹ کلاس۔۔۔۔۔ حالانکہ خود مطمئن نہیں تھی پھر بھی اترا کر بولی۔ تبھی سعد یہ چائے لیکر آ گئی اور چائے پینے تک ہی وہاں بیٹھی، اس کے بعد یہ کہتی ہوئی اٹھی کہ وہ اب دوپہر کا کھانا پکائے گی۔ فرح سے اس نے پوچھا کہ وہ اگر کوئی خاص چیز کھانا چاہے بتا دے۔

میں مہمان نہیں ہوں جو تم خاص طور سے ہمارے لئے اہتمام کرو گے، چلو میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔

سعدیہ نے بہت منع کیا لیکن فرح اس کے ساتھ ہی کچن میں چلی گئی، اس پر بھی اسے احساس نہیں ہوا بلکہ بڑے آرام سے دوبارہ لیٹ گئی اور کچھ دیر بعد سو بھی گئی۔

پھر دوپہر کے کھانے پر پہنچیں کسی نے اسے اٹھایا نہیں یا وہ اٹھانے سے ہی نہیں اٹھی، بہر حال جب خود سے اٹھی چار بج رہے تھے اور گھر میں ایک دم سناٹا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح لیٹی کوئی آواز سننے کی کوشش کرتی رہی پھر اٹھ کر پہلے منہ ہاتھ دھویا، اس کے بعد کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ اس کا خیال تھا سب وہیں موجود ہوں گے لیکن کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کچھ متعجب ہوئی اور اپنے آپ سوچتی قیاس کرتی ہوئی کچن میں آ کر اپنے لئے کھانا نکالا اور چائے کا پانی جو لمبے پر رکھ کر وہیں کھڑی ہو کر کھانا کھانے لگی گوکہ سعدیہ نے کھانے میں اہتمام کیا تھا لیکن اس نے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن اور ہاتھ میں آدمی روٹی لے لی تھی اور وہ بھی اس سے کھائی نہیں جا رہی تھی، تب اسے سب کے ساتھ اور اکیلے کھانے کا فرق تو سمجھ میں آیا لیکن اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے سب گھروالوں پر غصہ آنے لگا کہ کسی نے اُسے اٹھایا کیوں نہیں۔ بڑی مشکل سے ہاتھ میں دہی روٹی ختم کی پھر گک میں چائے ڈال کر لاؤنج میں آ بیٹھی، کچھ دیر بعد ای اپنے کمرے سے نکلیں تو انہیں دیکھتے ہی وہ پوچھنے لگی۔

سعدیہ کہاں ہے امی۔۔۔۔۔

یہ سب لوگ شاید کلفٹن گئے ہیں امی بتا کر کہنے لگیں۔ تم بے وقت سو گئیں ورنہ ان کے ساتھ چلی جاتیں، میں نے کہا بھی تھا سعدیہ سے کہ تمہیں اٹھاوے۔
نہیں اچھا ہوا مجھے نہیں اٹھایا، وہ حقیقتاً بری طرح تمللا گئی تھی لیکن ظاہر یوں کیا جیسے اسے جانا ہی نہیں تھا۔

کھانا کھالیا تم نے۔۔۔۔۔؟

جی آپ چائے پیئیں گی؟

ابھی نہیں یہ لوگ آ جائیں پھر بنا دینا۔۔۔ امی اگر اپنے لیے کہتی تو وہ بنا دیتی لیکن ان سب کیلئے چائے بنانے کا کہہ کر تو امی نے گویا اس کے غصہ کو ہوا دے دی، بمشکل ضبط کرتی ہوئی اٹھی اور چائے کا خالی گک کچن میں رکھ کر پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆.....☆.....

پھر جب شام ڈھل چکی تھی اور رات کی سیاہی دھیرے دھیرے پھیلا رہی تھی، تب ان چاروں کی واپسی ہوئی۔ ایک دم سے خاموش فضا میں ہلچل مچ گئی، وہ جانتی تھی کہ وہ

سیدھے اسی کے پاس آئیں گے اور یقیناً اپنی تفریح خزانے لے لے کر بیان کریں گے اس لئے ان کی آوازیں سنتے ہی وہ فوراً اٹھی اور استری کا پلنگ لگا کر خود کو بہت مگن و مصروف ظاہر کرنے لگی۔

ثانیہ کہاں ہے۔۔۔۔؟ اسے فرح کی آواز سنائی دی اور امی کے بتانے پر عرفان چیخا تھا۔

ہائیں! ابھی تک سو رہی ہے امی نے پتہ نہیں کیا کہا اس کے بعد وہ چاروں اسکے کمرے میں چلے آئے اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا وہ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔
اتنی جلدی آگئے تم لوگ۔۔۔۔

دل تو نہیں چاہ رہا تھا آنے کو ایمان سے کیا سماں تھا۔ اتنا مزہ آیا اور شجاع بھائی نے تو آج سچ سچ حاتم طائی کی قبر پر لات مار دی، گول گئے آکس کریم، فروٹ چاٹ پھر فرانی مچھلی اور۔۔۔۔

عرفان ایک ہی سانس میں اتنی ساری چیزوں کے نام گنوانے کے بعد کچھ تھکے تھکے انداز میں بیڈ پر گرنا ہوا بولیں ایک چائے نہیں پیو، تم پلوادو۔
مجھ سے کہہ رہے ہو۔۔۔؟ وہ قصداً چونک کر پوچھنے لگی۔

جی اتنی دیر سے میں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔ عرفان اس کے انجان بننے پر جل کر بولا۔

اچھا میں نے سنا نہیں، کیا کہہ رہے تھے تم؟
اب میں دوبارہ اتنی چیزوں کے نام گنوانے سے رہا بس تم چائے پلوادو۔
سو رہی، میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتی، تمہیں اگر چائے ضرور پینی ہے تو خود جا کر بنا لو۔۔۔ وہ صاف انکار کر کے اپنی استری شدہ شرٹ ہینگ کرنے لگی پھر اسے الماری میں لٹکا کر پلٹی تو باری باری فرح، سعدیہ اور شجاع کو دیکھ کر پوچھنے لگی تم لوگ خاموش کیوں بیٹھے ہو؟

بہت تھک گئے، فرح نے کہا تو وہ بے اختیار بولی۔
اسی لئے تو میں نہیں گئی۔

ہا ہا۔۔۔ عرفان بہت زور سے ہنسا۔ یوں کہہ رہی ہے جیسے ہم نے اس کی بہت

خوشامد کی تھی۔

ہم ضرور اصرار کرتے اگر یہ سونہری ہوتی۔۔۔ شجاع نے اس کی سائیڈ لی لیکن وہ اس پر بھی جتا کر بولی۔

میں سوئی ہی اس لئے تھی کہ میں نے تم لوگوں کا پروگرام سن لیا تھا۔

پھر تو تمہیں چلنا چاہئے تھا۔۔۔ شجاع نے جیسے اس کی بات کا یقین کر لیا، جیسی امی چائے لیکر آ گئیں تو سعد یہ بے حد شرمندہ ہو کر بولی۔

آپ نے کیوں بیٹائی امی، میں ابھی آ رہی تھی۔

کوئی بات نہیں بیٹا ویسے تو میرا خیال تھا پہلے تم لوگ کھانا کھا لیتے لیکن ابھی روٹی پکانی باقی ہے۔

کھانے کی گنجائش بالکل نہیں ہے اور چچی جان ہمارے لئے روٹی پکائیے گا بھی نہیں شجاع نے منع کرتے ہوئے فرح کو چلنے کا اشارہ بھی کیا۔

کیوں بیٹا؟

بس چچی جان اب ہم چلیں گے امی انتظار کر رہی ہوں گی۔

کوئی فکر کی بات نہیں ہے اپنے ہی گھر آئے ہو کھانا کھا کر جانا۔ امی کہتی ہوئی چلی گئیں تو اس بار سعد یہ اسے ٹوکے بغیر نہیں رہ سکی۔

ٹانہ! استری بعد میں کر لینا دیکھو امی اب روٹی پکانے کھڑی ہو جائیں گی۔۔۔ اس نے خاموشی سے پلگ نکالا اور کمرے سے نکل آئی۔

پھر جب کھانے کے بعد شجاع، فرح کو لے کر چلا گیا تب وہ ابو کے سامنے عرفان کی شکایات کا دفتر کھول کر بیٹھ گئی۔

بہت بدتمیزی ہے ہر وقت میرا تسخراڑا تا ہے۔ خاص طور سے دوسروں کے سامنے تو ضرور میری انسلٹ کرتا ہے۔

ابو نے عرفان کو بہت ڈانٹا وہ بچا رہ احتجاج کرتا رہ گیا کہ ٹانہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتی لیکن اس کی سنوائی نہیں ہوئی اور وہ ایک طرح سے بدلہ لیکر بہت خوش اپنے کمرے میں آئی اور سعد یہ کو سنا کر بولی۔

اب کبھی مجھ سے بدتمیزی کر کے دیکھے سعد یہ نے کوئی توجہ نہیں دی۔ بیڈ کی چادر ٹھیک

کرنے میں لگی رہی پھر اسی خاموشی سے اپنی جگہ پر لیٹ گئی تو وہ کچھ تعجب سے پوچھنے لگی۔
اتنی جلدی سو رہی ہو؟

ہاں، تھک گئی ہوں۔ ویسے اتنی جلدی بھی نہیں ہے، ساڑھے دس ہو رہے ہیں اور پلیز
اگر تمہیں کوئی کام نہیں کرنا تو لائٹ آف کر دو۔

سعدیہ نے آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر کھڑی غالباً کام سوچتی رہی پھر
لائٹ آف کر کے آکر لیٹ گئی۔

سارا دن سوئی تھی اب اتنی جلدی نیند آنے کا سوال ہی نہیں تھا، کچھ دیر تک اندھیرے
میں ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر سعدیہ کو ہلا کر بولی۔
سنو مجھے تو ابھی نیند نہیں آئے گی۔

ظاہر ہے سارا دن سوئی جو ہو۔ سعدیہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھنے کی
کوشش کی۔

پھر اب کیا کروں؟

کوئی کتاب پڑھ لو۔

اوں ہوں، پڑھنے دڑھنے کا موڈ نہیں ہے۔

اسے سعدیہ کا مشورہ پسند نہیں آیا، منہ بنا کر بولی تو سعدیہ نے خاموشی اختیار کر لی یوں

بھی اسے نیند آ رہی تھی۔ قدرے توقف سے وہ پھر پوچھنے لگی۔

صبح کالج جاؤ گی؟

ہاں اور کل تو میرا میٹ بھی ہے۔

لیکن تم نے تیاری تو کی نہیں، سارا دن گھومنے میں گزارا یا اور ابھی بھی سو رہی ہو۔

صبح دیکھ لوں گی، سعدیہ سمجھ گئی کہ جب تک اسے خود کو نیند نہیں آئے گی اسے بھی نہیں

سونے دے گی اس لئے ایک انگڑائی لیکر اس نے پہلے خود کو پوری طرح بیدار یا پھر اس کی

طرف کروٹ لیکر بولی۔

ایک بات کہو ثانیہ برا تو نہیں مانو گی۔

کہو۔۔۔ خلاف عادت اس نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور فوراً اسے کہنے کی اجازت

دے دی، تب بھی سعدیہ کچھ رک کر بولی۔

مجھے لگتا ہے کہ شجاع بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں۔
مجھے۔۔۔ وہ ہنسی۔ مجھے نہیں وہ تمہیں پسند کرتا ہے، ہر وقت تمہاری تعریف نہیں کرتا

رہتا۔

میری نہیں میرے کام کی تعریف کرتے ہیں جبکہ تمہیں چاہتے ہیں، سعدیہ نے تصحیح کرتے ہوئے کہا تو وہ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولی۔
بڑا حق ہے، کچھ کہا اس نے تم سے؟

نہیں میں نے خود اندازہ لگایا ہے۔ پہلے کئی بار مجھے شبہ ہوا اور آج تو یقین آ گیا،
سعدیہ نے اس کا طنز محسوس نہیں کیا تھا جیسی خوش ہو کر بولی۔

کیوں آج کیا ہوا۔۔۔؟ اس نے پوچھا تو سعدیہ اسی طرح خوش ہو کر بتانے لگی۔
آج جب ہم کلفٹن جا رہے تھے تو شجاع بھائی کی شدید خواہش تھی کہ تم بھی ساتھ چلو بلکہ تمہارے بغیر تو وہ جانے پر آمادہ ہی نہیں ہو رہے تھے، کئی بار مجھ سے کہا کہ تمہیں اٹھا دوں لیکن ہر بار عرفان نے سخت مخالفت کی پھر وہاں جا کر بھی وہ بہت بور ہوئے، الگ تھلک بیٹھے رہے اور دو تین بار کہہ بھی گئے کہ اگر تم ساتھ ہو تیں تو اچھا لگتا، ایسے میں ان کی آنکھوں میں تمہارے لئے میں نے ان گنت جذبوں کے رنگ دیکھے تو مجھے بہت اچھا لگا، خوشی ہوئی۔
ایمان سے ثانیہ کتنا اچھا ہو جو شجاع بھائی اور تم۔۔۔۔۔

شٹ اپ۔۔۔ وہ انتہائی ناگواری سے ٹوک کر بولی۔ کبھی ایسا سوچنا بھی مت۔

کیوں کیا برائی ہے اس میں؟ سعدیہ کا سارا جوش سرد پڑ گیا۔
برائی یہ ہے کہ وہ مجھے کچھ نہیں دے سکتا جبکہ مجھے بہت کچھ چاہئے، اس کا تنہر سعدیہ کو سخت ناگوار گزرا۔

خیر یہ تو نہ کہو کہ وہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتے اگر تم اپنے دماغ کو ساتویں آسان سے نیچے اتار کر سوچو تو تمہیں شجاع بھائی کے پاس وہ سب کچھ نظر آئے گا جس کی کوئی بھی لڑکی تمنا کر سکتی ہے۔

میں کیوں نیچے اتروں جسے میری تمنا ہے اسے میری سوچ تک آنا ہوگا اور میں سمجھتی ہوں شجاع تو کبھی بھی اتنی اونچائی تک نہیں پہنچ سکتا۔

وہ اتنی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے بولی کہ سعدیہ کا دل چاہا پہلے اسے اپنے گریبان

میں جھانکنے کو کہے لیکن نامناسب خیال کرتی ہوئی خاموش ہو رہی اور قدرے توقف سے وہ کہنے لگی۔

میرا خیال ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ شجاع بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس جیسے کتنے پروپوزلز میں رجحیکٹ کر چکی ہوں، ہے ناں۔۔۔۔

سعدیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ اس کا کندھا ہلا کر بولی سو گئیں۔۔۔۔۔؟
ہوں۔۔۔۔۔ سعدیہ نے قصد ایسی آواز نکالی۔ جیسے سورہی ہو پھر کروٹ ہی بدل لی تو نئے سرے سے اس کی باتوں پر غور کرنے کے بعد گزرے ماہ و سال پر نظر ڈالنے لگی لیکن اسے کوئی ایسا لمحہ یاد نہ آیا جب اس نے شجاع کو اپنی طرف مائل محسوس کیا ہو تب اس نے سوچا سعدیہ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے اور اگر نہیں تو شجاع کی پیش رفت سے پہلے وہ اس پر اس کی حیثیت واضح کر دے گی، گویا اس کے نزدیک محبت و چاہت کی کوئی اہمیت نہیں تھی، دوسرے لفظوں میں اسے مادہ پرست کہا جاسکتا تھا۔

☆.....☆.....

اس وقت اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا کیونکہ اچانک ابر چھا جانے سے موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چھٹی لیکر گھر چلی جائے، کچھ دیر بعد اس نے فائلیں سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں اور باس کے کمرے میں جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ شجاع کا فون آ گیا، اس کی آواز سننے ہی کہنے لگا۔

ثانیہ! ذرا باہر نظر ڈالو، کیا غضب کا موسم ہے۔

ہاں دیکھ رہی ہوں۔

پھر کیا پروگرام ہے؟ شجاع نے شوق سے پوچھا۔

سوچ رہی ہوں، چھٹی لیکر گھر چلی جاؤں۔

گھر جا کر کیا کرو گی؟

پھر۔۔۔۔۔؟

بس تم چھٹی لیکر باہر نکلو، میں آ رہا ہوں پھر ساحل پر چلیں گے۔

اس نے کہا تو وہ خوش ہو کر بے اختیار چیخی۔

واقعی۔ پھر گھبرا کر فون رکھ دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شکر ہے کوئی متوجہ نہیں تھا تب اٹھ کر باس کے کمرے میں گئی اور ان سے چھٹی لیکر باہر نکل آئی۔ تقریباً پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد اسے شجاع کی بایک نظر آئی اور جیسے ہی اس نے قریب آ کر بایک روکی وہ اچک کر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

مجھے آنے میں زیادہ دیر تو نہیں ہوئی، شجاع نے بایک آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا تو وہ لا پرواہی سے بولی۔

پتہ نہیں میں خود ابھی آفس سے نکلی ہوں۔

تھینکس گاڈورنہ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو۔

اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر میں ناراض نہیں ہوتی۔

مجھے پتہ ہے۔۔۔۔۔ وہ جتنا کرہنسا اور اسپنڈ بڑھا دی۔

ساحل پر کافی رونق تھی غالباً ویک اینڈ کے باعث۔ وہ بس دوری سے سمندر کا نظارہ کرتی رہی، شجاع نے بہت کہا تھوڑی دور گیلی ریت پر چلو لیکن وہ تیار نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں کس موڈ میں تھی، سی ویو بنے ریستوران میں سنگی بچہ پر جبر سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ مجبوراً اسے بھی بیٹھنا پڑا اور نہ چاہتا تھا اس کے ساتھ لہروں کا تعاقب کرنا ہوا بہت دور نکل جائے۔

اچھا لگ رہا ہے ناں۔۔۔۔۔؟ وہ اسے خود کچھ کر پوچھنے لگا اور وہ چونک کر بولی۔

کیا۔۔۔۔۔؟

میرا ساتھ۔۔۔۔۔ شریہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا تو پہلے اس نے کچھ حیران ہو کر دیکھا پھر یقین سے بولی۔

میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں بلکہ میں تو سرے سے یہاں ہوں ہی نہیں۔۔۔۔۔

پھر۔۔۔۔۔؟ وہ اس سے زیادہ حیران ہوا۔

میں اپنی ہی دنیا میں بھٹک رہی ہوں جہاں سارے خوبصورت موسم ایک ساتھ اترتے ہیں اور وسیع لان میں میں تیلی کی مانند اڑتی پھر رہی ہوں، وہ لہروں کو دیکھتی ہوئی پھر اپنے خیال میں کھو کر بولی۔

سنو تمہاری دنیا میں کہیں میں بھی ہوں، وہ بڑی آس سے پوچھنے لگا اور وہ بڑی بے رحمی سے اس کی آس نہ دے گئی۔

نہیں۔

کیوں خود پر ظلم کر رہی ہو ثانیہ، جو تم سوچتی ہو وہ تمہیں نہیں مل سکتا۔ وہ اس کی بے رحمی پر سلگ کر چیخا۔

کیوں، کیوں نہیں مل سکتا۔ میری خواہشیں انہونی تو نہیں ہیں، وہ بھی تنگ کر بولی۔
انہونی بے شک نہیں ہیں لیکن ان خواہشوں نے تمہیں اتنا خود غرض بنا دیا ہے کہ تمہیں کسی کا احساس ہی نہیں رہا۔ جگہ گاڑیاں، نوکر چاکر، دولت کی فراوانی کیا یہ سب میری محبت سے زیادہ اہم ہے۔

محبت۔۔۔۔۔ وہ طنزیہ ہنسی۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟
ہاں اور بہت بڑے دعوے نہیں کروں گا لیکن تمہیں خوشیوں سے بھرپور زندگی دینے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔

خوشیوں سے بھرپور۔۔۔ اس کا اندازہ ہو رہا تھا۔
نہیں شجاع! میرا خیال ہے تم میری ایک خوشی بھی پوری نہیں کر سکتے اور میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ میرا خیال چھوڑ دو کیونکہ ہمارے راستے بالکل الگ ہیں۔

راستے الگ نہیں ہیں ثانیہ، تم نے۔۔۔۔۔
بس مجھے قائل کرنے کی کوشش مت کر، وہ ٹوکتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے ہی مڑی سگریٹ کے بے تحاشا دھوئیں نے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر دیں۔
لاحول ولا۔۔۔ وہ بے حد جھنجھلائی اور سانس روک کر آگے آئی تو سگریٹ پینے والے کو باقاعدہ گالیاں دینے لگی۔

کیا ہوا۔۔۔۔۔؟ شجاع کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ کس پر ناراض ہو رہی ہے۔
ارے ذرا تمیز نہیں ہے، راستے میں کھڑے دھواں چھوڑتے ہیں۔ وہ تو اچھا ہوا میں نے سانس روک لیا۔ وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی تو شجاع نے پلٹ کر پیچھے دیکھا پھر اسے لنگر وہاں سے نکل آیا۔

آئیں کریم کھاؤ گی؟
نہیں، بس اب گھر چلو، یہ کہ ہاتھ کی چائے پیئیں گے۔ وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسی پھر اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھی تو قریب کھڑی گاڑی کو دیکھ کر کہنے لگی کیا شاندار گاڑی ہے۔

شجاع نے ایک جھلکے سے بایک آگے بڑھادی تو وہ زور سے ہنس پڑی اور کچھ دیر بعد اسی گاڑی کو آگے دیکھ کر اسے چڑانے کی خاطر کہنے لگی۔

سنو میں خوابوں کے پیچھے نہیں بھاگ رہی بلکہ خواب میرے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں، وہ پہلے سمجھا نہیں مر میں گاڑی پر نظر پڑی تو تاسف سے بولا۔

یہ ہیں تمہارے خواب۔۔۔۔

خوابوں کی ایک جھلک۔۔۔۔

وہ اس کے کندھے کے اوپر سے مر میں دیکھ رہی تھی، مسکرا کر بولی تو اس نے یہ سوچ کر بایک کی اسپید کم کردی کہ گاڑی آگے نکل جائے گی تب وہ اس کے پیچھے بایک دوڑاتا ہوا کہے گا کہ اب تم خوابوں کے پیچھے بھاگ رہی ہو لیکن گاڑی والا جانے کس موڑ میں تھا، اس کی اسپید کیساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ جتنا اندر رہی اندر جھنجھار رہا تھا، وہ اسی قدر محفوظ ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....

رات میں اس نے مزے لیکر سعدیہ کو یہ واقعہ سنایا اور شجاع کی خجالت بتاتے ہوئے تو ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا آخر میں کہنے لگی۔

بیچارہ سارا وقت گاڑی کو راستہ دینے میں لگا رہا لیکن گاڑی والے نے بھی جیسے اس کے ساتھ ضد باندھ لی تھی۔

ہوگا کوئی لوفر۔۔۔۔ سعدیہ کو اس کا شجاع پر ہنسنا بالکل اچھا نہیں لگا، جیسی بے نیازی سے کہہ کر بات ختم کرنی چاہی۔

لوفر ہو یا کوئی بھی، میں بہر حال اسکی ممنون ہوں۔

ممنون۔۔۔۔ سعدیہ نے اسے تاسف سے دیکھا پھر بھی وہ دھڑلے سے بولی۔

بالکل ورنہ اس وقت اس وقت میرے بجائے شجاع ہنس رہا ہوتا اور اس وقت تم بھی اس کے ساتھ مل جاتیں، وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی جیسی سعدیہ نے خاموشی اختیار کر لی۔

☆.....☆.....

پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اس روز آفس سے واپسی پر جب وہ بس کے انتظار میں کھڑی تھی وہی گاڑی اس کے قریب آن رکی۔ اس نے پہلے شوق سے دیکھا پھر کچھ

ٹھٹھک کر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی کہ ڈرائیونگ پر بیٹھے شخص نے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا اور جھک کر اسے دیکھتا ہوا بولا۔

آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں، وہ ان سنی کر کے دوسری طرف دیکھنے لگی، تب وہ اتر کر اس کے پاس آ گیا۔

میں آپ سے مخاطب ہوں مس ثانیہ۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔ وہ اچھل پڑی آپ کو میرا نام کیسے معلوم؟

صرف نام میں پورا بایوڈیٹا سکتا ہوں، اس کے یقین سے کہنے پر وہ جزبہ ہو کر بولی۔

لیکن میں آپ کو نہیں جانتی۔

میں فراز علی ہوں، باقی تفصیل راستے میں۔ وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ وہ اس کا اشارہ نظر انداز کر کے اپنے ذہن کو کھنگالنے میں لگ گئی، یہ نام کہیں نہیں تھا نہ ہی اس کی صورت جانی پہچانی تھی، وہ الجھنے لگی کہ آخر وہ اسے کیونکر جانتا ہے۔

دیکھیں سب لوگ متوجہ ہو رہے ہیں، راستے میں آرام سے میرے بارے میں سوچتی رہنے گا، وہ اسے الجھتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔

مجھے کیا ضرورت ہے آپ کے بارے میں سوچنے کی، وہ پیشانی پر ہل ڈال کر بولی۔

چلیں، یہ کام بھی میں کر لوں گا، آپ بیٹھیں تو۔۔۔۔۔

اس نے کہا تو وہ شش و پنج میں مبتلا ہو کر گاڑی کو دیکھنے لگی۔ زیرو میٹر مرسیڈز میں بڑی کشش تھی، اس کیلئے پھر بھی وہ خاصی محتاط کھڑی تھی، تب وہ جیسے زچ ہو کر بولا۔

آپ بے شک میرا اعتبار نہ کریں، اپنے آپ پر تو اعتبار ہونا چاہئے، کیا آپ کو۔۔۔۔۔

وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بیٹھ گئی۔ اور جیسے ہی اس نے آ کر گاڑی اشارت کی پوچھنے لگی۔

آپ کیسے جانتے ہیں مجھے۔۔۔۔۔؟

اس فرم میں جہاں آپ جاب کرتی ہیں، میرے شیئرز ہیں اور عنقریب ہم شراکت سے ایک نیا پروجیکٹ شروع کرنے والے ہیں، اسی سلسل میں میرا اکثر یہاں آنا ہوتا ہے۔

اس نے بتایا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

لیکن میں نے تو کبھی آپ کو آفس آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس میں قصور کس کا ہوا میرا۔۔۔؟ وہ اسے دیکھ کر دلکشی سے مسکرایا پھر آہ بھر کر کہنے

لگا ہا ہا، میں تو اب تک خاصا خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ آپ میری منتظر رہتی ہوں گی لیکن آپ نے تو سرے سے مجھے قابل اعتبار ہی نہیں سمجھا، یعنی اس قدر گیا گزرا ہوں میں۔

نہیں خیر اتنے۔۔۔۔ وہ فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی، گاڑی جانے کن راستوں پر دوڑ رہی تھی اسے جب احساس ہوا تو فوراً پوچھنے لگی۔

یہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔۔۔۔؟

آپ کو کہاں جانا ہے۔۔۔۔؟ وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا وہ جتنا کر بولی۔

کیوں آپ کو نہیں معلوم آپ تو میرا پورا بانیوڈنا جانتے ہیں۔ وہ محظوظ سے انداز میں اثبات میں سر ہلا کر ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

بہت ذہین ہیں آپ، بہر حال مجھے اپنے گھر میں بس دو منٹ کا کام ہے، اس کے بعد میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگا آپ کو جلدی تو نہیں ہے۔۔۔؟

نہیں۔۔۔۔ وہ خوبصورت اور وسیع رقبوں پر بنے جنگلوں کو اشتیاق سے دیکھتی ہوئی بولی اور جس بیگلے کے سامنے اس نے گاڑی روکی اسے دیکھ کر تو اس کا سانس رکنے لگا۔

بس دو منٹ۔۔۔۔ وہ کہتا ہوا اتر کر اندر چلا گیا تو اس کے پیچھے سے کھلے گیٹ سے

اندر نظریں دوڑاتے ہوئے اسے لگا جیسے قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی ہے، یہی اس کی

منزل ہے۔ اس کے خوابوں کی تعبیر۔۔۔۔ وہ اس قدر مگن تھی کہ اس کے آنے کا پتہ ہی نہیں

چلا، اس کی آواز پر چونکی وہ گاڑی اشارت کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔

سوری دو سے چار منٹ ہو گئے، وہ کچھ نہیں بولی اور پہلی بار اسے غور سے دیکھا، اس کے

بعد جانے کن سوچوں میں گم ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....

تیسری ملاقات میں ہی جب فراز علی نے اسے پروپوز کیا تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت

ترین لڑکی سمجھنے لگی پھر بھی اس کے سامنے بہت ضبط کا مظاہرہ کر گئی یعنی کوئی خاص تاثر نہیں دیا

لیکن گھر آتے ہی سعدیہ کو کندھوں سے تھام کر پہلے دو تین چکر دیئے پھر دونوں بازو دائیں

بائیں پھیلا کر بولی۔

سب کچھ میری جھولی میں آن گرا ہے خود بخود۔

سعدیہ نے خود کو سنبھال کر اسے دیکھا، خوشی سے دھکتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ گردن اکڑائے کھڑی تھی۔

سب کچھ کی وضاحت کرو گی۔۔۔۔؟ سعدیہ نے بغیر دلچسپی کے کہا۔

وہی سب کچھ جو میں نے چاہا، بگلہ گاڑیاں، نوکر چاکر وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ اس کے شاہانہ انداز پر سعدیہ قصد انجان بن کر بولی۔

یہ سب تمہاری جھولی میں کیسے سا سکتا ہے۔

پاگل ہو تم۔۔۔۔ وہ چڑگئی، اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ میرا کہنے کا مطلب کیا ہے۔

کیا، کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔۔؟

یعنی یہ سب کچھ مجھے حاصل ہو رہا ہے، بغیر کسی تردد کے، وہ امیر کبیر شخص فراز علی ہے ناں اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔

اس نے بتا کر یوں سعدیہ کو دیکھا جیسے خود اس نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو اور اب داد چاہ رہی ہو جبکہ سعدیہ کے منہ سے چیخ نما آواز نکلی۔

کیا۔۔۔۔؟ پھر ایک دم اپنی آواز پر قابو پا کر سوچنے لگی، تمہارا مطلب ہے وہ فراز علی جو اس دن تمہیں ڈراپ کر گیا تھا۔

ہاں وہی۔۔۔۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

لیکن ثانیہ! اتنی جلدی، میرا مطلب ہے ایک ہی ملاقات میں انہوں نے تم سے شادی کا فیصلہ بھی کر لیا اور تم، تمہارے خیال میں کیا یہ مناسب ہے؟

اس میں نامناسب کیا ہے۔۔۔۔؟ وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔ انداز خاصا ٹیکھا تھا، جس سے سعدیہ سمجھ گئی کہ وہ اس سلسلے میں کوئی اعتراض سننا ہی نہیں چاہتی، جب ہی کچھ رک کر بولی۔

نامناسب تو خیر کچھ نہیں، بس یہ ہے کہ فراز علی کم سے کم دس سال ضرور تم سے بڑے ہوں گے۔

بارہ سال۔۔۔۔۔ وہ بڑے آرام سے بولی تو سعدیہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر

پوچھنے لگی۔

شادی شدہ ہیں۔۔۔۔۔؟

نہیں اور تمہارے اگلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جس لڑکی سے محبت کرتے تھے اس سے شادی نہیں ہو سکی اور اس کے سوگ میں اتنے سال گنوا دیئے ورنہ اب تک چار بچوں کے باپ ہوتے۔ اس نے از خود سعدیہ کا سوال جان کر اس قدر لاپرواہی سے جواب دیا کہ سعدیہ تعجب سے پوچھنے لگی۔

تمہارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں؟

میرے نزدیک اہم یہ ہے کہ وہ میری ہر خواہش پوری کر سکتے ہیں اور بس۔۔۔۔۔ مجھے انکی گزشتہ زندگی سے کوئی سروکار نہیں، سب ہی ناکام عشق کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بیچ پر بیٹھی دلہن سے پہلا جملہ یہی بولتے ہیں کہ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔۔۔۔۔؟

آخر میں وہ محظوظ ہو کر خود ہی ہنسی اور سعدیہ بھی بے اختیار ہنس پڑی۔

بھئی واہ یہاں تو بڑا خوشگوار ماحول ہے، شجاع نے اندر آتے ہوئے کہا تو اس نے فوراً سعدیہ کو اشارے سے کچھ بھی بتانے سے منع کیا پھر شجاع کو دیکھ کر کہنے لگی۔

ہمارے ہاں اکثر ماحول خوشگوار ہی رہتا ہے، بس کبھی کبھار وہ بھی دوسروں کی مداخلت اثر انداز ہوتی ہے۔

تمہارا اشارہ اگر میری طرف ہے تو میں چلا جتا ہوں۔

ارے نہیں شچی بھائی۔۔۔۔۔ سعدیہ فوراً بول پڑی۔ آپ کوئی دوسرے تھوڑی ہیں۔

یہ تو تمہاری محبت ہے سعدیہ جو تم مجھے اپنا سمجھتی ہو ورنہ ثانیہ کا بس نہیں چلتا، میرا یہاں داخلہ بند کروادے۔ وہ سعدیہ کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔

دیکھا، میں نے غلط تو نہیں کہا۔ اچھا خاصا موڈ خراب کر دیتا ہے یہ اب اس سے پوچھو میں کیوں اسکا داخلہ بند کراؤں گی بلکہ اسے بتا دو کہ مجھے اس کے آنے نہ آنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

وہ کہتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تو شجاع اپنی جگہ چورسا بن گیا جبکہ سعدیہ تا صرف شیشا گئی بلکہ نادم ہو کر بولی۔

سوری شچی بھائی یہ تو بس یونہی ہر وقت لڑنے کو تیار رہتی ہے۔

مجھے پتہ ہے اور میں اس کی کسی بات کا برا نہیں مانتا۔

اس نے سعدیہ کی ندامت دور کرنے کی خاطر ہنس کر کہا اور پھر اپنی بات سچ ثابت کرنے کیلئے اسے کتنی دیر وہاں بیٹھنا پڑا تھا اور نہ دل تو چاہ رہا تھا کہ فوراً اٹھ کر چلا جائے۔

.....☆.....☆.....

پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ فراز علی نے اس کیلئے باقاعدہ پیغام بھیج دیا، ان کے والدین حیات نہیں تھے، بس ایک بڑی بہن تھیں۔ وہ اپنے میاں کے ساتھ آئیں اور پہلی ہی بار میں اسے انگلی پیہنانے کے ساتھ شادی کی تاریخ رکھنے پر اصرار کرنے لگیں، اس وقت امی خود کو کافی بے بس محسوس کر رہی تھی، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں کیونکہ سعدیہ کے ذریعے وہ ان سے کھلوا چکی تھی کہ اس رشتے سے انکار نہ کریں اور امی ابو نے انکار تو نہیں کیا پھر بھی انہیں کچھ وقت چاہئے تھا۔ یعنی فراز علی کے بارے میں وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی بہن ہتھیلی پر برسوں جمائے بیٹھی تھیں۔

والدین کے انتقال کے بعد فراز بالکل اکیلا رہ گیا ہے، اب خدا خدا کر کے شادی پر آمادہ ہوا ہے، اس کا گھر بس جائے تو میں اطمینان سے ہو جاؤں گی، بس آپ کوئی قریبی تاریخ دے دیں۔

ان کی ہر بات اسی جملے پر ختم ہو رہی تھی، آخر امی کو کہنا پڑا۔
تیاری میں کچھ وقت تو لگے گا۔

نہیں ہمیں کچھ نہیں چاہئے، اللہ کا دیا فراز کے پاس سب کچھ ہے اور اس نے خاص طور سے کہا ہے کہ آپ کسی قسم کا کوئی تردد نہ کریں۔

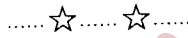
پھر بھی ہم اپنی خوشی تو ضرور پوری کریں گے، ماشاء اللہ خاصا بڑا خاندان ہے ہمارا اور ثانیہ کے تایا، ماموں وغیرہ سے مشورے کے بعد ہی ہم شادی کی تاریخ رکھ سکیں گے۔

امی کو اچانک جواب سوچ گیا اور پھر انہوں نے یوں ظاہر کیا جیسے تایا، ماموں سے مشورے کے بغیر وہ کوئی قدم نہیں اٹھا سکتیں۔ اس موقع پر ابو نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تب کہیں جا کر فراز علی کی بہن نے اصرار چھوڑا اور نہ بعد تھیں کہ اسی وقت تاریخ لیکر جائیں گی، بہر حال ان کے جانے کے بعد جہاں امی نے اطمینان کا سانس لیا وہاں یہ خدشہ کہ آخر وہ شادی کی اتنی جلدی کیوں کر رہی تھیں۔

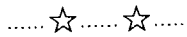
کیوں کیا امی کو میری شادی کی جلدی نہیں تھی۔ سعدیہ کی زبانی امی کا خدشہ سن کر وہ تنک کر بولی۔ جب میں انٹر میں تھی اس وقت سے جب کوئی رشتہ آتا امی ہاں بھرنے کو تیار ہوتیں ان کا بس نہیں چلا ورنہ کب کی مجھ سے فارغ ہو چکی ہوتیں۔

خیر یہ کوئی اچھبے کی بات تو نہیں ہے، دوسو سے گھیرتے ہی ہیں اور ایسی صورت میں کہ فراز علی بالکل غیر اور انجان شخص ہیں، سعدیہ نے دھیرج سے کہا تو وہ بے نیازی سے بولی۔

میرے لئے وہ انجان نہیں ہیں۔۔۔۔۔ سعدیہ نے حیرت سے اسے دیکھا اور قصداً خاموشی اختیار کر لی۔



پھر ابو اپنے طور پر فراز علی کی جو چھان بین کر سکتے تھے انہوں نے کی اور حقیقتاً انہیں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوئی جو ان کے دل میں ذرا سی بھی کھٹک بیدار کرتی بلکہ بہت مطمئن ہو کر انہوں نے ایک ماہ بعد کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ اس کے ساتھ ہی گھر میں شادی کی تیاری شروع ہو گئی لیکن اس کی ساری دلچسپی اس گھر سے زیادہ فراز علی کے گھر میں ہونے والی تیاریوں میں تھی، روزانہ شام میں فراز اسے اپنے ساتھ لے جاتے اور شہر کی مہنگی ترین دکانوں سے اس کیلئے قیمتی چیزیں خریدتے اور ظاہر ہے ان کے مقابلے میں اپنے ہاں کی چیزیں کہاں اس کی نظر میں سما سکتی تھیں۔ امی اور سعدیہ کی ہوئی شاپنگ اور ان کے اشتیاق سے پوچھنے پر سرسری انداز میں دیکھ کر نخوت سے کہتی ”ہاں ٹھیک ہے“ سعدیہ کو اس کا یہ انداز سخت برا لگتا تھا لیکن اب کیونکہ وہ کچھ دنوں کی مہمان تھی اس لئے بڑے محل سے برداشت کر رہی تھی۔



اس وقت وہ بہت اہتمام سے تیار ہو کر فراز علی کا انتظار کر رہی تھی جب سعدیہ نے بظاہر مذاق میں کہہ دیا۔

میرا خیال ہے ٹائید اب تمہیں فراز بھائی سے پردہ کرنا چاہئے۔

کیوں۔۔۔۔۔؟ وہ تجھی نظروں سے دیکھنے لگی۔

اس لئے کہ شادی میں بس کچھ ہی دن رہ گئے ہیں۔

بس رہنے دو یہ ٹڈل کلاس والوں کی باتیں اگر فراز نے سن لیا تو بہت مذاق اڑائیں

گے۔

اس نے ناگواری سے سعدیہ کو ٹوک دیا، تبھی فراز کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ گیٹ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

فراز آگئے، امی سے کہہ دو میں جا رہی ہوں۔

پہلے انہیں اندر تو آنے دو چائے وغیرہ۔

اس نے سعدیہ کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور باہر نکل آئی، فراز نے اسے دیکھتے ہی گاڑی کا دروازہ کھول دیا تو بیٹھنے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا کہ شاید سعدیہ گیٹ تک آئی ہو لیکن وہ نہیں تھی، تب اپنے آپ میں کچھ شرمندہ سی ہو کر بیٹھ گئی۔

فراز نے کل ہی اس سے کہا تھا کہ آج وہ اسے اپنے بنگلے پر لے جائیں گے تاکہ وہ سیٹنگ وغیرہ دیکھ لے اور اگر تبدیلی کروانا چاہے گی تو وہ اس کی پسند کے مطابق تبدیلی کروا دیں گے اور وہ بہت خوش تھی لیکن ظاہر کچھ لا پرواہ سی بنی رہی البتہ بنگلے میں داخل ہوتے ہی وہ بالکل بے اختیار ہو گئی، خوش رنگ پھولوں سے سجا وسیع لان دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور بے اختیار کہہ گئی۔

میرے خوابوں کی حسین تعبیر، فراز علی اس کی دیوانگی سے قصد انظریں چرا کر آگے بڑھ گئے تو قدرے توقف سے احساس ہونے پر وہ تیز قدموں سے ان کے پیچھے چلی آئی اور اندر آ کر وہ پھر خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔

میری ہمیشہ سے یہی تمنا تھی اتنا بڑا گھر، ویل ڈیکور، ہڈ اور مجھے یقین تھا میری خواہش ضرور پوری ہوگی، جبکہ باقی سب میرا مذاق اڑاتے تھے۔

مذاق کیوں اڑاتے تھے فراز علی نے اس کے دکتے چہرے پر نظر ڈال کر پوچھا۔

شاید اس سے ان کا مقصد میرے دل سے اس خواہش کو مٹانا تھا لیکن میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ ہرگز کسی ایرے غیرے سے شادی نہیں کروں گی، اس کا سارا دھیان امپورٹڈ ڈیکوریشن پیسر کی طرف تھا۔

اچھا، وہ ذرا سانسے پھر پوچھنے لگے اور اگر ہماری ملاقات نہ ہوتی تب؟

تب بھی میرا فیصلہ نہیں بدل سکتا تھا، میں انتظار کرتی۔

کس کا میرا۔۔۔۔

جس طرح انہوں نے چونک کر پوچھا، وہ بھی چونک کر دیکھنے لگی پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنسی کے درمیان بولی۔

جی آپ کا، وہ کچھ دیر اس کی ہنسی کی جلت رنگ سنتے رہے پھر موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگے۔

تمہیں یہ سب ٹھیک لگ رہا ہے یا کوئی تبدیلی چاہتی ہو۔
فی الحال سب ٹھیک بلکہ بہت اچھا ہے پھر کبھی موڈ بدلا تو پتنگ بھی بدل دیں گے اس نے کہا تو وہ ذرا سے کندھے اچکا کر رہ گئے۔

سنو کیا سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں واپسی میں وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔ تمہاری طرح خواب دیکھنے والی۔

ہاں لیکن تعبیر ہر ایک کو نہیں ملتی، اس نے اعتراف کے ساتھ گردن اکڑائی۔

اور جنہیں نہیں ملتی ان کا کیا قصور ہوتا ہے؟

وہ بزدل ہوتے ہیں یا پھر جلد باز، انتظار نہیں کرتے یا پھر۔۔۔۔۔ مجھے نہیں پتہ۔

وہ آخر میں جھنجھلا گئی تو وہ اسے دیکھ کر ذرا سا ہنسے لیکن کچھ کہا نہیں پھر اسے گھر کے سامنے اتار کر جانے لگے کہ وہ روک کر بولی۔

اندر چلیں ناں، سعدیہ آپ کو بہت اچھی چائے پلائے گی۔

کیوں تمہیں چائے بنانی نہیں آتی؟

آتی ہے لیکن بناؤں گی نہیں کیونکہ مجھے کچن کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اس نے فخریہ بتایا اور انہیں اندر آنے پر آمادہ نہ دیکھ کر خدا حافظ کہتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی لاؤنج میں عرفان کے ساتھ شجاع کو دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں جاتے جاتے پلٹ کر انہی کے پاس آ بیٹھی۔

کیسے ہو شجاع؟ اس کے پوچھنے پر وہ متوجہ ہوا اور مسکرا کر بولا۔

تم سناؤ کہاں سے آرہی ہو؟ وہ ابھی جواب دینا چاہتی تھی کہ سعدیہ چائے لیکر آ گئی اور اسے دیکھ کر کچھ تعجب سے بولی۔

ہائیں! تم نے فراز بھائی کو باہر ہی سے رخصت کر دیا۔

کہاں تھا میں نے کہ تمہارے ہاتھ کی چائے پی کر جائیں لیکن وہ چلے گئے۔

اس نے بے نیازی سے کہہ کر ٹرے میں سے چائے کا ایک گ اٹھا لیا تو اس کی ڈھٹائی پر عرفان ٹوکتا ہوا بولا۔
دیکھو جب سعدیہ چائے بنانے گئی تھی اس وقت تم یہاں موجود نہیں تھیں اس لئے یہ چائے واپس رکھ دو۔

کیوں تم اگر نہیں پیو گے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔
اس نے مروتا بھی عرفان کا خیال نہیں کیا بلکہ فوراً گ ہونٹوں سے لگا لیا تب سعدیہ اپنا گ اس کے سامنے رکھتی ہوئی بولی۔
تم یہ لوعرفان میں اور بنا لوں گی۔
نہیں بس میں اب جا رہا ہوں۔

عرفان اپنی کتابیں اٹھا کر باہر نکل گیا تو کچھ دیر کیلئے خاموشی چھا گئی پھر سعدیہ محض اس خیال سے کہ کہیں اب وہ شجاع کو بھی ناراض نہ کر دے اس کا پسندیدہ موضوع چھیڑتے ہوئے پوچھنے لگی۔

آج کیا شاپنگ کی تم نے؟ اور وہ جیسے انتظار میں تھی فوراً کہنے لگی۔
آج کوئی شاپنگ نہیں کی اصل میں فراز بہت دنوں سے اصرار کر رہے تھے کہ میں ان کا بنگلہ دیکھ لوں۔

پھر وہ خاص طور سے شجاع کو سنا کر کہنے لگی۔
مجھے یقین نہیں آ رہا سعدیہ کہ میں واقعی اتنی خوش قسمت ہوں اتنا بڑا گھر جس کی سجاوٹ دیکھ کر تو میں دنگ رہ گئی اس پر بھی فراز کہہ رہے تھے کہ کسی چیز کی کمی ہو تو بتاؤ۔
سعدیہ نے کچھ پریشان ہو کر شجاع کو دیکھا جس کا اندرونی اضطراب اس کے چہرے پر ظاہر ہو رہا تھا اور وہ محسوس کرنے کے باوجود براہ راست اسے خطاب کر کے بولی۔
شجاع! اب ذرا میری آنکھوں میں دیکھو اس نے چونک کر دیکھا تو کہنے لگی۔
بھئیگی تو نہیں ہوئیں البتہ خوابوں کو زندگی ملنے پر روشن ضرور ہو گئی ہوں گی ہیں ناں۔
وہ افسردگی سے مسکرایا اور دھیرے دھیرے اثبات میں سر ہلانے لگا تو وہ کھلکھلا کر

کم از کم مبارکباد ہی دے دو۔

ضروروں کا لیکن اس وقت جب میں تمہیں بہت خوش دیکھوں گا، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
کیوں ابھی میں تمہیں خوش نظر نہیں آ رہی۔ اس نے تنک کر پوچھا لیکن وہ ان سنی کرتا
ہوا چلا گیا تب وہ سعدیہ کو دیکھ کر بولی۔

جل گیا۔

جی نہیں وہ کیوں جلنے لگے۔

سعدیہ ناگواری سے کہہ کر چائے کے خالی مگ ٹرے میں رکھنے لگی پھر اسے دیکھ کر

بولی۔

شچی بھائی کا دل بہت بڑا ہے پتہ ہے ابھی تمہارے آنے سے پہلے وہ یہی بات کر
رہے تھے کہ تم بہت لگی ہو اور اس پر خوشی کا اظہار بھی کر رہے تھے۔

اچھا۔۔۔ اس کی ہنسی میں مسخر تھا، تب سعدیہ ٹرے اٹھا کر چلی گئی۔

☆.....☆.....

رات کو جب وہ سونے کیلئے لیٹی تب بھی اس کا دھیان فراز علی کے گھر کی طرف تھا،
کبھی وہ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ سوچتی، کبھی لاؤنج، کبھی لان اور کبھی بیڈ روم۔ اتنی نفاست
اتنی خوبصورتی، اس کے تصور سے بڑھ کر تھی۔ جب سعدیہ آ کر اپنی جگہ پر لیٹی تب وہ اپنے
خیال سے نکل کر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

تمہارے کام ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

تمہاری شادی تک تو کام بڑھتے ہی جائیں گے اسی لئے میں نے فرح کو بلوایا ہے وہ
آجائے گی تو سہولت ہو جائے گی۔

کب آنے کو کہا ہے اس نے؟ وہ سعدیہ کی طرف کروٹ بدل کر پوچھنے لگی۔

وہ تو آنے کو تیار ہے اب دیکھو شچی بھائی کب لے کر آتے ہیں۔

ہاں شجاع کا اپنا دل چاہے گا تو ابھی لے آئے گا اور اگر ہم کہیں گے تو۔

نہیں خیر ابھی تو شچی بھائی کو پتہ ہے کہ ہم صرف محبت میں اسے نہیں بلارہے بلکہ

ضرورتاً بلارہے ہیں اور شام میں مجھ سے وعدہ بھی کر گئے۔

پھر تو ضرور لے آئے گا کیونکہ شجاع میں کوئی اور خوبی ہونہ ہو وعدہ ضرور نبھاتا ہے۔

چلو تمہیں کسی ایک خوبی کا اعتراف تو کیا، اس کی بات پر وہ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گئی

پھر غالباً اپنی صفائی پیش کرنے کے خیال سے کہنے لگی۔
 دیکھو سعدیہ! میرا شجاع سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، میں اس کی بہت قدر کرتی ہوں، وہ
 بہت مخلص اور ایماندار ہے۔
 پھر تم نے ان کی محبت کو کیوں ٹھکرایا۔ سعدیہ کے فوراً پوچھنے پر وہ گہری سانس کھینچ کر
 بولی۔

اب میں تمہاری اس بات کا کیا جواب دوں۔
 شاید تمہارے پاس جواب نہیں ہے۔
 ہے لیکن میرا جواب تمہیں مطمئن نہیں کرے گا، اس لئے اس بات کو یہیں ختم کر دو اور
 آئندہ کبھی میرے سامنے اس کی یکطرفہ محبت کا ذکر مت کرنا۔
 اس کے لہجے کی تنبیہ نے سعدیہ کو خاموش کر دیا اور قدرے توقف سے وہ خود ہی
 کہنے لگی۔

میں اپنی زندگی جینا چاہتی ہوں، شجاع کی محبت قبول کر کے کیا ملتا مجھے اور سچ تو یہ ہے
 سعدیہ کہ محبت خود فریبی کا دوسرا نام ہے، اندر سکتی ہوئی خواہشوں پر یہ کہہ کر مرہم رکھا جاتا
 ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے، بتاؤ یہ خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے۔
 اپنی اپنی سوچ ہے، تم اگر ایسا سمجھتی ہو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔
 سعدیہ نے خود کو اختلاف سے روکنے کی خاطر دامن بچایا لیکن وہ پوچھنے لگی۔
 اور تم کیا سمجھتی ہو؟

اس کائنات کی سب سے خوبصورت اور اعلیٰ حقیقت محبت اور صرف محبت ہے۔ مجھے
 اگر محبت حاصل ہو جائے تو اس کیلئے میں ساری دنیا چھوڑ سکتی ہوں لیکن ساری دنیا کیلئے محبت
 نہیں چھوڑ سکتی۔

سعدیہ نے صاف گوئی اور سادگی سے اپنا خیال بتایا تو وہ بیزار سے بولی۔
 وہی اسی فیصلہ لڑکیوں والی سوچ۔

یونہی سہی کیوں تم بتاؤ کیا تمہیں فراز بھائی سے محبت نہیں ہے؟

سعدیہ نے اچانک جیسے اسے کٹہرے میں لاکھڑا کیا۔

وہ حیران ہو گئی لیکن لا جواب ہونے والوں میں سے نہیں تھی، فوراً سنبھل کر بولی۔

محبت بھی میں نے سوچ سمجھ کر کی ہے۔

سوچ سمجھ کر محبت نہیں ہوتی۔

یہ تمہارا خیال ہے وہ کہہ کر کروٹ بدل گئی کیونکہ اب واقعی لا جواب ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....

پھر چند دن جیسے پر لگا کر اڑے وہ سب کچھ پالینے کے احساس سے سرشار باہل کی دلہیز چھوڑ آئی۔

لاؤنج تک فراز علی اس کے ساتھ ساتھ تھے اس کے بعد پتہ نہیں کہاں چلے گئے ان کی بہن اسے جلد عروسی میں لیکر آئیں اور آرام سے بٹھانے کے بعد کہنے لگیں۔

چلو بھئی اب میرا کام ختم بہت اطمینان ہو گیا ہے مجھے۔

فراز اکیلا تھا وہ ہر وقت اس کی فکر رہتی تھی حالانکہ نوکر چا کر سب موجود ہیں اور وہ کوئی بچہ بھی نہیں ہے لیکن عورت کے بغیر بھی بھلا کوئی گھر ہوتا ہے میں فراز سے یہ بات کہتی تھی تو وہ ہنستا تھا اب سمجھ گا کہ میں ٹھیک کہتی تھی یا غلط۔ پھر اس کی تھوڑی چھو کر بولیں۔

ماشاء اللہ تم ہو بھی بہت پیاری ایسے ہی تو نہیں میرا بھائی تم پر مر مٹا اور یہ کہاں رہ گیا۔

انہوں نے اپنے پیچھے دیکھا پھر اٹھتی ہوئی بولی۔

میں سمجھتی ہوں اسے اور دیکھو ابھی میں گھر جا رہی ہوں میری ساس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ورنہ دو چار دن ضرور تمہارے پاس رکتی خیر پھر آتی جاتی رہوں گی کوئی فکر کی بات نہیں اب یہ تمہارا گھر ہے۔

وہ بہت دھیمی مسکان ہونٹوں پر سجائے انہیں دیکھ رہی تھی بلکہ ان کے جانے کا انتظار کر رہی تھی اور جیسے ہی وہ کمرے سے نکلیں اس نے پہلے اپنی اکڑی ہوئی کمرے کو تکیے کا سہارا دیا پھر آرام سے بیڈ کی پٹی پر سر رکھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی خاصا کشادہ کمرہ تھا۔ وال ٹو وال سرخ کارپٹ، ہم رنگ پردے، مشرقی دیوار کے ساتھ ایک صوفہ سیٹ، درمیان میں فل سائیڈ بیڈ کے باوجود باقی جگہ خالی تھی۔ شاید فراز کو بیڈ روم میں زیادہ سامان پسند نہیں تھا۔

وہ ادھر سے دھیان ہٹا کر اپنے زیورات دیکھنے لگی۔ دونوں انگلیاں انگوٹھیوں کی قید میں تھیں اسے اپنے ہاتھ بہت خوبصورت لگے۔ ایک ایک انگوٹھی چھونے کے بعد اس نے اپنی ہتھیلیاں دعا کے انداز میں سیدھی کیس تو پھر کتنی دیر تک مہندی کے دلفریب ڈیزائن پر

نظریں جمائے بیٹھی رہی شاید اندر کہیں یہ خواہش بھی تھی کہ ایسے ہی لمحوں میں فراز آ کر اس کے ہاتھ تھام لیں۔ دھیرے دھیرے جب یہ خواہش شدت اختیار کرنے لگی تب اسے کتنا وقت گزرنے کا احساس ہوا اور فراز ابھی تک نہیں آئے تھے۔ اس نے حیران ہو کر دروازے پر نظریں جمائیں اور کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگی لیکن ہر سو گہری خاموشی تھی۔

اس نے چند لمحے سوچنے میں صرف کئے پھر اپنا بھاری دوپٹہ سنبھالتی بیڈ سے اتر کر دروازے تک آئی اور ذرا سا کھول کر دیکھا لاؤنج کی تیز روشنیاں بجھ چکی تھیں، زیر و پاور کی مدسم روشنی میں خواب ناک ماحول گہری خاموشی کی لپیٹ میں خوفناک محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اگر چاہتی بھی تو وہیں سے فراز کو نہیں پکار سکتی تھی اور اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنے والیں پلٹنا چاہتی تھی کہ فراز بہت جلدی میں میسر ہیاں اترتے نظر آئے وہ بے اختیار آگے بڑھ آئی۔

فراز اس کی پکار پر انہوں نے چونک کر دیکھا لیکن رکے نہیں لاؤنج کی ٹیوب لائٹ آن کر کے فون کی طرف بڑھ گئے اور بہت عجلت میں نمبر ڈائل کرنے لگے، اس اثناء میں وہ قریب آ کر پوچھنے لگی۔

کیا بات ہے۔

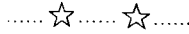
کچھ نہیں، تم جاؤ آرام کرو۔ ان کے روکھے انداز پر ایک لمحہ کو وہ سن سی ہو گئی پھر ایک دم کریڈل پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

کس سے؟ ان کا ریسپور والا ہاتھ کندھے پر آن ٹھہرا اور بہت سرسری نظروں سے اسے دیکھا جبکہ وہ ہوش اڑا دینے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔
اس خاموشی اور سناٹے سے۔

یہاں تو ہمیشہ سے ایسی ہی خاموشی ایسا ہی سناٹا ہے، خیر دھیرے دھیرے عادی ہو جاؤ گی۔

انہوں نے کہا، ساتھ ہی کریڈل پر سے اس کا ہاتھ ہٹا کر دوبارہ نمبر ڈائل کرنے لگے تو اپنے نظر انداز ہونے پر بری طرح سلگ کر وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ وہ بولے پڑے۔
رات بہت ہو گئی ہے، جاؤ سو جاؤ۔

اس اجنبی انداز پر حیرت سے زیادہ احساس توہین نے اسے مار ڈالا اگر اولین شب کی دلہن ہونے کا خیال نہ ہوتا تو وہ اسی وقت یوں اجنبی ہو جانے کا سبب پوچھتی، بہت ضبط سے اس وقت وہ اپنے اس روپ کی لاج رکھ گئی اور کمرے میں آتے ہی پہلے اس نے خود کو بھاری زیورات کے بوجھ سے آزاد کیا پھر لباس تبدیل کر کے نرم بستر پر لیٹی تو فراز کے رویے کو سوچتی ہوئی سو گئی تھی۔



صبح وہ جلدی اٹھنے کی عادی نہیں تھی لیکن شاید نئی جگہ کے باعث معمول سے پہلے اس کی آنکھ کھل گئی اور اٹھنے کے ساتھ ہی اسے پہلا خیال فراز کا آیا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی کہیں ان کی آمد کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ کچھ الجھن میں گرفتار ہو کر پھر ان کے رویے کو سوچنے لگی تھی کہ دروازہ بردستک کے بعد ملازمہ ٹرائی دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی، اسے سلام کیا پھر کھڑکی سے پردے سمیٹنے لگی تو کچھ دیر کو اس کا دھیان فراز کی طرف سے ہٹ گیا اور وہ بہت شوق سے ملازمہ کو اپنے لئے چائے بناتے ہوئے دیکھنے لگی۔

چینی کتنی والوں بی بی ملازمہ کے پوچھنے پر وہ چونک کر بولی۔

ایک چمچ ملازمہ نے چائے بنا کر کپ اسے تھمایا پھر جاتے جاتے پوچھنے لگی۔

آپ کیلئے ناشتہ بنا دوں۔

ابھی نہیں میں ناشتہ دیر سے کروں گی۔

وہ کہتی ہوئی اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی، ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا پھولوں سے مہک چراتی ہوئی اس نے گہری سانس لی اور منظر کی دلکشی کو سراہتے ہوئے اس پر سب کچھ پالینے کا احساس غالب آ گیا پھر چائے پینے تک وہ وہیں کھڑی رہی، اس کے بعد کمرے سے نکل کر آئی تو ملازمہ لاؤنج میں بکھری پھولوں کی چیتاں سمیٹتی نظر آئی۔

فراز کہاں ہیں؟ بغیر سوچے سمجھے اس نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا تو ملازمہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا جس پر وہ جزبہ ہو کر خواہ خواہ اس پر بگڑنے لگی۔

جلدی سیمینو یہ سب ابھی کوئی مہمان آ گیا تو کتنا عجیب لگے گا۔

پھر وہ وہاں رک نہیں سکی واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور بے حد جھنجھلا کر فراز کے بارے میں سوچنے لگی کہ آخر ان کا مقصد کیا ہے، اچانک رنگ کیوں بدل لیا ہے انہوں نے؟

یوں لگ رہا ہے جیسے کسی پرانی دشمنی کا بدلہ لے رہے ہوں۔

لیکن مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے انہیں؟

وہ ادھر ادھر ٹہلتی ہوئی سوچ رہی تھی تبھی ملازمہ نے آ کر بتایا کہ اس کے گھر سے کچھ لوگ آئے ہیں، فوری طور پر وہ کچھ سمجھی نہیں، حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

کون ہے؟

پتہ نہیں جی، دولڑکیاں ہیں۔ ساتھ ایک مرد ہے۔ ملازمہ نے لاعلمی ظاہر کرنے کے ساتھ بتایا تو وہ واش روم کا رخ کرتی ہوئی بولی۔

تم انہیں بٹھاؤ، میں تیار ہو کر آتی ہوں۔

تیاری میں اس نے پندرہ بیس منٹ لگائے، اس کے بعد ڈرائنگ روم میں آئی تو شجاع کے ساتھ سعدیہ اور فرح کو دیکھ کر مایوسی سے بولی۔

افوہ تم لوگ ہو، میں سمجھی پتہ نہیں کون ہے؟

کیا مطلب؟ کیا تمہیں ہمارے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟

فرح نے برا ماننے ہوئے کہا تو وہ آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتی ہوئی بولی۔

یہ بات نہیں ہے۔

پھر کیا بات ہے؟

بھئی اگر مجھے تمہارا پتہ ہوتا تو میں ایسے ہی آ جاتی، خواہ مخواہ تیاری میں لگ گئی اور تمہیں انتظار کرنا پڑا۔

اس نے وضاحت کی تو فرح سر تاپا اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

اچھی لگ رہی ہو، رات تو تم قیامت ڈھا رہی تھیں۔

اچھا، وہ ہنسنا چاہتی تھی لیکن پھسکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو کر دم توڑ گئی، فوراً ان کی طرف سے رخ موڑ کر ملازمہ کو پکارا پھر بیٹھتے ہوئے بولی۔

میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا، چلو سب ساتھ کر لیں گے۔

نہیں، ہم اب چلیں گے۔ شجاع کے بولنے پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

کیا مطلب، کیا صرف مجھے دیکھنے آئے تھے۔

صرف دیکھنے نہیں تمہارے لئے ناشتہ لیکر آئے ہیں، امی اور تائی جی کا اصرار تھا کہ اس

وقت ناشتہ ہمارے ہاں سے جائے گا اور اسی بہانے تمہیں دیکھ بھی لیا۔
 سعدیہ نے اپنی آمد کا مقصد بتاتے ہوئے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔
 عجیب رواج ہیں۔
 عجیب ہیں یا غریب، تم جلدی سے فراز بھائی کا دیدار کرو پھر ہم چلتے ہیں۔
 فرح نے کہا تو وہ بظاہر بڑے آرام سے بولی۔
 فراز ابھی کسی کام سے نکلے ہیں ان کے دیدار کیلئے تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔
 کتنا انتظار؟

یہی کوئی دو تین گھنٹے، کہیں فرح ہامی نہ بھر لے شجاع فوراً بول پڑا۔
 نہیں پھر سہی؟ ابھی تو ہمیں اجازت دو، چلو فرح، سعدیہ۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
 کم از کم چائے تو پی لو ورنہ پھر کہو گے۔
 میں کچھ نہیں کہوں گا۔

وہ درمیان ہی میں بات اچک کر باہر نکل گیا تو وہ سعدیہ اور فرح کے ساتھ چلتی ہوئی
 برآمدے تک آئی اور وہیں رک کر انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بعد فراز کی تلاش میں
 اس نے ایک ایک کمرہ دیکھ ڈالا۔ سارے گھر میں وہ کہیں نہیں تھے جس پر پہلے اسے تعجب
 ہوا پھر غصہ آنے لگا کہ اگر انہیں کہیں جانا ہی تھا تو بتا کر جاتے، وہ کون سا انہیں روک لیتی۔

.....☆.....☆.....

دوپہر تک اس کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا اور مشکل یہ تھی کہ وہ ملازموں سے ان کے
 بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اپنے آپ ہی تمللاتی رہی اور یونہی شام پھر رات ہو گئی
 'ایک ایک کر کے سب ملازم رخصت ہو گئے۔ وہ چاہنے کے باوجود ملازمہ کو روک نہیں سکی
 اور اس کے جانے کے بعد سب دروازے بند کر کے وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔

سارا دن کی سوچوں نے اس کے ذہن کو بری طرح متاثر کیا تھا اور اب تو اس کا دل
 چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے لیکن رونے کو وہ ہمیشہ سے بزدلی سمجھتی تھی اس لئے ٹی وی
 دیکھتے ہوئے وہ اپنا دھیان ادھر ادھر کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی،
 تب اپنے دکھتے ہوئے سر کو صوفے کی پشت سے ٹکا کر پلکیں موندیں تو آپ ہی آپ
 کناروں سے پانی پھلکتا چلا گیا۔

کتنی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے اور اپنی بے بسی پر اسے اور شدت سے رونا آیا تو خود کو ٹوکتی ہوئی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹی وی کا بٹن آف کر رہی تھی کہ گلاس وال سے فراز کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوتی نظر آئی، اس نے پہلے وال کلاک پر نظر ڈالی پھر جلدی سے دروازے کا لاک کھول کر دوبارہ اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ بظاہر انجان لیکن ان کا ایک ایک قدم شمار کر رہی تھی، وہ قریب آئے تو اسے بیٹھے دیکھ کر تعجب سے بولے۔

ارے تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟
اور یہ صحیح ہے کہ وہ دو قسم کی لڑکی نہیں تھی لیکن ایسی منہ پھٹ اور بد لحاظ بھی نہیں تھی جو یہ کہہ دیتی کہ آپ کے انتظار میں جاگ رہی ہوں اور پھر رات انہوں نے اپنی ذات کا مان بھی نہیں بخشا تھا جو اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکان سجا دیتا، اس کے برعکس اسے بڑا عجیب سا لگا نظریں چراتی ہوئی بولی۔

دوپہر میں بہت دیر تک سوئی، اس لئے اب نیند نہیں آرہی۔
ایک بج رہا ہے، سو جاؤ۔ وہ گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولے اور جانے لگے تھے کہ وہ ایک دم اپنی جگہ کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

آپ کہاں چلے گئے تھے؟

کیوں؟ ان کی سوالیہ نظروں سے سے وہ شپٹا گئی لیکن پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگی۔

میرا مطلب ہے آپ کو بتا کر جانا چاہئے تھا، صبح سعدیہ اور فرح آئی تھیں۔ مجھے ان سے جھوٹ بولنا پڑا کہ آپ ابھی کہیں نکلے ہیں۔

اگر میں بتا کر جاتا تب بھی تمہیں یہی جھوٹ بولنا پڑتا۔ انہوں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اسے سناٹے میں چھوڑ کر بیڈروم کی مخالف سمت کمرے میں چلے گئے اور جاتے ہوئے قصداً دروازہ بند ہونے کی آواز پر ایک دم سناٹے سے نکلی اور بے اختیار ان کے پیچھے لیکن، لیکن چند قدم کے بعد ہی رک گئی پھر وہیں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

خود پر ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا، یوں بھی وہ ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتی تھی اور یہ ذرا سی بات نہیں تھی، رات سے وہ شخص اس کی توہین کر رہا تھا اور بنا کسی قصور کے، سارا دن بھی وہ یہی سوچتی رہی تھی اور اب تو اس کا سر پھٹنے لگا۔

میں جھوٹ نہیں بولوں گی فراز علی! مجھ میں سچ بولنے کا حوصلہ ہے لیکن تمہاری حقیقت جاننے کے بعد وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد سوئی تھی۔

صبح وہ بہت دیر سے اٹھی، سر بھاری ہو رہا تھا اس لئے چائے سے پہلے اس نے شادولیا پھر لاونچ میں آ بیٹھی ملازمہ ناشتے کا پوچھنے آئی تو اس نے منع کر دیا پھر بظاہر سرسری انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

فراز کس وقت گئے تھے؟

جی ملازمہ کی حیرت بھری جی پروہ پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر بولی۔

میں فراز کا پوچھ رہی ہوں آفس کس وقت گئے تھے۔

صاحب کہیں نہیں گئے بی بی گھر پر ہیں ابھی مجھ سے چائے منگوائی تھی۔

اس کے بگڑنے پر ملازمہ مسکین سی شکل بنا کر بولی تو وہ اپنی جگہ چوری بن گئی عجیب مشکل تھی وہ اندر ہی اندر جھنجھلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ملازمہ کو جانے کا کہا پھر اپنے کمرے میں آنے لگی تھی کہ فون کی تیل پر بڑھ کر ریسور اٹھالیا، دوسری طرف سعدیہ تھی اس کی آواز سنتے ہی کہنے لگی۔

تو تمہاری صبح ہو گئی؟

کیا مطلب؟ وہ دھیان سے سعدیہ کی بات سن نہیں سکی تھی کیونکہ اسی وقت فراز کمرے سے نکلے تھے اور اس کا کچھ دھیان ادھر منتقل ہو گیا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے میں نے فون کیا تھا، معلوم ہوا تم سو رہی ہو۔ سعدیہ نے بتایا تو وہ دزدیدہ نظروں سے فراز کو دیکھ کر بولی۔

ہاں وہ۔

بس بس صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے پتہ ہے بڑے آدمیوں کی صبح بارہ بجے ہوتی ہے۔

سعدیہ نے اسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا پھر پوچھنے لگی فراز بھائی کہاں ہیں؟ جہاں ہونا چاہئے، فراز اس کے قریب سے گزر رہے تھے اس لئے اس نے گول مول سا جواب دیا۔

کہاں ہونا چاہئے، ادھر سعدیہ شوخی سے پوچھ رہی تھی لیکن اس نے سنا ہی نہیں۔ فراز کو

جاتے ہوئے دیکھتی رہی، جب ان کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی تب جیسے ہوش میں آ کر بولی۔

ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم؟
پہلے یہ بتاؤ تم کہاں کھو گئی تھیں۔
گہیں نہیں ملازمہ کی بات سننے لگی تھی۔

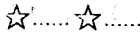
اچھا خیر میں نے اس لئے فون کیا ہے کہ آج شام تم اور فراز بھائی ہمارے ہاں آؤ گے امی زبردست اہتمام کر رہی ہیں اور سنو ذرا جلد ہی آنا۔
سعدیہ نے اصل بات بتاتے ہوئے تاکید کی تو وہ فوراً کوئی جواب نہیں دے سکی۔
لگتا ہے ابھی بھی تم نیند میں ہو جاؤ سو جاؤ باقی باتیں شام کو ہوں گی۔

سعدیہ نے کہہ کر فون بند کر دیا اور وہ پریشان سی ہو گئی۔ ظاہر ہے فراز ابھی اس کے سامنے نکل کر گئے تھے اور ان کی واپسی کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔ دوپہر تک وہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی پھر ان کے آفس فون کر ڈالا اور جب انہیں بتایا کہ شام میں امی کے ہاں جانا ہے تو وہ بڑے آرام سے بولے۔
ہاں چلی جانا۔

میں۔۔۔۔۔ وہ شپٹا گئی، میں کیسے جاؤں گی۔

کیوں کیا پرالیم ہے ڈرائیور سمیت گاڑی موجود ہے اور کیا چاہئے تمہیں۔
آپ میرا مطلب ہے آپ بھی مدعو ہیں۔ وہ حتی الامکان لہجے پر قابو پا کر بولی۔
ظاہر ہے انہوں نے اکیلے تمہیں تو بلایا نہیں ہوگا، ان کا انداز جتانے والا تھا جس پر وہ تلملا کر بولی۔

لیکن جاؤں گی میں اکیلی ہی اس کے ساتھ ہی ریسپورٹنگ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔



شام میں وہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی اور اسے یقین تھا کہ سب اسے بہت سراہیں گے لیکن اسے اکیلے دیکھ کر سب ایک ہی سوال کرنے لگے۔

فراز کہاں ہیں؟ آئے کیوں نہیں؟ اور وہ پہلے ہی بتا یا جی کے سب گھر والوں کو دیکھ کر کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ سعدیہ نے بتایا تو تھا کہ امی جہت اہتمام کر رہی ہیں لیکن اس

طرف اس کا دھیان نہیں گیا تھا کہ اور لوگ بھی مدعو ہوں گے اور صرف امی اور سعد یہ کو تو کسی طرح بھی مطمئن کیا جاسکتا تھا یا وہ صاف لفظوں میں یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ فراز یہاں آنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ بہت کم کوئی بات خود پر رکھتی تھی لیکن ثانی جی اور فرح کی موجودگی میں اسے پھر جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔

فراز مینٹنگ میں مصروف تھے اگر جلدی فارغ ہو گئے تو آجائیں گے۔
اچھی لگ رہی ہو کتنی دیر بعد فرح نے فقط اتنا کہا تو وہ چیخ کر بولی۔
صرف اچھی۔

بہت اچھی شجاع اچانک مسکراتا ہوا سامنے آ گیا پھر فوراً پوچھنے لگا فراز کہاں ہیں؟
کیوں تمہیں ان سے کوئی کام ہے؟ اس کے تیز لہجے پر ایک پل کو وہ شپٹا گیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

بڑے آدمی ہیں کام ہو بھی سکتا ہے۔
اس کیلئے پہلے تمہیں اپائنٹ لینا پڑے گا وہ بھی مجھ سے۔
پھر تو کبھی ان سے ملاقات ہو ہی نہیں سکتی۔ شجاع نے برجستہ کہا تو وہ ہنس پڑی۔
نہیں خیر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کزن ہونے کے ناطے میں تمہاری جلد ان سے ملاقات کروادوں گی۔
شکریہ وہ آداب بجالایا۔

پھر جب سعد یہ اور فرح کھانا لگا رہی تھیں امی نے بار بار اس سے کہا کہ وہ فراز کو فون کرے اور انہیں آنے کو کہے لیکن اس کا ایک ہی جواب تھا وہ فارغ نہیں ہوں گے ورنہ آجاتے اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ جس شخص کیلئے اتنا اہتمام کیا گیا تھا وہی نہیں تھا۔ سب نے محسوس کیا جبکہ وہ اندر رہی اندر تملاتی رہی گویا اب اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں، فراز ساتھ ہوں گے تو اسے پذیرائی ملے گی ورنہ نولفٹ کھانے کے دوران ابو اور تایا جی مسلسل فراز کے نہ آنے پر افسوس کرتے رہے اور جب وہ آ رہی تھی تو شجاع نے بہت دھیرے سے پوچھ لیا۔

سنو سب کچھ پا کر خوش تو ہوناں۔
تمہیں کیا لگ رہا ہے وہ کچھ تفاخر سے اسے دیکھنے لگی تو وہ تھکے رک کر بولا۔

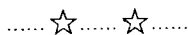
مجھے تو تم خالی خالی سی لگ رہی ہو۔

کیا؟ وہ اپنے آپ پر نظر ڈالنے لگی۔

اوں ہوں ادھر دیکھو میری طرف۔ اس نے ٹوکا اور اس کے دیکھنے پر کہنے لگا۔

تمہاری آنکھیں بھیگتی ہو گئی ہیں۔

تم وہ بری طرح تملنائی اور کچھ سخت ست کہنا چاہتی تھی لیکن وہ فوراً پلٹ گیا۔



نان سینس، تمام راستہ وہ دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتی رہی گھر آئی تو فراز کو اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر اس کا مزید دماغ گھوم گیا لیکن بولی کچھ نہیں، ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ کر ایک کے بعد ایک زیور اتار کر پھینکنے کے انداز میں ٹیبل پر رکھنے لگی اور وہ کوئی نوٹس لئے بغیر کہنے لگے۔

سوری، میری وجہ سے تمہیں پھر جھوٹ بولنا پڑا۔

جی نہیں، میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔

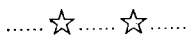
صاف بتا دیا ہے کہ آپ کسی سے ملنا نہیں چاہتے، ان کی بات پر وہ چڑ کر بولی۔

واقعی، انہیں یقین نہیں آیا۔

یقین کر لیں، اس نے قصداً بے نیازی کا مظاہرہ کیا اور اٹھ کر جانے لگی کہ انہوں نے پکار کر ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

سنو یہ سب بہت شوق سے خریدے تھے تم نے، انہیں سنبھال کر رکھو۔

اس نے خاموشی سے زیورات اٹھائے اور اپنے کمرے میں چلی آئی گو کہ فراز نے کچھ بتایا نہیں تھا لیکن اسے ایسا ہی محسوس ہوا، دونوں ہاتھوں میں پکڑے بیش قیمت زیورات کو دیکھتے ہوئے وہ جانے کیا سوچنے لگی تھی۔



پھر کتنے دن گزر گئے وہ جو سب کچھ حاصل کرے اپنی زندگی جینا چاہتی تھی، ایک فراز کی لائق اس کی ہر خوشی کے راستے میں دیوار ہو گئی تھی۔ شادی سے پہلے انہوں نے اسے ڈھیروں شاپنگ کرائی تھی اس وقت وہ کتنی خوش تھی اور اب ہر شے جوں کی توں رکھی تھی۔ ڈرائیور ہمہ وقت اس کے حکم کا منتظر رہتا لیکن اس کا کہیں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا اور

سارا وقت گھر میں رہ کر اس پر کبھی بیزار اور کبھی جھنجھلاہٹ سوار ہو جاتی، اپنے طور پر اس نے بہت کوشش کی کہ فراز کی لاطعلقی پر کڑھنے کے بجائے وہ ویسی ہی خوش باش زندگی گزارے، جیسی وہ چاہتی تھی لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی نہ ہی وہ فراز کے رویے کو سمجھ سکی۔ اس کا سارا وقت یہی سوچنے میں گزر رہا تھا کہ آخر انہوں نے کس مقصد کے تحت اس سے شادی کی۔

اس وقت ان سے پہلی ملاقات سے اب تک کے واقعات سوچتے ہوئے اسے لگا جیسے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسے گھیرا گیا ہو اور پھر اسی بیچ پر سوچتے ہوئے اسے یقین ہونے لگا کہ واقعی ایسا ہے لیکن اس کے بعد پھر سوالیہ نشان تھا کہ آخر کیوں؟ اور اس کیوں میں الجھ رہی تھی کہ ان کی آواز نے چونکا دیا۔

ہیلو۔۔۔ یوں جیسے راستے میں آ جانے والے کسی شناسا سے رواداری نبھائی جائے ان کا انداز ایسا ہی تھا پھر اپنے سامنے بریف کیس کھول کر بیٹھ گئے تو وہ بالکل غیر ارادی طور پر انہیں دیکھ گئی، ان کی شخصیت کا وقار اور چہرے پر محسوس کیا جانے والا سکون اس کی ساری منفی سوچوں کی نفی کر رہا تھا لیکن وہ کچھ ہٹ دھرم واقع ہوئی تھی ابھی جن شکوک نے اس کے اندر گھر کیا تھا، وہ انہیں جھٹکنے کو تیار نہیں ہوئی بلکہ انہی کا ٹکس ان میں کھوجنے لگی، معاوہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

تم نے خود کو اتنا پابند کیوں کر لیا ہے اس گھر تک محدود؟

مانا کہ یہ گھر تمہارا آئیڈیل ہے لیکن یہ کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا۔

اف وہ پوری جان سے سلگ گئی لیکن بظاہر دھیرج سے بولی مجھے اس کے بھاگ جانے کا خوف نہیں ہے۔

پھر کہیں آتی جاتی کیوں نہیں ہو؟

مثلاً کہاں؟ وہ ان پر حاوی ہونے کی کوشش میں براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ

کر بولی۔

کہیں بھی، اپنے والدین کے گھر، کوئی دوست یا پھر شاپنگ کیلئے۔

ہاں جا تو سکتی ہوں لیکن ایک وقت میں میں ایک ہی کام کرتی ہوں اس کی معنی خیز

مسکراہٹ سے واقعی وہ الجھ گئے۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ ابھی میں اس گھر کے اسرار سمجھنے میں لگی ہوئی ہوں، اس کے بعد کسی اور طرف توجہ دوں گی۔

اس گھر میں کیا اسرار ہیں؟

آپ کو نہیں معلوم؟ اس کا انداز ان کی بے خبری پر مذاق اڑانے والا تھا، وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ یوں جیسے سچ مچ کوئی اسرار پوشیدہ ہو اور وہ ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہاں جا رہی ہو بیٹھو انہوں نے فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

سوری مجھے نیند آ رہی ہے۔

وہ ان کی بات رد کر کے اپنے کمرے میں آ گئی اور کچھ دیر تک اپنے آپ خوش ہوتی رہی، یوں جیسے بدلہ لے آئی ہو لیکن پھر جلد ہی جھنجھلانے لگی تھی۔

اور صبح ناشتے کی ٹیبل پر انہیں اپنے انتظار میں دیکھ کر وہ حیرت کے ساتھ اچھبے میں پڑ گئی، ان تینوں ہفتوں میں کسی ایک وقت بھی کھانے یا ناشتے میں انہوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا تھا، جب ہی اس کی حیرت فطری تھی بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

میں جلدی اٹھ گئی ہوں یا آپ کو دیر ہو گئی ہے۔ وہ سمجھ گئے لیکن کوئی جواب نہیں دیا، تب وہ ان کے سامنے سے اخبار چھینتی ہوئی بولی۔

خبریں وہی ہیں جو کل آپ نے پڑھی ہوں گی، اس لئے پہلے ناشتہ کریں۔ انہوں نے اسے اخبار رول کرتے ہوئے دیکھا پھر ناشتے میں مصروف ہو گئے۔

آپ کی بہن کافی دنوں سے نہیں آئیں، فون بھی نہیں کرتیں۔ کچھ دیر بعد وہ یونہی بات کرنے کی غرض سے بولی۔

ان کی ساس ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، انہوں نے بتایا تو وہ تاسف سے بولی۔

آپ نے پہلے نہیں بتایا؟

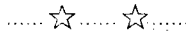
کیوں تم کیا کرتیں؟

آپریشن وہ چڑ کر بولی۔

ہو چکا۔

ہائیں وہ اچھل پڑی۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

آپی کی ساس کا آپریشن ہونا تھا ہو گیا، اب تم کون سا آپریشن کرو گی۔ وہ بظاہر بہت سنجیدہ ہو کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے تو وہ پھر الجھ کر بولی۔
 آپ کو پہلے بتانا چاہئے تھا پھر اپنے آپ بڑبڑانے لگی۔
 کیا سوچتی ہوں گی وہ، میں ایک بار بھی دیکھنے نہیں گئی۔
 میں شام میں جاؤں گا، چلنا چاہو تو تیار رہنا۔
 وہ کہتے ہوئے اٹھ گئے، اس کے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا۔ تب وہ خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔



شام میں آپی کی ساس کی عیادت کے بعد وہ اسے ساحل پر لے آئے حالانکہ ان کا موڈ کچھ اچھا نہیں تھا، گھر سے چلتے ہوئے اکھڑے اکھڑے سے تھے اور ابھی بھی چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اتنے خراب موڈ میں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی جیسے اس پر احساس کر رہے ہوں اور وہ واقعی جتنا کر بولے۔
 میں نے سوچا تمہیں تھوڑی تفریح کرادوں، ہر وقت گھر میں بند رہتی ہو۔
 اس نوازش کیلئے میں شکریہ نہیں کہوں گی، اس نے کہا تو وہ فوراً بولے۔
 حق سمجھتی ہو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور کچھ کہے بغیر انکی طرف سے رخ موڑ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ قدرے توقف سے اسے اپنے قریب ہی ان کی آواز سنائی دی۔

تم نے جواب نہیں دیا۔

حقوق و فرائض کی بات چھڑ گئی تو ساری فضا مکدر ہو جائے گی اور ابھی مجھے فضا میں بکھرے رنگ بہت اچھے لگ رہے ہیں۔
 وہ کہیں بہت دور اترتے سورج کو دیکھ کر بولی تو کچھ دیر کیلئے وہ خاموش ہو گئے پھر دیوار پر دونوں بازو رکھ کر قدر جھک کر کھڑے ہوئے اور ایک نظر اس پر ڈال کر بولے۔
 پہلی بار میں نے تمہیں یہیں دیکھا تھا۔

یہاں اس نے حیران ہو کر اپنا چہرہ ان کی طرف موڑا اور انکی اگلی بات سننے کو بے چین ہو گئی جیسے وہ کہیں گے تم پہلی نظر میں مجھے اچھی لگیں اور اسی وقت میں نے۔۔۔۔۔

لیکن وہ پیچھے سگی بچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

تم وہاں بیٹھی تھیں اور تمہارے ساتھ شجاع تھا۔

اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا لیکن خائف نہیں ہوئی بلکہ کھوجتی ہوئی نظروں سے

انہیں دیکھنے لگی جو بظاہر سیدھے سادے انداز میں کہہ رہے تھے۔

اور میں یہی اسی جگہ کھڑا تھا، تم نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا کیونکہ اس وقت تم شجاع سے

الچھ رہی تھیں۔ وہ تمہیں خوشیوں سے بھرپور زندگی دینے کا وعدہ کر رہا تھا لیکن تم نے بڑی

نخوت سے اس کی محبت کو ٹھکرایا، اس وقت تم مجھے دنیا کی بد صورت ترین لڑکی نظر آئیں اور

میرا دل چاہا میں تمہیں اٹھا کر اس سمندر میں بہت دور پھینک دوں۔

وہ یوں ہونٹ بھیج گئے جیسے اندر اٹھتے ابال کو روکنے کی کوشش کر رہے ہوں جبکہ وہ کچھ

سنائے میں آ گئی تھی۔ کتنی دیر بعد وہ پھر کہنے لگے۔

اسی وقت میں نے تم سے شادی کا فیصلہ کیا تھا اور تمہارا حصول کوئی مشکل بات نہیں تھی

کیونکہ میرے پاس وہ سب کچھ تھا جو تم چاہتی تھیں اور میں نے سوچا تھا تمہیں تمہارے

خواہوں کی جھلک دکھا کر کسی کال کوٹھڑی میں بند کر دوں گا کیونکہ محبت کا مذاق اڑانے اور

دلوں سے کھیلنے والوں کی سزا اس سے بھی سنگین ہونی چاہئے لیکن جانے کیوں بہت چاہنے

کے باوجود میں تمہیں کوئی کڑی سزا نہیں دے سکا، اس سے یہ مت سمجھنا ٹانہ بے میرے دل

میں تمہارے لئے کوئی نرم گوشہ ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ اس کی ذات کی سختی سے نفی کر کے انہوں

نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور دو تین گہرے کش لینے کے بعد کہنے لگے۔

تم نے جھوٹ بولا تھا کہ تم گھر کے اسرار سمجھنے میں لگی ہوئی ہو، اصل بات یہ ہے کہ تم

میری ذات کے اسرار پانا چاہتی ہو لیکن تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے جو تم چاہتی تھیں، وہ

سب کچھ تو تمہیں حاصل ہو گیا۔ ویسے اطمینان رکھو میں بہت فیر انسان ہوں اپنی محنت سے

یہ سب بنایا ہے اور اس کیلئے بارہ سال بن باس کا ٹا ہے لہذا مجھ پر شک کرنے کا کوئی فائدہ

نہیں سمجھ رہی ہوناں۔

آخر میں اچانک اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ جو گرم سم سی کھڑی ہوئی تھی، بہت

دھیرے دھیرے چہرہ موڑ کر لہروں کی سرکشی دیکھنے لگی، اس کے اندر کی لڑکی بھی ایسی ہی سرکشی

پر آمادہ ہو رہی تھی۔ کتنی دیر اسے سمجھانے میں لگی پھر ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

اصل بات تو آپ نے بتائی نہیں، شجاع کو آپ کب سے جانتے ہیں؟ وہ اس کا مطلب بالکل نہیں سمجھی، جیسی سرسری انداز میں بولے۔

اسی روز تمہارے ساتھ دیکھا تھا۔

پھر اس سے اتنی ہمدردی اس کے طنزیہ لہجے پر انہوں نے چونک کر دیکھا۔

حالانکہ شجاع نے تو محسوس بھی نہیں کیا۔

غلط سمجھتی ہو تم، قیامت ٹوٹی تھی اس کے دل پر، تم کیا جانو تم نے کبھی محبت کی ہو تب

ناں۔

وہ اچانک جذباتی ہو کر اسے جھنجھوڑنا چاہتے تھے لیکن اس کے پیچھے ہٹنے پر ایک دم سنبھل کر کہنے لگے۔

میں جانتا ہوں اس لئے کہ ایسے ہی کرب سے گزر چکا تھا اسی جگہ تمہاری ہی طرح کی وہ لڑکی سمیرا خان میری محبت کو اپنے پیروں تلے روند گئی تھی۔

وہ ایک نظر ان پر ڈال کر منہ موڑ گئی، بولی کچھ نہیں اور وہ اگر دیکھ لیتے تو یہیں خاموش ہو جاتے لیکن اس کی طرف متوجہ نہیں تھے جیسا اپنی کہے گئے۔

میں اس وقت شجاع ہی کی طرح سادہ و مخلص نوجوان تھا، یونیورسٹی کے دو سال سمیرا نے میرے ساتھ محبت کی آنکھ بچھو لی کھیلنے گزارے۔ میں نے کبھی اس کی محبت پر شک نہیں

کیا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ چھوٹے سے گھر کی باتیں کیا کرتی تھی اگر کبھی میں اسے بہت کچھ دینے کی بات کرتا تو وہ روٹھ کر کہتی تھی کہ اسے میری محبت کے سوا کچھ نہیں چاہئے

بہت حسین لگتی تھی وہ اس وقت جب میرا ہاتھ تھام کر مجھ سے وعدہ لیتی تھی کہ میں ہمیشہ اسی طرح اسے چاہوں گا، بہت جلد بیت گئے تھے وہ دن۔

وہ خاموش ہو کر جیسے ان ہی دنوں میں کھو گئے اور وہ یونہی چپ چاپ کھڑی رہی، کوئی سوال نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے خیال سے نکلے اور اسے چلنے کا کہہ کر تیز قدموں سے

آگے آگے چل پڑے۔ وہ ان کے پیچھے نہیں بھاگی بلکہ قصداً سست روی اختیار کر گئی پھر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بس ایک بار کن اکھیوں سے انہیں دیکھا۔ بہت مضطرب نظر آئے

تھے اور ان کا اضطراب وہ جانتی تھی لیکن وہ کتنے بے خبر تھے۔ اسے بہت دکھ ہو رہا تھا کہ ہر شخص اسے غلط سمجھتا ہے، کیا واقعی وہ اسی قابل تھی۔ اس نے سوچا اور گزرے ماہ و سال پر نظر

ڈالنے لگی تھی کہ اچانک وہ اسے مخاطب کر کے بولے۔

تم نے پوچھا نہیں کہ پھر کیا ہوا؟ وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی تو قدرے توقف سے وہ خود ہی کہنے لگے۔

یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد میں جاب کی تلاش میں لگ گیا، اس وقت میرے والدین حیات تھے اور وہ چاہتے تھے کہ میں دو تین سال کیلئے مڈل ایسٹ چلا جاؤں کیونکہ اس وقت ہمارے پاس اپنا گھر نہیں تھا اور آپ کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، اس لئے اماں چاہتی تھیں پہلے آپ کی شادی ہو پھر اپنا گھر بن جائے۔ اس کے بعد میں اپنے بارے میں سوچوں اور یہ اسی صورت ممکن تھا کہ میں باہر سے پیسہ کما کر بھیجوں لیکن میں سمیرا کو چھوڑ کر جانے پر تیار نہیں ہوا۔

مجھے ڈرتا تھا کہ اس کے والدین اسے کہیں اور نہ بیاہ دیں، اس خدشے کا اظہار سمیرا نے بھی مجھ سے کیا تھا جیسی میں نے اپنے والدین کی خواہش رد کر دی اور شاید مجھے اسی کی سزا ملی کہ میں بہت خود غرض ہو گیا تھا، بوڑھے والدین کا خیال نہ بڑی بہن کا، صرف اپنے بارے میں سوچا کہ جلد سے جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر سمیرا کو بیاہ لاؤں لیکن۔ وہ موڑ کاٹتے ہوئے ایک پل کو خاموش ہوئے پھر کہنے لگے۔

انسان جو سوچتا ہے ہمیشہ وہ نہیں ہوتا، میں ایک سال تک نوکری کے لئے دھکے کھاتا رہا اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا اس دوران کب سمیرا نے راہیں بدل لیں، وہ جو چھوٹے سے گھر کی باتیں کرتی تھی اور اسے میری محبت کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھا، وہ بہت کچھ کی تمنا کرنے لگی۔ اتنا بڑا بنگلہ، گاڑیاں، نوکر چاکر اور اس وقت میں اسے یہ سب نہیں دے سکتا تھا البتہ دل میں محبتوں کا جہان بسائے میں نے اسے خوشیوں سے بھر پور زندگی دینے کا وعدہ ضرور کیا لیکن اسے ایسی خوشیاں نہیں چاہتے تھیں اور اس روز جب تم نے شجاع سے۔

بس کریں فراز علی، مجھے اس سے آگے کچھ نہیں سننا۔

اس کا ضبط جواب دے گیا تھا، سختی سے ٹوک کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی اور ان کا ذرا سا ہنسنے کا انداز ”آئینہ ان کو جو دکھایا تو برا مان گئے“ والا تھا۔

گھر آ کر وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی، حقیقتاً اس وقت سخت غصے میں تھی۔ دل چاہ رہا تھا ہر شے تہس نہس کر ڈالے یعنی سمیرا خان کی بے وفائی کا بدلہ لینے کی خاطر فراز نے اس

سے شادی کی ورنہ وہ ان کی نظر میں دنیا کی بد صورت ترین لڑکی تھی، اف وہ سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگی۔ اتنی تذلیل کبھی کسی نے نہیں کی تھی۔ سب مذاق اڑاتے تھے۔ شجاع، سعدیہ عرفان لیکن فراز نے بہت بھیا نک مذاق کیا تھا، وہ ہرگز انہیں نہیں چھوڑے گی۔

کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔ وہ ادھر سے ادھر ٹہلتی ہوئی تمللا کر سوچ رہی تھی، تبھی ملازمہ نے دروازے پر دستک دینے کے بعد اسے کھانے کیلئے بلایا تو وہ اسے بری طرح جھڑک کر پھر ٹہلنے لگی، کچھ دیر بعد دستک کے ساتھ فراز پکار کر بولے۔

ٹائیپ! دروازہ کھولو۔

کیوں؟ اس کی خود مری عود کر آئی اور دوسری طرف غالباً وہ شپٹا کر بولے۔

میں کہہ رہا ہوں۔

آپ کے کہنے سے بھی نہیں وہ نخوت سے بولی۔

پھر کس کے کہنے سے؟

جب میرا دل چاہے گا اور اپنے دل کے آگے میں کسی کی نہیں سنتی اس کی بد تمیزی پر وہ

غصے سے بولے۔

تم حد سے بڑھ رہی ہو ٹائیپ۔

میری حد مقرر کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟

وہ غالباً حواسوں میں نہیں رہی تھی، چیخ کر بولی تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ وہ کچھ

دیر انتظار کرتی رہی پھر بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆.....☆.....

صبح وہ اپنے معمول کے مطابق اٹھ گئی تھی لیکن کمرے کا دروازہ اس وقت کھولا جب اسے فراز کے آفس چلے جانے کا یقین ہو گیا۔ لاؤنج میں چمکتی ہوئی چیزوں کو مزید چمکانے میں مصروف تھی اسے دیکھتے ہی چائے اور ناشتے کو پوچھنے لگی۔ وہ منع کرتی ہوئی فراز کے کمرے میں آ گئی اور کچھ دیر کھڑی پونہمی ادھر ادھر دیکھتی رہی، گو کہ رات وہ طے کر کے سوئی تھی کہ اس وقت اسے کیا کرنا ہے اور جو وہ سوچ لیتی تھی اس سے ہٹنا اس کی سرشت میں نہیں تھا نہ ہی کوئی طاقت اسے اس کے ارادے سے باز رکھ سکتی تھی۔ بس وہی انتشار نے کچھ تھکا ڈالا تھا اس لئے ان کے کمرے میں آ کر فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے

کھڑی سوچ رہی تھی کہ ملازمہ آ کر کہنے لگی۔

بی بی! صاحب کا فون ہے آپ کو بلارہے ہیں۔ وہ چونک کر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔
ان سے کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں پوچھیں تو کہہ دینا کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں۔
ملازمہ حیران ہوتی ہوئی چلی گئی تب وہ فوراً آگے بڑھی اور کارنر پر رکھے پیڈ پر جلدی
جلدی قلم چلانے لگی۔

فراز صاحب!

میں اپنے کسی فعل پر شرمندہ نہیں ہوں، خواب دیکھنے پر نہ اکیلی تعبیر پانے پر اس لئے کسی
صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ بس اتنا کہوں گی کہ میں نے تبھی شجاع سے محبت نہیں کی لہذا
آپ نے سمیرا خان کی بے وفائی کا بدلہ لینے کیلئے کسی ایسی لڑکی کو تلاش کریں جس نے اسی کی
طرح محبت کی آنکھ چھوٹی کھلی ہوئی ہے کوئی اور کیوں؟ سمیرا خان کیوں نہیں۔
اس کے بعد اس نے چند لائنیں مزید گھسیٹی لیکن پھر غیر ضروری خیال کر کے کاٹ دیں
اور آخر میں اپنے جانے کا لکھ کر وہاں سے نکل آئی۔

☆.....☆.....

اس سے پہلے کہ امی اور سعدیہ اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتیں اس نے کہہ دیا کہ وہ
فراز کا گھر ہمیشہ کیلئے چھوڑ آئی ہے۔ امی اپنی جگہ ٹھک گئیں سعدیہ اپنی جگہ پریشان لیکن اس
کی خود سری سے واقف تھیں اس لئے زیادہ سوال جواب کے بجائے امی صرف اتنا کہہ
سکیں۔

یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔

اور وہ سب تو بہت اچھا ہوتا ہے جو میرے ساتھ کیا جاتا ہے وہ تک کر بولی۔

کیا کیا جاتا ہے تمہارے ساتھ؟

انجان نہیں ہیں آپ سب جانتی ہیں۔ وہ اتنے یقین سے بولی کہ امی سعدیہ کو دیکھنے

لگیں اس نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر اس کے پاس آ کر بولی۔

بھئی اگر تمہارا فراز بھائی سے جھگڑا ہو گیا ہے تو ان کا غصہ ہم پر تو مت نکالو۔

میرا کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔

اچھا ٹھیک ہے تم اندر چلو میں تمہارے لئے چائے لیکر آتی ہوں۔

صرف چائے نہیں کھانے کو بھی لاؤ، میں نے رات سے کچھ نہیں کھایا۔
وہ کہتی ہوئی سعدیہ کے کمرے میں چلی گئی اور سعدیہ کچن میں جانے لگی کہ امی اسے
روک کر بولیں۔

سنو اس سے معلوم کرو کہ کیا معاملہ ہے۔

بتا دے گی، ابھی غصے میں ہے آپ پریشان نہ ہوں۔

سعدیہ امی کو تسلی دے کر کچن میں آگئی اس کیلئے نشاۃ بنایا پھر ٹرے میں رکھ کر کمرے
میں آئی تو وہ دیکھتے ہی بولی۔

جلدی لاؤ، بہت بھوک لگی ہے۔

لڑائی جھگڑا اپنی جگہ بندے کو کھانے سے منہ نہیں موڑنا چاہئے۔

سعدیہ نے ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور بیٹھ کر چائے بنانے لگی جبکہ وہ
ان سنی کر کے کھانے میں لگ گئی۔

سعدیہ نے چائے کا کپ اس کے آگے کھسکایا پھر قصد اسے اکیلا چھوڑ کر کمرے سے
نکل گئی، کچھ دیر بعد واپس آئی تو وہ ناشتے سے فارغ ہو کر آرام سے لیٹی تھی۔

اور چائے لوگی، سعدیہ نے پوچھا تو وہ منع کرتی ہوئی بولی۔

نہیں میں اب سوؤں گی۔

رات سے سوئی بھی نہیں ہو کیا؟ سعدیہ نے ٹرے اٹھاتے ہوئے کن اکیوں سے اسے
دیکھا اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر کروٹ بدل گئی۔

☆.....☆.....

سعدیہ اور امی کی طرح شام میں ابو نے بھی اس سے بہت پوچھا کہ فراز سے اس کا کیا
جھگڑا ہے اور اس کا ایک وہی جواب تھا۔
کوئی جھگڑا نہیں۔

جب کوئی جھگڑا نہیں تو پھر گھر چھوڑ کر آنے کا کیا مقصد ہے؟

اس کے بار بار ایک ہی بات دہرانے پر بالآخر امی کو غصہ آ گیا۔ ضرور تمہاری غلطی
ہوگی، ذرا ذرا سی بات پر آپ سے باہر ہو جاتی ہو؟ خرابیاں کیا کہہ دیا فراز نے جو تم۔
گھر چھوڑ آئی ہوں، اس نے امی کی بات اچک لی اور تیز ہو کر بولی اگر آپ کو میرا آنا

اچھا نہیں لگا تو چلی جاتی ہوں لیکن فراز کے گھر نہیں جاؤں گی۔
 بری بات بیٹا، اتنا غصہ نہیں کرتے۔ ابو نے امی کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے
 نرمی سے اسے سمجھایا پھر کہنے لگے۔

یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے، جب تک چاہے یہاں رہو۔
 ثانیہ! تمہارا فون ہے، سعدیہ نے دروازے میں آ کر کہا تو وہ ناگواری سے پوچھنے لگی۔
 کون ہے۔

فراز بھائی، فراز کے نام پر اس کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہو گیا جبکہ امی نے
 مطمئن سا ہو کر ابو کو دیکھا تو وہ فوراً اس سے بولے۔

جاؤ بیٹا دیکھو فراز کیا کہہ رہے ہیں، وہ جربز ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ لابی میں آ کر
 ریسیور کان سے لگایا ہی تھا کہ ادھر سے وہ بول پڑے۔

سنو ثانیہ! جس طرح گئی ہو، اسی طرح واپس آ جاؤ۔
 ان کے رعب پر اس نے سلگ کر ریسیور ہنچ دیا اور آ کر لاؤنچ میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد
 امی ادھر سے گزرنے لگیں تو بظاہر سرسری انداز میں پوچھ لیا۔

کیا کہہ رہے تھے فراز؟

کچھ نہیں، اس نے جواب دیکر ریسیور سے ٹی وی کی آواز تیز کر دی۔

بہر حال فراز کا فون آ جانے سے امی کو اطمینان ہو گیا تھا کہ ان کی طرف سے کوئی
 ناراضگی نہیں اور اس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ جب تک غصے میں ہے کسی
 کی کوئی بات نہیں سنے گی لیکن سعدیہ کو ایک کرید لگی ہوئی تھی۔ رات میں اس کے ساتھ سونے
 کیلئے لیٹی تو گھما پھرا کر پوچھتی رہی لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، کچھ بتا کے نہیں دیا۔

اصل میں وہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی کہ دیکھا اونچی اڑان اڑنے کا
 نتیجہ اور خود اس نے دیکھ لیا تھا پھر بھی وہ کہیں اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں تھی اور کیوں مانتی یہ صحیح
 ہے کہ وہ کچھ خود سر، خود غرض اور ہٹ دھرم واقع ہوئی تھی لیکن کسی کو نقصان تو نہیں پہنچایا تھا۔
 اپنے بارے میں جو سوچا چاہا اس کا حصول ممکن یا ناممکن ہر دو صورتوں میں وہ اپنی سوچ بدلنے
 کو تیار نہیں ہوئی تو اس میں بھی کسی کا نقصان نہیں تھا۔ وہ خود ذمہ دار تھی پھر جب تک شادی
 نہیں ہوئی تھی تو یہاں سب وقتاً فوقتاً اس کی خواہشات کو غلط قرار دینے کی سعی کرتے رہے

اور فراز نے بھی اپنے رویے سے اس پر یہی جتنا چاہا اسے دکھ اسی بات کا تھا کہ سب نے اسے مذاق بتالیا اور فراز نے تو حد کر دی صرف مذاق نہیں بلکہ مسلسل اس کی تذلیل کر رہے تھے۔

مانا کہ یہ گھر تمہارا آئیڈیل ہے لیکن یہ کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا، ان کا طنز یہ لہجہ میں جتنا۔

جو تم چاہتی تھیں وہ سب کچھ تو تمہیں حاصل ہو گیا، اب اور کیا چاہئے تمہیں؟
تمہارا حصول کوئی مشکل بات تو نہیں تھی کیونکہ میرے پاس وہ سب کچھ تھا جو تم چاہتی تھیں۔

اور تم دنیا کی بد صورت ترین لڑکی، میرا دل چاہا تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔
یہ ساری باتیں اس نے اس وقت بھی محسوس کی تھیں اور اب یہ جان کر کہ انہوں نے اس سے شادی ہی اسی مقصد کے تحت کی تھی کہ اپنی محرمیوں کا بدلہ لیتے ہوئے مسلسل اسی طرح اس کی تذلیل کرتے رہیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے اگر اول روز وہ اپنی داستان غم سنا دیتے تو وہ اسی وقت ہر شے کو ٹھوکر مار آتی، اب بھی وہ سب چھوڑ آئی تھی اور دوبارہ جانے پر تیار بھی نہیں تھی۔



تیسرے دن شام میں فراز خود آگئے وہ اس وقت برآمدے میں کھڑی تھی ان کی گاڑی کی آواز سننے ہی بھاگ کر کمرے میں بند ہو گئی۔
کہاں ہے وہ تمہاری تک چڑھی بہن؟ انہوں نے امی کو سلام کرنے کے بعد سعدیہ سے پوچھا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

ابھی تو یہیں تھی آپ بیٹھیں، میں بلاتی ہوں اسے، اس کے ساتھ ہی سعدیہ اپنے کمرے کی طرف آئی اور دروازہ بند دیکھ کر سمجھ گئی کہ اسے فراز کی آمد کی خبر ہو گئی ہے آہستہ سے دستک دے کر آواز دبا کر بولی۔

ٹانیہ! ہا ہر نکلو فراز بھائی آئے ہیں۔

مجھے ان سے نہیں ملنا، اندر سے اس کی حیر آواز آئی تو سعدیہ نے گھبرا کر پہلے پیچھے دیکھا پھر دروازے سے سر نکا کر بولی۔

یہ کیا بد تمیزی ہے، کیا سوچیں گے وہ۔

جوان کا دل چاہے سوچیں، تم میری طرف سے صاف لفظوں میں ان سے کہہ دو کہ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں نہ آئندہ کبھی انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس نے کہا تو سعدیہ پریشان ہی ہو گئی کیونکہ جانتی تھی کہ ان کی ناں ہاں میں نہیں بدل سکتی۔

پھر واقعی امی نے بھی ہر طرح کوشش کر لی، پیار سے سمجھایا، ڈانٹا لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث امی فراز کے سامنے بہت شرمندہ تھیں اور سعدیہ ان سے معذرت کرنے لگی تھی کہ وہ ٹوک کر بولے۔ کوئی بات نہیں، اسے اپنی من مانی کرنے دو۔

اس کے ساتھ ہی وہ جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تو سعدیہ جلدی سے بولی۔ کچھ دیر رک جائیں فراز بھائی، ابو آئے والے ہیں، ان کے کہنے سے وہ ضرور باہر نکلے گی۔

نہیں، کوئی زبردستی نہیں، میں پھر آؤں گا۔ وہ چلے گئے اور ان کے جاتے ہی سعدیہ نے بری طرح اس کا دروازہ پیٹ ڈالا۔ چلے گئے فراز بھائی، اب نکل آؤ۔ وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر بولی۔ تو اتنا چلا کیوں رہی ہو؟

آخر تمہیں اتنی بد تمیزی کا مظاہرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

بس خواہ مخواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔

وہ سعدیہ کو دھکیلتی ہوئی باہر نکل آئی تو امی نے اسے دیکھتے ہی منہ موڑ لیا، یہ انکی ناراضگی کا واضح اظہار تھا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی آنگن میں آ بیٹھی۔ عجیب منطق تھی اس کی کہ وہ جو کر رہی ہے، وہی ٹھیک ہے اور باقی سب کو اس کی تائید کرنی چاہئے اور ظاہر ہے ایسا اسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا جب وہ اصل بات بتاتی، وہ کچھ بتانے کو بھی تیار نہیں تھی اور چاہتی تھی سب اسے صحیح مان لیں اور شاید اسی لیے اپنے آپ میں تنہا ہوتی جا رہی تھی۔ امی اور سعدیہ نے اس روز کے بعد سے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ شام میں ابو آتے تو جتنی دیر بیٹھی وی دیکھتے وہ ان کے پاس بیٹھ جاتی تھی۔ عرفان سے وہ خود زیادہ بات نہیں کرتی تھیں

کیونکہ اس کے خیال میں وہ پہلے سے زیادہ بدتمیز ہو گیا تھا، اس وقت شجاع کے ساتھ آ رہا تھا اسے دیکھا تو سنا کر شجاع سے کہنے لگا۔

آپ کو پتہ ہے شچی بھائی دنیا بھر کے سائنس دان آج کل ایک عجیب و غریب مخلوق پر ریسرچ کر رہے ہیں، شجاع سمجھا نہیں اور وہ بری طرح تپ کر بولی۔
اور وہ مخلوق تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

دیکھ لیں شچی بھائی پھر آپ کہتے ہیں بڑی بہن کی عزت کیا کروا بھی میں نے اس سے کچھ کہا ہے۔

عرفان نے بڑی مصحوم سی شکل بنا کر شجاع سے کہا لیکن اس کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی، شجاع ب مشکل مسکرا ہٹ روک کر بولا۔
بہت غلط بات ہے پھر فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔
کیسی ہونٹا نیہ۔

بیچاری کو عالیشان بنگلہ اور آسائشات راس نہیں آئیں پھر اپنی اوقات پر آگئی ہے۔
اس سے پہلے عرفان نے کہا اور فوراً بھاگ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تو شجاع نے پریشان ہو کر اسے دیکھا، غصے کے باعث اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں، وہ خود سے اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہیں کر سکا، کچھ دیر بعد وہ اسے دیکھ کر بولی۔
کھڑے کیوں ہو بیٹھو۔

چچی جان اور سحر یہ کہاں ہیں؟ اس نے بیٹھنے سے پہلے پوچھا، اسے بتا کر قریبی مارکیٹ گئی تھیں پھر بھی اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ بے اختیار بولا۔
تمہیں کسی بات کا پتہ ہوتا ہے، وہی پرانا انداز تھا جسے محسوس کر کے وہ بولی۔
نہیں۔

پتہ رکھا کر داس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو دوسرے کی ذات سے کتنی دلچسپی ہے۔
دوسرے خواہ پسند کریں نہ کریں آپ دلچسپی لئے جائیں۔ وہ طنزیہ ہنسی، تب وہ موضوع بدلتا ہوا بولا۔

خیر چھوڑو تم اپنی سناؤ، کب آئیں، فراز کیسے ہیں؟ وہ بواب دینے کے بجائے کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

کیا بات ہے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟
دیکھ رہی ہوں تم واقعی اتنے انجان ہو یا انجان بننے کی کوشش کر رہے ہو؟
کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ میں فراز کا گھر چھوڑ آئی ہوں اس نے ایک ہی جملے میں گویا سب کچھ کہہ دیا اور یوں کہ کوئی ملال بھی نہیں تھا۔ وہ کتنی دیر حیرت کی تصویر بنا بیٹھا رہا پھر تاسف سے کہنے لگا۔

تم نے زندگی کو مذاق سمجھ لیا ہے ثانیہ کتنے آرام سے کہہ دیا کہ فراز کا گھر چھوڑ آئی ہوں آخر تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو کس بات کا زعم ہے تمہیں کہ اپنے سوا تمہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گی ارے لڑکیاں تو اپنے چھوٹے سے گھر کیلئے سود کھ جھیلی ہیں اور تم۔

میں بڑے گھر کے سکھ چھوڑ آئی ہوں یہی ناں۔ اس نے نخوت سے کہہ کر سر جھٹکا۔
بہت پچھتاؤ گی۔

میں نے پچھتنا نا نہیں سیکھا۔

سیکھا کیا ہے تم نے صرف۔

بس شجاع۔۔۔۔۔ وہ تیز لہجے میں ٹوک کر بولی۔

مجھے میری خوبیاں مت گنواؤ اپنے آپ سے میں خود بہت اچھی طرح واقف ہوں۔

پھر تو تمہیں ہر قدم بہت سوچ کراٹھانا چاہئے۔ اس کے جتانے پر وہ چیخ کر بولی۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟

سچ سننے کا حوصلہ ہے تو سنو تم جیسی لڑکیاں جو دنیا کو ٹھوکر پر رکھنا چاہتی ہیں وہ خود

ٹھوکروں میں آ جاتی ہیں۔

وہ اسے آئینہ دکھانے جا رہا تھا لیکن اس سے پہلے ہی وہ استہزائیہ زور سے ہنسی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سب اپنی اپنی فکر کرنے کے بجائے میرے لئے کیوں

پریشان ہوتے ہو۔

اس لئے کہ ہم سب تم سے محبت کرتے ہیں تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں لیکن تم بہت

خود غرض ہو ثانیہ۔ قصد ایسی حرکتیں کر کے ہمیں پریشان کرتی ہو کیونکہ تمہیں اپنی ذات سے

ہم سب کی وابستگی کا خوب اندازہ ہے اور تمہاری خود پسندی کی انتہا یہ ہے کہ تم ہمہ وقت سب کو اپنی طرف متوجہ رکھنا چاہتی ہو جس میں بڑی حد تک تم کامیاب بھی ہو۔
وہ جو بلا ارادہ ہی توجہ سے اس کی باتیں سننے لگی تھی اس کے خاموش ہونے پر دبی ہوئی سانس لیکر بولی۔

یہ محبت ہے ہمیشہ میرا مذاق اڑایا تم سب نے۔

مذاق اڑایا نہیں مذاق کیا تم نے سمجھا غلط۔

اور اب تم مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہو وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی جس سے اس نے قصد آخاموشی اختیار کر لی وہ قدرے توقف سے محض موضوع بدلنے کی خاطر پوچھنے لگی۔

سنو تم شادی کب کر رہے ہو؟

تم سفارش کر دو وہ مسکرا کر بولا۔

کس سے؟ اس کے پوچھنے پر وہ بے حد متعجب ہوا۔

کیا مطلب تمہیں نہیں پتہ؟ اس نے نفی میں سر ہلایا تو افسوس سے بولا۔

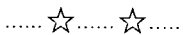
تمہیں واقعی کسی سے دلچسپی نہیں۔

یہ ہر بات کی تان مجھ پر کیوں ٹوٹتی ہے اس کے چڑنے پر وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

سنو سعدیہ سے کہنا میں اسے خوشیوں سے بھر پور زندگی دینے کا وعدہ نہیں کرتا لیکن کوشش ضرور کروں گا۔

اس کے ساتھ یہ وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا اور وہ سنائے میں بیٹھی رہ گئی۔

اور اب اسے دکھ نہیں اپنے آپ پر شرم محسوس ہو رہی تھی کس قدر بے خبر تھی اور وہ یہ بے خبری ثابت کر رہی تھی کہ اسے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں اور سعدیہ نے بھی اسے نہیں بتایا تھا نہ امی نے شاید اسی لئے کہ وہ خود کو الگ تھلک رکھتی تھی۔



رات میں جب سعدیہ سونے کیلئے لیٹی تو وہ اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس کو متوجہ کر کے پوچھنے لگی۔

سنو تم شجاع سے شادی سے انکار کیوں کر رہی ہو؟

سعدیہ نے چونک کر دیکھا تو کہنے لگی کیا صرف اس لئے کہ تم سے پہلے وہ مجھ سے۔
 نہیں، سعدیہ فوراً ٹوک کر بولی۔ مجھے فحشی بھائی ہمیشہ سے اچھے لگتے ہیں اور میں نے
 شادی سے انکار تو نہیں کیا۔
 پھر۔

بس میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے سعدیہ بہت
 سیدھے سادے انداز میں کہنے لگی مجھے امی کا خیال ہے وہ اکیلی ہو جائیں گی۔ جب تک
 عرفان کسی قابل نہیں ہو جاتا میں۔

عرفان کو ابھی بہت دیر ہے وہ درمیان میں بول پڑی اور پھر امی کے پاس میں ہوں۔
 تم۔۔۔ تمہارا ہونا نہ ہونا برابر ہے، تم کب تک ہو، فراز بھائی جب چاہیں تمہیں لے
 جاسکتے ہیں۔

میری مرضی کے بغیر نہیں لے جاسکتے، خیر تم میری بات چھوڑو اپنی بات کرو۔ وہ پہلے
 تنک کر بولی پھر فوراً سنسنھل کر اصل بات کی طرف آگئی تو سعدیہ کچھ الجھ کر بولی۔
 میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا، مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ میں فحشی بھائی سے شادی کرنا بھی
 چاہتی ہوں کہ نہیں۔

کیا مطلب؟ اس نے تعجب سے کہا تو سعدیہ اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور نکیہ کھینچ کر گود
 میں رکھتی ہوئی بولی۔

میں تمہیں اصل بات بتاؤں، ثانیہ، جب تایاجی اور تائی جی فحشی بھائی کا پروپوزل لیکر
 آئے تھے تو اسی وقت انہوں نے فرح اور عرفان کی بات بھی چھیڑ دی تھی اور امی ابو کی تو جیسے
 من کی مراد برآئی تھی۔ بہت خوش تھے سب، امی ابو عرفان اور شاید اپنے گھر میں فرح بھی
 اور جب امی نے مجھ سے فحشی بھائی کے بارے میں پوچھا تو اس وقت ان کا چہرہ اچانک مل
 جانے والی خوشیوں سے دمک رہا تھا۔ میں پریشان ہو گئی بلکہ بہت مشکل میں پڑ گئی تھی، مجھے لگا
 اگر میں نے انکار کیا تو یہ خوشی سے دھکتے ہوئے چہرے بجھ جائیں گے۔ کاش میں بھی تمہاری
 طرح تھوڑی خود غرض ہوتی، ثانیہ، کسی کی پرواہ نہ کرتی لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو سکا، ان سب کی
 خوشیوں کی خاطر میں نے اپنے دل کا دیبا بھادیا۔

تم۔۔۔ وہ جو غور سے سن رہی تھی اس کی آخری بات پر چونک کر کچھ کہنا چاہتی تھی

کہ سعدیہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

نہیں ثانیہ! وہ کون تھا کا سوال مت اٹھانا، بڑی مشکل سے خود کو سمجھ پائی ہوں۔
لیکن تم اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہو، اس نے زور دے کر احساس دلانا چاہا تو سعدیہ
دھیرے سے مسکرائی۔

دوسروں کی نسبت اپنے ساتھ کی گئی زیادتی کم تکلیف دیتی ہے اور پھر دوسرے کوئی
غیر تہ نہیں سب میرے اپنے ہیں، ان کی خاطر دل کیا جان دی جاسکتی ہے۔
وہ اچانک گم سم سی ہو کر اسے دیکھے گئی، تب سعدیہ اس کا ہاتھ دبا کر ہنس کر بولی۔
ارے جب میں خوش ہوں تو تمہیں افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔
تم خوش ہو۔۔۔ ایسے ہی گم سم سے انداز میں بولی تو جواب میں سعدیہ نے شوخی
سے جتایا۔

دیکھو تم پا کر خوش نہیں ہو اور میں کھو کر بھی خوش ہوں۔
لیکن میں نے کیا پایا، کھویا بھی کچھ نہیں۔ وہ غائب دماغی سے کہہ کر غالباً اسی منہ پر
سوچنے میں لگ گئی۔ تبھی دروازے میں فراز کا چہرہ نمودار ہوا تو سعدیہ انہیں دیکھ کر چونک گئی
فوراً اسے متوجہ کرنا چاہتی تھی کہ انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ
کیا پھر ایک دم اس کے سامنے آ کر بولے۔
ہیلو وہ یونہی خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

مجبوراً چوروں کی طرح آنا پڑا کہ کہیں تم دروازہ بند نہ کر لو، ویسے تو میں سب دروازے
توڑنے کا تہیہ کر کے چلا تھا۔ انہوں نے کہا تو سعدیہ ہنس کر بولی۔
دھاندلی۔

اس کے ساتھ سب جائز ہے۔

نہیں فراز بھائی۔

تم خاموش رہو بلکہ یہاں خاموش بیٹھ کر کیا کرو گی، جاؤ چائے بنا لاؤ۔

انہوں نے سعدیہ کو وہاں سے کھسکانا چاہا لیکن وہ سمجھ کر شرارت سے بولی۔ نہیں میں
یہیں خاموش بیٹھوں گی بس آنکھیں کھلی رکھوں گی کیونکہ مجھے لڑائی کے بعد صلح کا منظر دیکھنے کا
بہت شوق ہے۔

لیکن ہماری تو کوئی لڑائی نہیں ہوئی، کیوں ثانیہ؟
وہ کچھ جربزی ہو کر ان کی طرف سے منہ موڑ گئی تو وہ سر کھجاتے ہوئے سعدیہ کو دیکھنے لگے۔

میں چائے لاتی ہوں، سعدیہ ہنستی ہوئی اٹھ کر چلی گئی تو وہ اسے کندھا مار کر بولے۔
چلو بہت من مانی کر لی تم نے۔
مجھے کہیں نہیں جانا، وہ ان کے قریب بیٹھنے پر اپنے آپ میں سمٹ کر بولی۔
میں کہیں کی نہیں اپنے گھر کی بات کر رہا ہوں۔
آپ کے گھر بھی نہیں، اس کے آپ کا گھر کہنے پر وہ خاموش ہو گئے پھر قدرے توقف سے کہنے لگے۔

دیکھو میں مانتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ زیادتی کر گیا ہوں لیکن تمہیں اس طرح اپنا گھر چھوڑ کر نہیں بیٹھنا چاہئے، چلو اٹھو۔
وہ نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہتے تھے لیکن اس کے پیچھے ہٹنے پر انہوں نے جھپٹنے کے انداز میں اس کا ہاتھ اپنی مٹھی میں دبا لیا اور اسے اپنی طرف کھینچ کر بولے۔
خود سے چلو گی یا اٹھا کر لے جاؤں؟

کیوں، کیوں لے جانا چاہتے ہیں آپ مجھے، جب آپ کو مجھ سے۔۔۔۔۔
وہ تیز لہجے میں بولی اور ایک دم خاموش بھی ہو گئی تو وہ سمجھ کر بولے۔
محبت ہے تب ہی تو چاہنے کے باوجود تمہیں کوئی کڑی سزا نہیں دے سکا۔
آپ کی لا تعلقی سے بڑھ کر کوئی کڑی سزا ہو سکتی ہے۔
وہ بے اختیار کہہ گئی، اس کے بعد ان کی بے اختیاریوں پر بند باندھنے کیلئے اسے فوراً ان کے ساتھ چلنے کا وعدہ کرنا پڑا ساری خفگیاں بھلا کر ورنہ کون روک سکتا تھا انہیں۔

مسافتوں کی گرد سے

اماں میری حالت دیکھ رہی ہیں آپ مجھ سے اب اور برداشت نہیں ہوتا۔ میں نے انتہائی عاجزی سے اماں کے کھٹنے تھام لئے، آنسو تو اب یوں بھی ہر پہل آنکھوں کی دہلیز پر رہتے تھے، جھلکتے چلے گئے۔

میں اکیلی جان نہیں ہوں اماں، بچوں کا ساتھ ہے، کچھ ان کا خیال کریں۔ کیا کروں میں بتاؤ، گھر بٹھالوں تمہیں اور سجاد تو چاہتا ہی یہی ہے۔ آزاد ہونا چاہتا ہے نامر اذناں بیٹی اس طرح تو وہ اور غیر ذمہ دار ہو جائے گا۔ اماں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ وہ میرے حالات سے بخوبی واقف تھیں۔

اب کون سا ذمے دار ہے ایک ایک روٹی کو ترسانا ہے۔ میں بھوکی رہ سکتی ہوں لیکن بچے، اماں اسے بچوں کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ گڑیا کو دیکھیں تین دن سے بخار میں پڑی ہے۔ ہائے میری بچی، اماں فوراً گڑیا کی طرف متوجہ ہوئیں پھر بڑھ کر اسے گود میں بھر لیا اور پیار کرنے کے بعد پوچھنے لگیں۔

دوایا اس کی؟

کہاں سے لاؤں، سجاد سے کہتی ہوں صاف منع کر دیتا ہے۔ کہتا ہے میرے پاس فالٹو خرچے نہیں ہیں۔

یہ فالٹو خرچہ ہے خدا کی مار اس پر۔ بچی بخار میں جل رہی ہے نامر اذ کو خالی پیدا کرنے کا شوق ہے۔ اماں سجاد کو کوستی ہوئی کھڑی ہو گئیں لاؤ کوئی شیشی دوا ابھی ڈاکٹر بیٹھا ہوگا، میں دکھا آتی ہوں بچی کو۔

اماں آپ نہیں لے جائیں، میں نے گڑیا کو ان کی گود سے لینا چاہا تو وہ میرے ہاتھ جھٹک کر بولیں۔

ہو پڑے اور غالباً اس خیال سے کہ کہیں ڈاکٹر چلا نہ جائے فوراً گڑیا کو لیکر چلی گئیں تو میں کچن میں آ کر ڈبے کھنگانے لگی، تھوڑی سی مونگ کی دال اور چاول نکل آئے۔ میں نے دونوں کو یکجا کر کے جلدی سے دھو کر کھجڑی چڑھا دی۔ جواد کے اسکول سے آنے کا وقت بھی ہو رہا تھا، صبح سے گڑیا نے اپنے پاس سے اٹھنے نہیں دیا تھا ورنہ یہ کام میں پہلے ہی کر لیتی۔ خیر کھجڑی جلدی تیار ہو گئی پھر جواد اسکول سے آیا۔ اس کے پیچھے اماں بھی گڑیا کو لیکر آ گئیں، بے چاری ہانپ گئی تھیں۔ میں نے فوراً ان کی گود سے گڑیا کو لے کر بستر پر لٹایا اور اماں بیٹھیں تو کچھ دیر سانس لینے کے بعد دوا کی شیشی مجھے تھماتے ہوئے بولیں۔

لو چار چار گھنٹے سے دینا اور ڈاکٹر نے کہا ہے کھانے میں صرف کھجڑی۔

ہاں اماں میں نے کھجڑی بنا دی ہے آپ کیلئے لاؤں؟
نہیں بچوں کو دو، میں اب چلوں گی۔ تمہاری بہنیں کہیں گی جہاں جاتی ہوں وہیں کی ہو جاتی ہوں۔ اماں کہتے ہوئے کھڑی ہوئیں تو جواد آ کر انکی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔
نانی اماں آپ نہیں جائیں۔

میں پھر آؤں گی بیٹا، اماں نے اسے پیار کیا پھر مجھ سے کہنے لگیں۔

مت جی کو لگایا کر دے اللہ نے تمہیں اتنے پیارے بچے دیئے ہیں، دیکھنا کتنا سکھ دیں گے تمہیں۔

دکھوں کی گود میں پلٹنے والے سکھ کہاں سے لائیں گے، میں نے سوچا۔

اچھا میں چلتی ہوں اور دیکھو ایسی کوئی پریشانی ہوا کرے تو کم از کم مجھے کہلو اتو دیا کرو۔

ان کا اشارہ گڑیا کی بیماری کی طرف تھا، میں نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا اور انہیں

چھوڑنے دروازے تک آئی تو وہ جاتے جاتے بھی مجھے سمجھانے لگیں۔

دکھ سکھ تو زندگی کے ساتھ ہوتے ہیں، صبر سے کام لو، تم پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو، میکے کا

حال تم سے چمپا نہیں، ایک تمہارا باپ کمانے والا ہے۔

بھیا کا کیا ہوا، ابھی تک کوئی نوکری نہیں ملی۔

اب کیا کہوں ایک تو نوکری ملتی نہیں، دوسرے مجھے تمہارے بھیا کی نیت بھی ٹھیک نہیں

لگتی بیٹھ کر کھانے کی عادت جو ہو گئی ہے۔ نہ بوڑھے باپ کا خیال نہ جوان بہنوں کا پتہ نہیں کیا سوچے بیٹھا ہے۔

تفکرات میں گہری اماں کے سامنے میں نے اپنی فکر بھلا دی، یوں ہی اپنا دکھ اسی وقت رلاتا ہے جب دوسرے کا احساس نہیں ہو، ابھی اماں مجھے حوصلہ دے رہی تھیں اب میں انکا بوجھ کم کرنے لگی۔

بھیا کو احساس ضرور ہوگا اماں! اصل میں نوکری اتنی آسانی سے ملتی بھی تو نہیں ہے۔
کوشش تو کرنی چاہئے، تمہارا بھائی تو کوشش بھی نہیں کرتا۔
اب آپ کو کیا پتہ۔

ہاں! آں۔ اماں نے پرسوج اور تاسف بھرے انداز میں ہاں کہا پھر مجھ سے پوچھنے لگیں۔

سجاد تو کام پر جا رہا ہے ناں۔

جی اماں! اللہ کا شکر ہے ابھی تو کسی اچھی کمپنی میں لگے ہوئے ہیں بس دعا کریں چھوڑیں ناں۔

ہاں ایک تو اس میں یہ بری عادت ہے اچھی بھلی لگی لگا کی روزی چھوڑ کے بیٹھ جاتا ہے قسمت کی بات ہے۔ کسی کو ملتی نہیں اور کوئی۔ اچھا خیر میں چلتی ہوں، گڑیا کو دوا وقت پر دیتا۔
اماں چلی گئیں، میں دروازہ بند کر کے اندر آئی ت جو ادب و نیقا رام اتار چکا تھا۔ میں نے جلدی سے اسے کپڑے پہنائے پھر دو پلیٹوں میں کچھڑی نکال کر لے آئی اور گڑیا کو گود میں لیکر اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔

امی آپ بھی کھائیں ناں، جو ادب اپنی پلیٹ میرے آگے کرتے ہوئے بولا۔

آپ کھا دینا، مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔

میں نے اس کا گال تھپکا تو وہ گڑیا کو دیکھ کر کہنے لگا۔

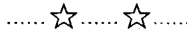
امی! آج گڑیا کی مس نے مجھے بلایا تھا، کہہ رہی تھیں گڑیا اسکول کیوں نہیں آتی، میں

نے بتایا کہ گڑیا کو بہت تیز بخار ہے۔

امی گڑیا کا بخار کب ٹھیک ہوگا؟

ٹھیک ہو جائے گا بیٹا، میں ابھی اسے دوا دوں گی۔ انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائے گا، چلو

اب تم جلدی سے کھانا کھاؤ۔
میں نے اس کی توجہ کھانے کی طرف دلائی پھر گڑیا کو لٹا کر اس کیلئے پانی لے کر آئی تو
اسے دوا بھی پلا دی۔



رات تک گڑیا کا بخار کافی کم ہو گیا تھا، سجاد کو معلوم بھی تھا کہ گھر میں بچی بیمار ہے اور وہ
اس کی دوا دارو کیلئے تو کیا کھانے پکانے تک کیلئے کچھ نہیں دے گیا تھا پھر بھی رات بہت دیر
سے لوٹا۔ اس وقت تک میں بچوں کو وہی دوپہر کی بچی ہوئی کھجڑی کھلا کر سلا چکی تھی اور سجاد
کی ڈھنٹائی پر میں پوری جان سے سلگ گئی جو وہ آتے کہنے لگا۔

جلدی سے کھانا لاؤ، بہت بھوک لگی ہے۔
میں ششدر کھڑی اسے دیکھ گئی تو چلا کر بولا۔
میں نے کھانا مانگا ہے، نہیں ہے تو صاف بولو، اس طرح گھور کیوں رہی ہو۔
میں اب بھی کچھ نہیں بول سکی تو وہ کرسی کو ٹھوکر سے گراتا ہوا اپنے آپ بڑبڑانے لگا۔
منحوس، پھوہڑ عورت، کبھی جو خیال کیا ہو کہ دن بھر کا تھکا ہارا آئے گا، اس کیلئے ایک
روٹی ہی رکھ دوں، سارا اپنے میکے کو ٹھونستی ہے، بھیک مانگے کہیں کے۔
اس کے آخری جملوں نے میرا دماغ گھما دیا، بہت ضبط کرنے پر بھی میں تمللا کر
بولی۔

تم سے پھر بھی ہزار درجے اچھے ہیں، میرے میکے والے۔ کم از کم گھر میں دو وقت
چولہا تو جلتا ہے اور تمہارے بچوں کو بھی کھلا جاتے ہیں۔
بس رہنے دو، میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں ان کی اوقات۔
تم سے اچھی ہے، میں ناگواری سے کہتے ہوئے کمرے سے نکلنے لگی کہ وہ جارحانہ
انداز میں میرے سامنے آکھڑا ہوا۔

تم، تم ہمیشہ میکے کو مجھ پر فوقیت دیتی ہو تو چلی کیوں نہیں جاتیں ان کے پاس۔
دیکھو سجاد، خواہ مخواہ بات مت بڑھاؤ، ابتداء تمہاری طرف سے ہوئی ہے، تم جتنا
میرے میکے کو برا کہو گے اتنے ہی میرے نظر میں برے بنو گے۔ بجائے ان پر تنقید کرنے کے
اپنے آپ کو دیکھو۔

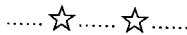
کیا دیکھوں اپنے آپ کو اس کا انداز ہنوز تھا جبکہ میں نے لہجہ دھیمّا کر لیا۔
تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ تم اب چھڑے چھانٹ نہیں بلکہ بال بچوں والے ہو
گڑیا تین دن سے بخار میں پڑی ہے، گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ تم اگر میرے ہاتھ میں
پیسہ نہیں دینا چاہتے مت دو لیکن گھر میں راشن تو ڈالو۔
لایا تو تمہارا راشن۔

ایمانداری سے کہو کتنا لائے تھے؟
مجھے نہیں پتہ آئندہ لکھ کر دے دیا کرو پھر محض اپنی بات رکھنے کی خاطر کہنے لگا۔
تمہیں جتنا بھی لاکر دوں چار دن میں ختم کر دیتی ہو دو آدمی کا کھانا ہی کتنا ہوتا ہے کیا
ضرورت ہے اتنا پکانے کی۔

بہر حال صبح ایسے ہی مت چلے جانا آج تو تھوڑے بہت چاول نکل آئے تھے کل
کیلئے وہ بھی نہیں ہیں اور ہاں تمہیں اگر بھوک لگی ہے تو آٹا لے آؤ، میں روٹی پکا دیتی ہوں۔
حالانکہ میں جانتی تھی کہ وہ کھانا کھا کر آیا ہوگا اور محض یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا ہم نے کیا
کھایا ہے اس نے آتے ہی کھانا مانگا تھا پھر بھی میں نے اس کی بات رکھ لی تو وہ جواد کو ایک
طرف کھسکا کر اپنے لئے جگہ بناتے ہوئے بولا۔
نہیں اب تو صبح ہی لاؤں گا، یوں بھی دکانیں بند ہو چکی ہیں۔

میں اس کی بات سن کر کمرے سے نکل آئی، باہر کا دروازہ چیک کیا پھر پکن اور
برآمدے کی لائیں آف کر کے دوبارہ اندر آئی تو وہ جود کے بالوں میں منہ چھپائے لیٹا تھا
میں چپ چاپ گڑیا کے پاس لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد ہی اس کے خراٹوں کی آواز آنے لگی تو
مجھے اس پر رشک آیا۔

کیا بے فکر شخص ہے، کتنے آرام سے سو جاتا ہے۔ جاگتی تو میں ہوں، شاید ساری
عورتیں جاگتی ہیں اور جو سوتی ہیں وہ بھی اپنی نیند نہیں سوتیں۔ اپنی نیند تو جیجے کی دہلیز پر
رہ جاتی ہے۔



کیسا بے فکری کا زمانہ ہوا کرتا تھا پھر میں بھی کچھ ایسی ہی تھی، لا پرواہ، شوخ، کھلندری،
بات بے بات بے تحاشا ہنسنے والی اور میری ہنسی سے اماں بہت شاکر رہتی تھیں، اکثر ٹوکتیں،

کبھی بہت سنجیدگی سے سمجھاتیں لیکن میں سمجھتی تو جبکہ ہنسی میرے اختیار میں ہوتی۔ مجھے ہرگز اپنی ہنسی پر کنٹرول نہیں تھا۔ نہ ہی میں شرارتوں سے باز رہ سکتی تھی۔ چھوٹی دونوں تو یعنی مجھ سے عاجز رہتیں، اتنی ہی محبت بھی کرتی تھیں کیونکہ میں ان کے گڑیا کے کپڑے وغیرہ ہی دیتی تھی اور ان کے ساتھ کھیل میں بھی شریک ہو جاتی۔ یہ الگ بات کہ بعد میں انہیں میری ہی وجہ سے اپنا کھیل بند کرنا پڑا تھا۔ بہر حال اپنی ایسی ہی عادتوں کے ساتھ میں نے بڑی بے فکری کی زندگی گزاری تھی۔ اسکول پھر کالج سے آ کر بھی لمبی تان کر سونا، شام میں اماں جب تک مجھ پر پانی نہیں پھینکتی تھیں میں اٹھتی نہیں تھی۔ کام سے البتہ جی نہیں چراتی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ جو کام کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا، وہ نہیں کرتی تھی اور میرے پہلی بار ہی منع کرنے پر اماں سمجھ جاتیں کہ اب مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور کیونکہ میں کبھی کبھی ہی کسی کام کو منع کرتی تھی، اس لئے اماں تو براہ امتنانیں نہ زبردستی کرتیں پھر انٹر کرتے ہی میری شادی طے پا گئی تو ہر ایک مجھے ٹوکنے لگا تھا۔

اصل زندگی اب شروع ہو گئی اور وہ یوں ہنسی ہنسی میں نہیں گزر جاتی، یہاں تو بڑی سے بڑی پریشانی ہو، اماں باپ اپنی ذات پر جمیل جاتے ہیں، بچوں کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے، وہاں ذرا ذرا سی بات پریشان کرتی ہے۔

اور میں نے بجائے کسی کی بات کو سنجیدگی سے لینے کے ہنسی میں اڑا دیا تھا۔

موقع مل گیا ہے سب کو، خواہ خواہ ڈراوئے دے رہے ہیں۔ ہے ہی کون سسرال میں، نندیں ہیں تو اپنے گھروں کی، جینٹھ بھی الگ رہتے ہیں، مجھے تو اکیلا گھر ملے گا۔ میں بہت خوش تھی اور ابتدائی دنوں میں تو واقعی بہت خوش رہی تھی۔ سجاد سرام آفس سے لوٹ آتا پھر ہم کہیں نہ کہیں گھومنے نکل جاتے۔ رات کا کھانا میں پکا کر رکھ جاتی تھی کیونکہ اماں نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی کہ مرد کو باہر کے کھانے کی عادت مت لگنے دینا اور جانے کیسے یہ بات میں نے پلو سے باندھ لی تھی۔ کسی کسی دن سجاد باہر کھانے کیلئے کہتا بھی تو میں سہولت سے منع کر دیتی۔ بہر حال خوشیوں کا وقت پر لگا کر اڑتا ہے۔ میری زندگی کے وہ دن پلک جھپکتے میں گزر رہے تھے، تین ماہ بعد ڈاکٹر نے مجھے ماں بننے کی نوید دی، ادھر سجاد نوکری چھوڑ کر بیٹھ گیا اور عجیب بات یہ تھی کہ اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ اس کی بے فکری پر پہلے تو میں بھی یہ سوچ کر اطمینان سے رہی کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے کہیں اور بات کر رکھی ہو لیکن جب میری بڑی ننہ کو

معلوم ہوا تو وہ آ کر اسے میرے سامنے لٹاڑتے ہوئے بولی تھیں۔
یہ تم نے کیا تماشا بنا رکھا ہے، اب تم اکیلے تو نہیں ہو، بیوی ہے کل کو ماشاء اللہ بچہ بھی ہو
جائے گا، کہاں سے کھلاؤ گے انہیں۔

فکر نہیں کرو تم سے مانگتے نہیں آؤں گا۔
اس کے جواب پر میں سشدر رہ گئی یعنی بڑی بہن کے ساتھ اتنی بدتمیزی سے بات کر
رہا تھا اور غالباً وہ عادی تھیں ٹو کے بغیر کہنے لگیں۔
نہیں آخر تم نے نوکری چھوڑی کیوں؟
نہیں تھی میرے مطلب کی، چھوڑ دی۔

اب کیا کرو گے؟
تمہیں کیا فکر ہے، تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا کرو۔ وہ بدتمیزی سے کہتا ہوا باہر نکل
گیا، تب آپا زری سے سمجھانے لگی تھیں۔

تم اس کی باتوں میں نہیں آنا شہلا، نہ ہی اسے ڈھیل دینا۔ اسے اس کی ذمہ داریوں کا
احساس دلاؤ، مشکل سے چار مہینے کام کرتا ہے پھر گھر بیٹھ جاتا ہے اس طرح تو گھر نہیں چلے
گا۔

اور آپا کے کہنے پر میں نے اسے ٹو کننا شروع کیا تو کسی وقت وہ میری بات سن لیتا اور
کسی وقت بگڑ جاتا، بہر حال ہمارے پاس کوئی جمع پونجی تو تھی نہیں جو کچھ وقت اس کے
سہارے گزر جاتا۔ چند دنوں میں ہی میں پریشان ہو گئی کیونکہ دوسری ضروریات تو ایک
طرف رہیں کھانے کیلئے بھی اس سے کچھ کہتی تو وہ الٹا مجھے کھانے کو دوڑاتا تھا اور میں ان
دنوں ایسی حالت میں تھی کہ مجھ سے کوئی بات برداشت نہیں ہوتی تھی۔ نتیجتاً ہر وقت لڑائی
جھگڑا رہنے لگا، اس روز وہ اپنی بیروزگاری کا ذمہ دار مجھے ٹھہراتے ہوئے ساتھ ہی مجھے مخوس
بھی قرار دے رہا تھا اور میں طبیعت کی خرابی کے باعث ایسی نڈھال ہو رہی تھی کہ اس کی
طرف سے کان بند کئے چپ چاپ آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اپنے آپ بولتا رہا، جب میری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو باہر
نکل گیا پھر اس کی واپسی شام میں ہوئی تو سیدھا کچن میں چلا گیا، کچھ دیر بعد میرے لئے
چائے لیکر اندر آیا۔ ایک پلیٹ میں سمو سے بھی تھے، میں چپ چاپ لیٹی رہی کیونکہ اس وقت

ایسی ایسی باتیں سنا گیا تھا کہ اب میرا اس سے بات کرنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔
 ناراض ہو؟ وہ میرے پاس بیٹھتے ہوئے بولا میں خاموش رہی تو میرا ہاتھ تھام لیا۔
 معاف کر دو؟ یہ نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے خواہ مخواہ تم پر بگڑنے لگتا ہوں۔
 ایسا صرف بیکاری کی وجہ سے ہے سارا دن گھر بیٹھے رہو گے تو یہی ہوگا۔ میں نے
 موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا۔

ٹھیک کہتی ہو مجھے خود احساس ہے لیکن اب نوکری اتنی آسانی سے تو نہیں ملے گی۔
 ابھی ایک ٹھیکیدار کے پاس گیا تھا، نوکری تو نہیں ہے اس کے پاس خیر تم یہ سمو سے کھاؤ اٹھ
 کر بیٹھو ناں۔ اس نے مجھے ہاتھ سے سہارا دے کر بٹھایا اور سمو سے کی پلیٹ میری گود میں
 رکھ کر اصرار سے کھلانے لگا۔

اعزاز سے ظاہر تھا کہ اپنے رویے کی تلافی کر رہا ہے اور میں نے بھی بھلا دینا ہی
 مناسب سمجھا اس کے ہاتھ سے سمو لے کر وہ بولی۔

تم کچھ کہہ رہے تھے ہاں کیا کہا ٹھیکیدار نے؟
 وہ ٹھیکے پر کام دے رہا ہے لیکن اس کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہوگی اور ہمارے
 پاس تو وہ مایوسی سے سر ہلانے لگا تو میں نے یونہی پوچھ لیا۔
 کتنے پیسوں کی؟

بھی کوئی چار پانچ ہزار۔ اس نے پہلے اسی قدر کہا پھر قدرے توقف سے اپنے آپ
 کہنے لگا چنانچی پلاسٹر کا کام ہے دو تین مزدور لگا دوں گا، بس ابتداء میں انہیں پیسے دینے کا
 مسئلہ ہے پھر دو مہینے بعد تو مجھے پے منٹ مل جایا کرے گی۔ کافی منافع بخش کام ہے میرے
 دیکھتے ہی دیکھتے لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے، بس کہیں سے چار پانچ ہزار کا انتظام ہو جائے
 تو میں کل ہی سے کام شروع کر دوں۔

کون دے گا اتنی رقم، میں سوچ میں پڑ گئی اور وہ اپنے ایک ایک بہن بھائی کا نام لینے
 کے ساتھ مایوسی کا اظہار بھی کرتا گیا آخر میں کہنے لگا۔

میرے بہن بھائی تو بس ایسے ہی ہیں، لیکچر دینے آ جاتے ہیں کسی کو میرا کوئی خیال
 نہیں نہ کوئی وقت پر میرے کام آنے والا ہے۔ کچھ دیر اپنے بہن بھائیوں کو برا بھلا کہنے کے
 بعد مجھ سے بولا۔

تم اپنے ابا سے کہو میں میں بہت جلد انہیں لوٹا دوں گا۔
میں فوراً کچھ نہیں بولی، کچھ دیر تمام پہلوؤں سے سوچنے کے بعد میں نے سہولت سے
منع کرتے ہوئے کہا۔

نہیں سجاد میرے میکے میں تمہاری بہت عزت ہے اس طرح تو۔
میں جانتا ہوں یہ مناسب نہیں ہے لیکن اور کون ہے ہمارا۔

پھر بھی سجاد مجھے اچھا نہیں لگتا، میں اس لئے بھی ہامی نہیں بھر رہی تھی کہ میکے کا حال
جانتی تھی۔

پتہ نہیں ابا کے پاس اتنی رقم ہوگی بھی کہ نہیں، میری شادی پر وہ اتنے مقروض ہو گئے
تھے اور ابھی تو قرض بھی نہیں اتر ا تھا۔ یہ سب میں سجاد کو نہیں بتا سکتی تھی کیونکہ مجھے ان کی
عزتوں کا خیال تھا۔ اور یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔ ساری زندگی میکے اور سرال کی عزتوں کا خیال
کرتے کرتے خود ہماری عزت دو کوڑی کی رہ جاتی ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ سجاد کا اصرار
نکمرار میں بدلتا میں نے اپنے زیور کی موٹی موٹی چیزیں اس کے حوالے کر دیں اور اس وقت تو
وہ میرا مشکور ہونے کیساتھ بار بار یہی کہتا رہا تھا کہ وہ بہت جلد مجھے اس سے اچھا زیور بنا
دے گا، بہر حال میں نے اس کا یقین کر لیا۔ اس بات پر بھی کہ اس نے اپنا کام شروع کر
دیا ہے اور یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی کیونکہ اگلے دن سے ہی وہ صبح کا گیارہ گھنٹے
لوٹا تھا۔ ایک آدھ بار میں نے جلدی آنے کو کہا تو بگڑتے ہوئے بولا تھا۔

کوئی نوکری نہیں ہے کہ مخصوص ٹائم پر چھٹی ہو جائے گی، اپنا کام ہے ابھی محنت کروں
گاتب ہی آرام کے دن آئیں گے اور میں نے سوچا ٹھیک تو کہہ رہا ہے لیکن وہ ٹھیک نہیں
کہہ رہا تھا کیونکہ چند دن نہیں گزرے تھے کہ وہ پھر گھر میں نظر آنے لگا، میرے استفسار پر
کہنے لگا۔

میں مزدوروں کو کام سمجھا آیا ہوں، پلاسٹری تو کرتا ہے، میں دو چار دن میں چکر لگا لیا
کروں گا اور اس کا یقین کرنا میری مجبوری تھی کیونکہ میں بہت عام سی لڑکی تھی۔ دنیا کے اسرار
و رموز سے قطعی نا بلد پھر یہ خیال بھی تھا کہ وہ بھلا مجھ سے جھوٹ کیوں بولے گا۔ اماں کو بھی
میں نے بتا دیا تھا کہ سجاد نوکری چھوڑ کر اپنا کام کرنے لگا ہے، جس پر انہوں نے خوشی کا اظہار
کیا تھا۔

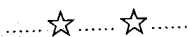
اچھا ہے اللہ کا روبرو میں برکت و ترقی دے، نوکری میں کیا رکھا ہے، وہی لگی بندھی تنخواہ۔ جس میں روٹی ہے تو کپڑا نہیں، کپڑا ہے تو روٹی نہیں۔

اور جب میں نے اماں کی بات پر غور کیا تو مجھے اپنے گھر میں آمدنی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ یعنی جیسا کہ سجاد نے کہا تھا کہ دو مہینے بعد اسے پیسے مل جائیں گے تو اسے کام شروع کئے ہوئے تو ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا اور سجاد نے پیسے ملنے کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس میں نے غور کیا تو وہ مجھے کچھ چورسا نظر آیا پھر بھی میں نے فوری طور پر اس سے کوئی باز پرس نہیں کی البتہ گا ہے بگا ہے اسے عنقریب ڈیلیوری پر ہونے والا خرچہ سنانے لگی تاکہ اسے احساس ہو اور اس نے اتنا احساس کیا کہ ڈیلیوری سے چند دن پہلے مجھے اماں کے گھر چھوڑ کر یہ کہہ کر فیصل آباد چلا گیا کہ دو دن میں لوٹ آئے گا اور پورے دو مہینے بعد لوٹا تھا اگر مجھے ذرا سا بھی شبہ ہوتا کہ وہ خرچے سے جان چھڑا کر گیا ہے تو میں کسی وقت عاجز آ کر اماں کو بتا دیتی اور خود بھی پریشان نہ ہوتی۔ اس کے برعکس میں نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا، کبھی ابا اور کبھی بھیا کی منتیں کرتی کہ اس کا پتہ کریں۔ جانے کہاں چلا گیا ہے سب مجھے تسلیاں دیتے۔

آجائے گا، کوئی بچہ نہیں ہے، کوئی کام پڑ گیا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔

اور آنے کے بعد اس نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ مجھے اماں کے ہاں چھوڑنے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا اور پھر میں کب تک اس کی پردہ پوشی کرتی۔ اس کے بہن بھائی تو اس سے واقف ہی تھے میرے گھر والے بھی جان گئے کہ وہ ہر احساس سے عاری ذمہ داریوں سے جان چھڑانے والا نکما شخص ہے۔ جب تک ایک ایک پائی کو محتاج نہ ہو جاتا کام کی تلاش میں نہیں نکلتا تھا اور مشکل سے تین چار مہینے کام کرتا پھر چھوڑ کر بیٹھ جاتا اور اکثریت کی طرح اس کے بہن بھائیوں نے بھی یہ سوچ کر اس کی شادی کی تھی کہ بال بچوں کی ذمہ داریاں اسے سدا حار دیں گی لیکن اسے تو بچوں کا بھی احساس نہیں تھا۔ النادہ اپنی پریشانیوں کا سبب ہمیں بتانے لگا۔ دھڑلے سے کہتا تھا کہ اچھی بھلی بے فکری کی زندگی گزار رہا تھا، پتہ نہیں تو منحوس کہاں سے آ گئی۔ اور میں کسے الزام دیتی۔ شاید واقعی میں منحوس تھی کہ کسی طرح اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکی۔ پتہ نہیں کس مٹی کا بنا ہوا تھا کہ میری نرمی، محبت اور خدمت گزار یوں پر بھی شبہ کرتا۔ اس سے ظاہر تھا کہ وہ خود جیسا تھا یعنی مطلب کے وقت

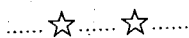
مجھ سے محبت جتا لیتا تو مجھے بھی ایسا ہی سمجھتا تھا، بہر حال میں اپنی حرماں نصیبی پر سوائے آنسو بہانے کے اور کیا کر سکتی تھی۔ ہمارے معاشرے میں عورت خصوصاً متوسط طبقے کی عورت یونہی سسک سسک کر زندگی گزارتی ہے۔



جواد کے بعد گڑیا کی پیدائش پر بھی اس نے وہی کیا، یعنی مجھے اماں کے گھر بھیج دیا۔ اس بار اس نے نئی چال چلی تھی، خواہ مخواہ کا جھگڑا گالی گلوچ اور اب تو ہاتھ بھی اٹھانے لگا تھا۔ ڈیلیوری سے ایک مہینہ پہلے ہی اس نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اور میں نادان تھی باقی سب تو نادان نہیں تھے۔ اماں مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ اس نے پھر خرچے سے جان چھڑائی ہے اور جب انہوں نے مجھ سے کہا تو جانے کیوں مجھے برا لگا۔ ہائے ہم عورتیں ستم کر کیلئے بھی مچائش رکھتی ہیں، میں اماں کے سامنے صفائیاں پیش کرنے لگی تھی۔

نہیں اماں اب وہ بیکار تو نہیں ہے۔ نوکری پر جاتا ہے آجائے گا ایک دو دن میں غصہ ٹھنڈا ہوگا تو۔

میں جانتی ہوں کب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگا، اماں کے غصے سے میں خاموش ہو رہی۔ اور پھر واقعی وہ گڑیا کی پیدائش کے بعد ہی آیا تھا۔ اماں چاہتی تھیں اس سے باز پرس کریں لیکن میں نے اور پھر ابانے بھی روک دیا کیونکہ اس طرح وہ اور بد لحاظ ہو جاتا۔ جیسے اپنے بہن بھائیوں کا لحاظ نہیں کرتا تھا اس کی بدزبانی کے باعث ہی کوئی ہمارے گھر نہیں آتا تھا، بس کبھی کبھار میری بڑی نند کچھ دیر کو آ جاتی تھیں شاید اس لئے کہ بیٹیوں والی تھیں، جیسی انہیں میرا اور بچوں کا خیال تھا۔ پہلے اپنے بھائی کو سمجھاتی تھیں لیکن اب تو اس سے بات کرنا گویا بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے والی بات تھی، بس بچاری مجھے ہی تسلیاں دینے آ جاتی تھیں۔



جب گڑیا پانچ چھ دن کی تھی تب وہ مجھے اماں کے گھر سے لے آیا تھا اور اس سے اگلے روز میری بڑی نند آ گئیں۔ غالباً وہ انہیں گڑیا کا بتا آیا تھا اور میرے بارے میں جانے کیا کہا کہ وہ مجھے سمجھانے لگی تھیں۔

لڑائی جھگڑا تو ہر گھر میں ہوتا ہے لیکن عورت کو کبھی اپنا گھر نہیں چھوڑنا چاہئے، تم ایک تو

ایسی حالت میں تھیں پھر اماں کے گھر کیوں جا بیٹھیں۔

میں حیران رہ گئی اور جب انہیں بتایا کہ اس نے مار پیٹ کر مجھے گھر سے نکالا تھا اور اس کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں ڈیلیوری تک اماں کے گھر رہوں تو آپا نے اپنا سر پیٹ لیا، پہلے اسے برا بھلا کہا پھر میرے لئے ان کے پاس وہی تسلیاں تھیں۔ آخر میں پوچھنے لگیں۔

نو کری پر جا رہا ہے کہ نہیں؟

ہاں جا رہا ہے لیکن آپا مجھے خرچہ نہیں دیتا، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہوں کہ وہ آریگا تو لا دے گا اور ضروری نہیں کہ وہ لا بھی دے۔ آپا کی ہمدردی جتانے پر میں ان سے کچھ نہیں چھپاتی تھی۔

کیسے سمجھاؤں اسے، کچھ سننا ہی نہیں چاہتا۔ اللہ عقل دے اسے۔ آپا کے لہجے میں بہنوں والی فکر مندی جھلک رہی تھی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد مجھ سے کہنے لگیں۔

دیکھو تم بڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو بلکہ اب تو دو بچوں کی ماں ہو اگر بچوں کا باپ غیر ذمہ دار ہے تو تمہیں سمجھ سے کام لینا چاہئے، اپنی اور بچوں کی چھوٹی موٹی ضروریات کیلئے تم خود کچھ کر لو۔ سلائی اچھی کر لیتی ہو پھر بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھا سکتی ہو، یوں بھی اس مہنگائی کا مقابلہ میاں بیوی مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ بچے ابھی چھوٹے ہیں، کل کو اسکول جانے والے ہوں گے تو خرچہ اور بڑھے گا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہوناں اور میں بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی لیکن جانے کیوں مجھے ان کی باتیں سخت ناگوار اور بری لگیں۔

کتنے دن تک میں کڑھتی رہی اور جب کڑھنا ختم ہوا تب مجھے اس میں بہتری نظر آئی۔ واقعی ٹھیک تو کہہ رہی تھیں آپا کہ معمولی سے معمولی چیز کیلئے سجاد کی محتاجی سے بہتر ہے کہ میں خود کچھ کر لوں اور جب میں نے کرنا چاہا یعنی سلائی اور ٹیوشن تو سجاد نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، یعنی اسے کسی طرح گوارا نہیں تھا کہ میں کچھ کروں۔ دوسرے لفظوں میں اسکی محتاجی سے ٹکلوں اور اس وقت تو میں نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی لیکن پھر ایک روز اس کا موڈ اچھا دیکھ کر میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

اچھا ہے ناں سجاد چار پیسے کی آمدنی ہی ہو جائے گی، تمہاری تنخواہ میں تو دال روٹی مشکل سے چلتی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ بچوں کے اخراجات بڑھتے جائیں گے پھر بتاؤ ہم کیا کریں گے۔

یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے، وہ فوراً موڈ بدل گیا تھا۔

کیسے نہ سوچوں، مجھے ہر صورت بچوں کو تعلیم دلانی ہے۔

تو میں نے کب انکار کیا ہے، ابھی تو جو دو سال کا بھی نہیں ہوا، جب وقت آئے گا۔

وقت آنے والا ہے سجاد اور اس کیلئے ہمیں پہلے سے پلاننگ کر لینی چاہئے۔

میں کر لوں گا سب، تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اب مزید میرا دماغ مت

چاٹو۔ تمہارے پاس تو میں بیٹھ کر پچھتا تا ہوں، دو گھڑی چین نہیں لینے دیتی ہوں ابھی نہیں تو

دس سال بعد کے خرچے لئے بیٹھی ہو۔ وہ اپنے آپ بولتا ہوا ہا ہر نکل گیا۔

تب ایک روز میں نے آپا کو بلا بھیجا۔ انہیں بتایا کہ سجاد مجھے کچھ کرنے نہیں دیتا اور

جب انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس وقت وہ ساری حدیں پھلانگ گیا تھا، آپا کو

گالیاں دینے سے بھی نہیں رکا تھا۔

اچھا تو بی جمالو یہ شوشہ تمہارا چھوڑا ہوا ہے۔ میری بیوی کو الٹی پٹیاں پڑھاتی ہو۔ ہزار

بار منع کیا ہے یہاں مت آیا کرو آخر کیا لینے آتی ہو۔ کیا بل جاتا ہے تمہیں میرے گھر میں

آگ لگا کر۔

کچھ ہوش کے ناخن لو سجاد ایک تو تمہارا بھلا سوچتے ہیں۔

کوئی ضرورت نہیں ہے میرا بھلا سوچنے کی، اپنی اولاد کی فکر کرو اور شہلا تمہیں یہ عورت

اپنی ہمدرد نظر آتی ہے ناں تو جاؤ اسی کے ساتھ چلی جاؤ، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

سجاد آپا چینی اور میں نے اپنا سر تھام لیا۔ آپا اس کی کمر پر مارتے ہوئے جانے کیا

کچھ کہے جا رہی تھیں تب میں نے بڑھ کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

خدا کیلئے آپا آپ چلی جائیں، مت طیش دلائیں اسے جانے کیا کر بیٹھے، میرے

چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔

اور آپا چلی گئیں تو اس نے مجھے دیکھ کر حقارت سے سر جھٹکا تھا پھر دمکی آمیز لہجے میں

باور کرایا تھا کہ اگر آئندہ میں نے اس کی مرضی کے خلاف چلنے کی کوشش کی تو وہ کھڑے

کھڑے تین طلاق پوری کر کے مجھے ہمیشہ کیلئے نکال دے گا اور مرد کے پاس یہ بڑا پاور فل

ہتھیار ہے جس کے سامنے عورتیں بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتی ہیں۔

اس دن کے بعد سے میں نے کبھی اس شخص کو نہیں چھیڑا۔ حقیقتاً میں بہت خوفزدہ ہو گئی

تھی اور بیچاری آپا بھی اس دن کے بعد سے میرے گھر کا راسہ بھول گئیں۔ پھر وقت خواہ کیسا بھی ہو گزر رہی جاتا ہے۔ میں اگر مایوس تھی تو بچوں میں مجھے امید کی کرن بھی نظر آتی تھی، جو اد نے بولنا شروع کیا تو میں اسے ابتدائی قاعدہ گھر میں ہی پڑھانے لگی۔ بچہ ذہین تو تھا لیکن سجاد کے رویے نے اسے سہا کر رکھ دیا تھا۔ یہی حال گڑیا کا تھا، سال بھر کی بچی باپ کو دیکھتے ہی میری آغوش میں چھپنے کی کوشش کرتی۔ میں چاہتی تھی بچے سجاد سے مانوس ہوں لیکن وہ انہیں اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتا تھا اور بچے تو پیار کی زبان سمجھتے ہیں، جب سجاد گھر میں داخل ہوتے ہی چیخا چلا نا شروع کرتا تو جو اد گڑیا کو لیکر کسی کونے میں دبک جاتا۔

☆.....☆.....

پھر جب جو اد اسکول جانے کی عمر کو پہنچا تو اس وقت سجاد تین مہینے سے بیکار گھر میں بیٹھا تھا۔ ایسے حالات میں اس سے جو اد کے داخلے کی بات کرنے کا مطلب میں اچھی طرح سمجھتی تھی پھر بھی میں رہ نہیں سکی۔

سنو سجاد جو اد کو اسکول داخل کرنا ہے۔

کتنے سال کا ہو گیا ہے، اس نے چونک کر جو اد کو دیکھا تھا۔

چار سال کا۔

ابھی تو بہت چھوٹا ہے، ابھی سے جا کر کیا کرے گا، اس نے سرسری انداز میں جان چمڑانے کی کوشش کی۔

نہیں سجاد، اسکول جانے کی یہی عمر ہے۔

اچھا، اچھا، میری نوکری لگ جائے پھر دیکھیں گے۔ اس نے اکتاہٹ کے ساتھ ایسا انداز اختیار کیا کہ میں مزید اس کا دماغ نہ چاٹوں لیکن یہ بچے کا معاملہ تھا، میں خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

تمہاری نوکری یہ نہیں کب لگے، ادھر داخلے بند ہو جائیں گے۔

بکواس بند کرو، تمہیں عادت ہے مجھے پریشان کرنے کی، نہیں پڑھانا مجھے کسی کو، جو اد کیا کر لوگی۔

وہ آپے سے باہر ہو کر عادت کے مطابق چیخنے لگا اور کاش مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ میں اس کے سامنے جم کر کھڑی رہ سکتی۔ کیا کر لیتا وہ زیادہ سے زیادہ، یہی کہ طلاق دے کر گھر

سے نکال دیتا اس کے بعد اور ساری ہمتیں تو اس کے بعد کا سوچ کر ہی دم توڑ جاتی ہیں۔ یہ نہیں طلاق صرف عورت کیلئے گالی کیوں ہے، مرد تو بڑے آرام سے دوسری تیسری چوٹی کر لیتا ہے اور عورت بقیہ ساری زندگی اسی ایک گالی کی مار سہتی ہے۔ بائبل کا آگن تک پڑ جاتا ہے، کوئی یہ پوچھنے نہیں آتا کہ۔

وہ ہر دم میرے ہونٹوں سے چھلکتی ہنسی کہاں کھو گئی؟
میری آنکھوں کی روشن قد بلیں کیونکر بجھیں؟
وہ میرے رخساروں پر چھلکتی گلابیاں کیا ہوئیں؟
میرے اندر خواہش جنم لینے سے پہلے ہی کیسے دم توڑ جاتی ہیں؟
وہ میری شوخیاں وہ میری شرارتیں؟

☆.....☆.....

فکر کے ساتھ فاقہ، ہاں سب جانتے ہیں کہ فکر اور فاقے نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا پھر بھی کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں جیسے میں پیدا ہی اسی لئے ہوئی تھی اور اگر خدا نخواستہ میرے نام کے ساتھ طلاق کی گالی لگ گئی تب بھی میں ہی قصور وار ٹھہروں گی، بجائے اس کے کہ مجھے فکر اور فاقہ دینے والے کے گریبان تک ہاتھ جائیں، مجھ پر سنگ باری ہوگی، شاید دنیا کا آسان ترین کام یہی ہے کسی مری ہوئی عورت کو پتھر مارنا۔

☆.....☆.....

بہر حال میرے پاس جو زیور میں ایک دو چیزیں بچی تھیں، میں نے وہ بیچ کر جواد کو اسکول میں داخل کر دیا۔ ساتھ ہی اس کے اگلے چند ماہ کی فیسیں بھی ادا کر دیں کیونکہ سجاد کا کوئی پیسہ نہیں تھا، کب اسے کام کرنے کا خیال آئے اور میری آخری امید بچے تھے۔ اپنی روتی سسکتی زندگی میں اگر کوئی اچھا خیال تھا تو یہی کہ میرے بچے پڑھ لکھ کر اچھے انسان بنیں، میں بیچ بیچ سارے دلدار بھول جاؤں گی اور جب سجاد کو معلوم ہوا کہ میں نے زیور بیچ کر جواد کو اسکول داخل کیا ہے تو اسنے وہ طوفان مچایا کہ خدا کی پناہ، غالباً اس کے علم میں نہیں تھا کہ میرے پاس کوئی زیور ہے ورنہ وہ پہلے ہی ہتھیا چکا ہوتا اور جب معلوم ہوا تو اس کی زبان کے سامنے بند باندھنے والا کوئی نہیں تھا۔

تو ذلیل، آوارہ عورت، تیری چالبازیاں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، مجھے نیچا دکھانا

چاہتی ہے۔ تیرا تو میں وہ حشر کروں گا کہ تیری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔ مجھے کیا تو نے الوکا پٹھا سمجھ رکھا ہے جو کما کما کر تیرا اور تیری اولاد کے پیٹ کا دوزخ بھرتا رہوں گا۔ ایک ایک روٹی کو نہ ترسایا تو میرا نام نہیں اس کے بعد وہی عام مردوں کی طرح بقیہ غصہ میرے میکے پر نکالا تھا وہ کیا تیری ماں اور کیا تیری بہن میں بالکل گونگی بہری بن گئی تھی اور کرتی بھی کیا۔

اور اس روز سے اب تک وہ اپنی بات پر قائم تھا سچ مچ روٹی کو ترسا تا۔ میرا تو کیا اسے بچوں کا خیال بھی نہیں تھا۔ مشکل سے آدھے مہینے کا راشن لا کر ڈالتا سبزی گوشت بس چھٹی کے دن ہی لاتا۔ باقی دنوں میں اسے کوئی غرض نہیں تھی کہ ہم کیا کھاتے ہیں اور میں ہر روز دال کو مختلف طریقوں سے پکا کر بچوں کو بی ڈش کا بہلاوا دیتی تھی۔ میرے کپڑے بنانے کا تو سوال ہی نہیں تھا البتہ جواد اور گڑیا کے لئے کبھی کبھار ایک آدھ سوٹ لے آتا اور بچوں کی فیسوں کیلئے مجھے اس کی ہزار ہا منتیں کرنی پڑتی تھیں تب کہیں جا کر اس کی جیب سے فیس کے پیسے نکلتے تھے۔ پتہ نہیں وہ مجھے اتنا عاجز کیوں کر رہا تھا جانے اس کے کس جذبے کی تسکین ہوتی تھی اور میری برداشت کی حد تو کب کی ختم ہو چکی تھی پھر بھی میں سبہ جا رہی تھی اور کیا کر سکتی تھی۔ اماں سے کہتی تو وہ اسے دو چار گالیاں دینے کے بعد مجھے سمجھانے میں لگ جاتیں۔

ممبر۔۔۔۔۔ ممبر۔۔۔۔۔ اور پتہ نہیں مجھے ممبر کا اجر ملے گا بھی کہ نہیں۔

☆.....☆.....

صبح تک گڑیا کا بخارا ترچکا تھا لیکن کمزوری کے باعث وہ ابھی اسکول جانے کے قابل نہیں تھی اس لئے میں نے اسے اٹھنے سے منع کیا اور جواد کو تیار ہونے کی تاکید کرتے ہوئے مکن میں آئی تو سجاد انا وغیرہ لا چکا تھا میں نے جلدی سے آنا گوندھ کر روٹی ڈالی پھر چائے بنا کر پہلے اسی کے سامنے رکھی اس کے بعد جواد کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ناشتہ کرائے لگی۔ امی! جیسے یاد آئے پر جواد کہنے لگا مس کہہ رہی تھیں میرا اور گڑیا کا نام کاٹ دیں گی۔ کیوں؟ میں نے چونک کر پوچھا۔

پتہ نہیں جواد نے معصومیت سے لاعلمی کا اظہار کیا تو میں نے خود ہی سمجھ کر سجاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

پچھلے تین مہینوں سے بچوں کی فیسیں نہیں گئیں ہر بار تم اگلے مہینے پر ٹال دیتے ہو آخر

کب دو گے؟

میں نہیں دے سکتا، اس نے صاف انکار کر دیا تو میں بری طرح تپ گئی لیکن صبح میں جھکڑا نہیں چاہتی تھی اس لئے اپنے غصے پر قابو پا کر بولی۔
تم نہیں دو گے تو کون دے گا؟ آخر بچوں کو پڑھانا ہے کہ نہیں۔
تمہیں زیادہ شوق ہے انہیں پڑھانے کا تو کسی سرکاری اسکول میں ڈال دو میں اتنی فیس نہیں بھر سکتا۔

کاش یہاں قریب کوئی سرکاری اسکول ہوتا تو مجھے تمہارے ساتھ اتنی چیخ نہ کرنی پڑتی، میں تاسف سے کہتے ہوئے کچن سے نکلی تو وہ جواد سے کہنے لگا۔
کہہ دینا اپنی مس سے بے شک نام کاٹ دیں تمہارا بھی اور گڑیا کا بھی۔
خبردار جواد اس کی بات سن کر میں وہیں رک گئی۔ مس سے ایسی کوئی بات نہیں کہتا۔
یہ نہیں کہے گا تب بھی نام تو کتنا ہی ہے۔ اس نے میرا تسخیر اڑایا اور میں قصداً نظر انداز کر کے جواد سے مخاطب ہوئی۔
چلو بیٹا جواد اسکول کو دیر ہو رہی ہے اور ہاں اپنی مس سے کہنا ہم اس مہینے ضرور فیس ادا کر دیں گے۔

وہ نہہ نہہ نخوت سے سر جھٹک کر اپنے مگ میں چائے اٹھیلنے لگا میں جواد کو دروازے تک خدا حافظ کہہ کر اندر گڑیا کے پاس آ کر بیٹھی تو اچانک ہی بہت زیادہ ٹینشن کا شکار ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں سجاد نے میرے خلاف اتنا بغض کیوں پال لیا تھا، میں تو اس سے کچھ مانگتی بھی نہیں تھی پھر بھی جانے وہ کیا سوچے ہوئے تھا حالانکہ خود پڑھا لکھا شخص تھا اور اس حساب سے تو اسے بچوں کی تعلیم پر توجہ دینی چاہئے تھی اگر وہ صرف میری ضد میں انہیں نظر انداز کر رہا تھا تو بچے صرف میرے تو نہیں تھے۔ کل کو جواد کو اسی کا سہارا بننا تھا۔ وہ یہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔ میں اسے سمجھاؤں بھی تو کیسے۔ میری تو ہر بات کو وہ غلط رنگ میں لے جاتا تھا۔

بہر حال اس وقت سب سے بڑا مسئلہ بچوں کی فیسوں کا تھا، ان کا نام نہیں کتنا چاہئے کیونکہ پہلی بار میں نے زیور بیچ کر جواد کو داخل کرایا تھا اور اب تو میں بالکل خالی ہاتھ تھی۔ میری منتوں، خوشامدوں کے بعد بھی جانے کب سجاد پیسے دینے پر آمادہ ہو اس سے پہلے میں

نے سوچا خود اسکول جا کر میڈم سے بات کر آؤں کہ میں بہت جلد بچوں کی تمام فیسیں ادا کر دوں گی۔ یوں کم از کم بچوں کا نام خارج کرنے میں کوئی فوری اقدام تو نہیں ہوگا۔ اپنی سوچ پر میں قدرے مطمئن سی ہو گئی۔ اور جیسے ہی سجاد آفس کیلئے نکلا، میں نے گڑیا کا منہ ہاتھ دھلا کر اسے کپڑے پہنائے اور خود اوپر اوپر سے بالوں میں برش کر کے چادر اوڑھ لی۔

اب گڑیا کو لے جانا ایک مسئلہ تھا۔ بیمار بچی اتنی دور تک چل نہیں سکتی تھی اور میرے لئے اٹھانا اور مشکل کیونکہ میری اپنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ یعنی ایک اور بچے کی آمد۔ بہر حال میں بڑی مشکل سے اسکول تک پہنچ سکی۔ راستے میں کبھی گڑیا کو اٹھا لیتی اور کبھی اس کا ہاتھ پکڑ کر چلانے لگتی۔ جس وقت اسکول پہنچی اس وقت اتفاق سے گڑیا میری گود میں تھی۔ پرنسپل کے آفس میں داخل ہوتے ہی میں کرسی پر ڈھسے سی گئی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ کچھ دیر بعد مجھے اپنے قریبی ماسی کی آواز سنائی دی۔

بی بی پانی پی لیں۔

شکریہ۔ ماسی کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے میری نظر پرنسپل پر پڑی تو میں شٹائی گئی کیونکہ اس کرسی پر میں نے ہمیشہ میڈم کو دیکھا تھا اور اس وقت جانے کوئی ٹیچر تھے یا۔ بہر حال جو کوئی بھی تھے ان کے بغور دیکھنے پر میں کنفیوژ ہو گئی تھی۔ پانی کا گلاس بجائے ہونٹوں سے لگانے کے ان کی ٹیبل پر رکھ دیا اور ان سے میڈم کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی لیکن خشک حلق سے آواز نہیں نکلی۔ تب دوبارہ گلاس اٹھا لیا اور حلق تر کرتے ہی پوچھا۔

وہ۔۔۔۔۔ میڈم کہاں ہیں؟

میڈم چلی گئیں، آئی مین انہوں نے جاب چھوڑ دی۔ خاصا متین لہجہ تھا اور میں اس قدر کنفیوژ کہ بے اختیار پوچھ گئی۔

کیوں؟ مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب ملا۔

میں کیا کہہ سکتا ہوں پھر گڑیا کو دیکھ کر کہنے لگے غالباً یہ بچی یہیں اسی اسکول میں پڑھتی

ہے۔

جی، میں خاصی مایوس ہو گئی تھی کیونکہ میڈم سے میری ہر ماہ علیک سلیک ہو جاتی تھی اور میں انہیں اپنی پرابلم بتا سکتی تھی۔ اب وہ نہیں تھیں تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ان سے کیا بات کروں۔

جی بی بی میرے مختصر جواب کے بعد بالکل خاموش ہو جانے پر انہیں ٹوکنا پڑا تو میں فوری طور پر یہی کہہ سکی۔

میری بچی کچھ دنوں سے بیمار ہے، اسکول نہیں آرہی، میں اس کی درخواست دینے آئی تھی۔

اچھا چھالائیے۔ کون سی کلاس میں ہے آپ کی بچی۔
جی ٹو میں، میں جواب دے کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کیونکہ درخواست تو لائی نہیں تھی پھر انہیں منتظر محسوس کر کے جھل سی ہو کر بولی۔ سوری درخواست شاید گھر بھول آئی۔
کوئی بات نہیں، جب آپ بچی کو بھیجیں تو اس کے ہاتھ بھیج دیجئے گا۔

انہوں نے سوچا ضرور ہوگا کہ کسی عورت ہے لیکن اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور میں جس مقصد سے آئی تھی وہ تو وہیں رہ گیا جس پر میں انتہائی مایوسی کے عالم میں کھڑی ہوئی اور گڑیا کا ہاتھ تمام کر بغیر ان کا شکریہ ادا کئے آنے لگی کہ انہوں نے روک لیا۔
سنیں، میں نے رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو کہنے لگے۔

شاید کوئی بات رہ گئی ہے، پتہ نہیں انہوں نے کیسے جان لیا تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے، میں اسی حیرت میں خاموش کھڑی رہ گئی۔ تبھی ایک ٹیچر ہاتھ میں رجسٹر لئے آفس میں داخل ہوئی اور مجھے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔

آپ جو ادکی مدر ہیں؟ میں صرف سر ہلا سکی تب وہ ان سے کہنے لگی۔
سر! گزشتہ تین ماہ سے ان کے بچوں جو اد کلاس دن اور ایٹلا کے جی ٹو کی فینیس موصول نہیں ہوئیں، کل آپ نے کہا تھا کہ۔

اوکے، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا اور اس کے ہاتھ سے رجسٹر لے کر پہلے اسے فارغ کیا پھر جیسے ہی میری طرف متوجہ ہوئے میں بول پڑی۔

سوری سر، بچوں کی فینیس کچھ لیٹ ہو گئیں، دو چار دن میں بھجوادوں گی، بس آپ بچوں کا نام نہیں کاٹیں۔

اٹس آل رائٹ، بہت ہلکی سی مسکراہٹ اس بات کی غماز تھی جیسے جان لیا ہو کہ میں یہی کہنے آئی تھی اور اس بل مجھے اپنا آپ کتنا ہلکا لگا، یہ میں ہی جانتی ہو۔ جلدی سے گڑیا کا ہاتھ تمام کر ان کے آفس سے نکل آئی، مجھے لگا جیسے یہ میری زندگی کا کنھن ترین مرحلہ تھا اور ابھی

جانے اور کتنے ایسے مراحل باقی تھے۔



رات میں میں نے بہت آرام سے سجاد کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت نا صرف ان کیلئے بلکہ ہمارے لئے بھی کتنی فائدہ مند ہے، یعنی ہم آج جو بوئیں گے کل وہیں کاٹیں گے پھر مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ جواد کے روشن مستقبل کی باتیں کرتے ہوئے میں بہت گمنامی ہو گئی تھی اور اس میں میرا قصور نہیں تھا، میں ماں تھی، تصور کی آنکھ سے ہی سہی اپنے بچے کا روشن مستقبل دیکھا تو کچھ دیر کو حال سے ناٹھ ہی ٹوٹ گیا۔ غالباً میری آنکھوں کی ججھی ہوئی قدیلیں روشن ہو گئی تھیں اور سجاد کو یہ کب گوارا تھا کہ مجھے کوئی خوش نصیب ہو۔

اس وقت تو کچھ نہیں بولا، جس سے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی کہ آخر کو باپ ہے، بچوں کا روشن مستقبل کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا لیکن وہ یہ نہیں کیسا باپ تھا بجائے ان کی فینیس دینے کے نوکری چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ میرا سچ بچہ دماغ گھوم گیا، پورے ایک سال کی بیکاری کے بعد ابھی تین مہینے پہلے اس کی نوکری لگی تھی۔

آخر تمہارا مقصد کیا ہے سجاد؟ تم کیوں اس طرح ہمیں عاجز کر رہے ہو۔

میں عاجز کر رہا ہوں یا تم نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے، سارے جہان کے خرچے میرے سر پر لڑا ڈالتی ہو۔ وہ الٹا مجھ پر چڑھ دوڑا۔ نہیں کر سکتا میں یہ سب۔

جب نہیں کر سکتے تھے تو شادی کیوں کی تھی، پھرتے رہتے ایسے ہی اکیلے آوارہ۔ ادھر ادھر سے دو وقت کی روٹی تو تمہیں مل ہی جاتی تھی۔ میں کسی طرح خاموش نہیں رہ سکی۔

مجھے اکیلے دیکھ کر ہی تو تمہارے اماں ابانے پھانسا مجھے، حسب عادت اس نے فوراً ہی اماں ابابا کو گھسیٹ لیا اور میں نے خاموشی اختیار کر لی کیونکہ جانتی تھی کہ اب میں جو بھی کہوں گی جواباً گالیاں سننے کو ملیں گی۔

مجھے نہیں معلوم بیکاری میں وہ گھر کیسے چلاتا تھا، گوکہ ایک ایک چیز کیلئے بہت تنگ کرتا تھا پھر بھی دال روٹی تو چلتی ہی تھی اور اس کیلئے وہ کس کے آگے ہاتھ پھیلاتا تھا، میں نہیں جانتی لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ میں نے اس سے پوچھا نہیں۔ بارہا پوچھا، جواب میں وہ دھاڑ کر کہتا تھا۔

تجھے اس سے کیا، تجھے تو روٹی مل رہی ہے ناں اور شاید میرے نصیب میں ایسی ہی روٹی تھی لیکن کیوں۔

میں سچ سچ بہت تنگ ہو گئی تھی اور اس قدر مایوس کہ اب بیٹھے بیٹھے یہ سوچنے لگی کہ اچھا ہو جو اس بارڈیلیور میں میں مر جاؤں، یوں بھی میری حالت ٹھیک نہیں تھی۔ ظاہر ہے نہ ذہنک کی خوراک نہ آرام اور دوا کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ کمزوری اس قدر تھی کہ ہر دو قدم کے بعد آنکھوں کے سامنے اندھیرا اچھا جاتا تھا لیکن سجاد کو کوئی خیال نہیں تھا، گھر بیٹھا ہوا بریکار شخص اسے سوائے بدزبانی و بدکلامی کے اور کوئی کام نہیں تھا اور انہی پریشانیوں سے تنگ آ کر میں مر جانے کا سوچنے لگی تھی، شاید میرے بعد سجاد کے دل میں بچوں کیلئے کچھ نرمی پیدا ہو جائے۔



اس روز میں بچوں کو ہوم ورک کروانے بیٹھی تو جواد اور گریڈونوں کی ڈائری میں ٹیچر نے پیغام لکھا تھا۔ یعنی والدین کو بلایا گیا تھا، مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ کیونکہ ابھی تک بچوں کی فیسیں ادا نہیں کی گئی ہیں تو یقیناً انہوں نے اسی سلسلے میں بلایا ہوگا اور اب تو مجھے کہیں سے کوئی امید نہیں تھی، اس لئے میں نے سوچا کہ بچوں کو گھر بٹھالوں لیکن اس رات مجھے اس وقت تک نیند نہیں آئی، جب تک میں نے اپنی سوچ کی نفی نہیں کر دی تھی ورنہ تو یہ سوچ سوچ کر دماغ پھٹے جا رہا تھا کہ بچوں کا کیا ہوگا، اسکول چھوڑ کر تو وہ گلیوں میں آوارہ پھرنے لگیں گے، سچ اپنی آخری امید کی شمع گل ہونے کا خیال بہت جان لیوا تھا۔

اگلے دن میں بچوں کو اسکول بھیج کر اماں کے گھر چلی آئی اور جب انہیں اپنا مسئلہ بتایا تو ہمیشہ کی طرح پہلے انہوں نے سجاد کو گالیاں دیں اور کوسنوں سے نوازا، اس کے بعد مجھے ہزار روپیہ بھی تھما دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتی جاتی تھیں کہ میں زرگس کیلئے جمع کر رہی تھی کہ اسے جہیز میں دینے کیلئے ڈزینیٹ خریدوں گی۔ میرا دل چاہا اماں کو لوٹا دوں لیکن ابھی مجھے بچوں کے اسکول جانا تھا، دل پر بوجھ لئے ان کے پاس سے اٹھ کر اسکول کی راہ لی تو تمام راستہ یہی سوچتی رہی کہ مجھے سجاد سے دو ٹوک بات کرنی ہوگی، وہ خود کچھ نہیں کرتا تو مجھے کرنے دے۔ اس طرح تو زندگی نہیں گزرے گی، بہر حال جس وقت میں پرنسپل کے آفس میں داخل ہوئی وہاں پہلے سے دو خواتین موجود تھیں۔ میں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی، میرا ذہن ابھی

تک الجھا ہوا تھا اور مٹھی میں دبا ہزار کا نوٹ گو کہ اس وقت میرے مسئلے کا حل تھا لیکن اماں کے الفاظ کہ میں نرگس کیلئے جمع کر رہی تھی مجھے اندر ہی اندر مارے ڈال رہے تھے۔ پتہ نہیں کتنی دیر بعد وہ خواتین گئیں، میں چونکی اس وقت جب انہوں نے مجھے متوجہ کیا۔

جی بی بی میرے چونک کر دیکھنے پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

کیسی ہیں آپ؟ اور ایسے وقت میں جب مجھے دور دور تک کوئی اپنا محسوس نہیں ہوتا تھا، ایک اجنبی کا نرم لہجہ میری پلکیں نم کر گیا اور ان سے چھپانے کی خاطر میں جلدی سے بیک کھول کر اس میں بچوں کے فیس کارڈ تلاش کرنے لگی، کارڈ مل گئے لیکن آنکھوں کی دھند چھٹنے میں کچھ وقت لگا پھر میں نے ان کی طرف دیکھے بغیر فیس کارڈ اور مٹھی میں دبا ہزار کا نوٹ ان کی ٹیبل پر رکھ دیا اور کچھ رک کر بولی۔

آئی ایم سوری، میں خاصی لیٹ ہو گئی۔

آپ کیا بنا رہی ہیں بلکہ ابھی بھی ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں۔

جی بس، میں اسی قدر کہہ کر بات بدل گئی۔ بچوں کی ٹیچر نے بلایا تھا، غالباً فیس کیلئے۔

فیس کیلئے، انہوں نے ایک نظر کارڈز پر ڈالی پھر ایکسکوزی کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، کچھ دیر بعد واپس آ کر بیٹھے تو کہنے لگے۔

ٹیچر نے آپ کو اس لئے نہیں بلایا تھا۔

پھر؟ میں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

ہمیں یہ معلوم کرنا تھا کہ آپ کے بچوں کے ساتھ کیا پرابلم ہے، جواد اور انیلا یہی نام

ہیں ناں؟

جی۔

جی تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ دونوں بچے یوں تو خاصے ذہین ہیں لیکن بہت سہمے ہوئے رہتے ہیں، ٹیچر کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے اور اگر ایک سے دوسری بار انہیں مخاطب کیا جائے تو رونے لگتے ہیں اور ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب بچوں پر بے جا سختی کی جائے یا وہ غیر معمولی دباؤ میں ہوں۔

میں گم سم انہیں دیکھ رہی تھی اور قدرے توقف کے بعد وہ کہنے لگے۔

آپ کو دیکھ کر تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ ان پر سختی کرتی ہوں گی تو کیا ان کے فادر؟

نن، نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ ایسے نہیں ہیں۔ ان کا خاموشی سے دیکھا مجھے پزل کر گیا، نظریں چرا کر بولی وہ تو بچوں سے بہت پیارا کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں آپ کے شوہر؟ وہ بغور مجھے دیکھ رہے تھے اور جانے انہوں نے یہ سوال کیوں کیا، میں بلا ارادہ سچ بول گئی۔

آج کل جاب لیس ہیں۔

اور آپ میرا مطلب ہے آپ جاب کرتی ہیں؟

میں نے نفی میں سر ہلادیا تو کچھ دیر تک وہ مجھ پر نظریں جمائے بیٹھے رہے پھر غالباً احساس ہونے پر پہلے سر جھکایا پھر کچھ رک کر بولے۔

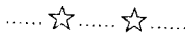
میں آپ کے بچوں کی بات کر رہا تھا، وہ یقیناً آگنور ہو رہے ہیں اور آپ تو جانتی ہیں اس عمر میں بچے کتنے حساس ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات محسوس کرتے ہیں، خصوصاً والدین کی آپس کی لڑائی جھگڑا۔ میرے سر جھکانے پر خاموش ہو گئے پھر قدرے توقف سے ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔

آپ تو بڑھی لکھی سمجھدار ماں ہیں، یقیناً مجھ سے بہتر سمجھتی ہوں گی۔ مزید کیا کہوں آپ کو زحمت دینے کی معذرت چاہوں گا کہ آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے، پلیز اپنا خیال رکھیں، شاید بچے آپ کی بیماری کے باعث ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔

انہوں نے بات ختم کی تو میں نے چاہا شکریہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوں لیکن میرا پورا بدن سن ہو چکا تھا اگر کہیں حرکت تھی تو میری ٹانگوں میں جو ہلکے ہلکے کانپ رہی تھیں۔ محرومیاں تو تھیں ہی لیکن عزت نفس پر کب گوارا کرتی ہے کہ ہر کوئی ہماری محرومیوں کا احوال جانے اور سامنے بیٹھا شخص جان چکا تھا گو کہ میرا اس سے کوئی ناٹ نہیں تھا، میں تو اسے جانتی بھی نہیں تھی پھر بھی اس کے سامنے اپنا وجود بے مایا لگنے لگا۔ کاش کسی طرح میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو سکتی، اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے میں ٹیبل کا سہارا لیکر کھڑی ہوئی تو آنکھوں کے سامنے پہلے دھند چھائی پھر اندھیرا۔ میں نے گھبرا کر ایک ہاتھ سے پیشانی تھام لی اور آہستہ آہستہ سر جھکنے لگی۔

آپ مجھے دیکھ کر انہوں نے اسی قدر کہا پھر فوراً ٹیبل بجا کر کسی کو آواز دی مجھے انکی آواز بہت دور سے سنائی دی اور میں نے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا لیکن کچھ نظر نہیں آیا۔

آپ بیٹھ جائیں پلیز وہ کہہ رہے تھے اور میں بھی بیٹھنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ہی میرا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔



ہوش آنے پر فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کہا ہوں، بس خالی خالی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگی۔ معاف میں رچی مخصوص مہک نے چونکا دیا تو فوراً ادھر ادھر دیکھنے لگی اسی رفتار سے میرا دل دھڑکنے لگا تھا کیونکہ بیدار ہوتے ذہن میں پہلا سوال یہی ابھرتا تھا کہ مجھے یہاں کون لایا ہے؟ اور ابھی جواب میں سوالیہ نشان تھا کہ ڈاکٹر کے ساتھ سجاد کو آتے دیکھ کر مجھے ایک گونا گونا طمینان ہوا، قریب آ کر ڈاکٹر نے پہلے میرے ہاتھ میں لگی ڈرپ چیک کی پھر سجاد سے کہنے لگے۔

آپ کی مسز بہت دیک ہیں، پریکلنسی کی حالت میں عورت کو اتنا کمزور نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ان کی خوراک اور آرام دونوں کا خیال رکھیں ورنہ ڈاکٹر صاحب خاموش ہو کر میڈیسن لکھنے میں لگ گئے تو سجاد نے مجھے ایسی خونخوار نظروں سے گھورا کہ میں اندر تک کانپ گئی۔

یہ لیجئے ڈاکٹر صاحب پرچہ سجاد کو تھماتے ہوئے کہنے لگے۔ طاقت کے انجکشن ہیں ہر دوسرے دن لگے گا اور کچھ پھول روزانہ ایک دودھ کے ساتھ۔ ویسے میرا مشورہ یہ ہے کہ انہیں ایک ہفتہ یہیں رہنے دیں گھر میں ان کی بہتر دیکھ بھال نہیں ہو سکے گی۔

سوری ڈاکٹر صاحب اصل میں گھر میں بچے چھوٹے ہیں اور کوئی ہے نہیں سجاد نے معذرت کے ساتھ مجبوری بتائی تو ڈاکٹر صاحب کہنے لگے۔

ہاں یہ بڑا مسئلہ ہوتا ہے بہر حال آپ خیال رکھئے گا اور انہیں مزید ڈرپ لگنے میں تاخیر بھی نہیں ہونی چاہئے۔

جی بہتر سجاد ڈاکٹر صاحب کے ساتھ چلتا ہوا دروازے تک گیا پھر ان کے کمرے سے نکلتے ہی فوراً اپلٹ کر میرے پاس آیا تو اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے پوچھ لیا۔

مجھے یہاں تم لائے ہو؟

نہیں، طنزیہ اور زہر بھری ذرا سی ہنسی میں ہی اس نے میری یا شاید اپنی اوقات جتادی پھر ایسے ہی زہر خند سے بولا۔

تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی کیوں نکلتی ہو گھر سے باہر اگر تمہیں تماشا بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو مجھے بتاؤں میں تمہیں گلیوں بازاروں میں ----

خدا کیلئے سجاد اس وقت تو میری حالت پر رحم کھاؤ میں رو پڑی۔

تم پر تو رحم کھاؤں تم نے بہت خیال کیا ہے میرا۔ الوکی بھی یہاں جو اتنے آرام سے لیٹی ہے، بیل تیرا باپ دے گا۔

تو اصل مسئلہ یہ ہے سجاد احمد کہ تمہیں دن میں تارے نظر آنے لگے ہیں میں نے سوچا اور مجھے اس شخص پر رحم آنے لگا جو گھر کی کھردری چار پائی پر میرا آرام افورڈ نہیں کر سکتا تھا، کہاں یہ پرائیویٹ کلینک اور وہ کوئی غیر تو نہیں میرا شو ہر تھا۔ اس کی پریشانی میری پریشانی تھی، مجھے نرم نرم بستر بھی جیسے لگا اور اپنی صفائی میں اس قدر رکھ سکی۔

میں یہاں خود سے تو نہیں آئی سجاد پتہ نہیں کون۔

وہ اسکول کا ماسٹر لیکر آیا ہے تمہیں یہاں اور اس سے تو میں بعد میں نمٹوں گا ابھی تو۔ سسٹر کے آنے سے پہلے وہ خاموش ہو گیا اور میں جو اس کی بات پر اندر ہی اندر دہل رہی تھی، دھیان ہٹانے کی خاطر سسٹر کی طرف متوجہ ہو گئی اور ڈرپ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

یہ کتنی دیر میں ختم ہوگی؟

ابھی ایک گھنٹہ لگے گا، کیوں تھک گئی ہو کیا؟

اس نے ایک نظر ڈرپ پر ڈالی پھر مسکرا کر پوچھا۔

نہیں، اصل میں گھر میں بچے اکیلے ہیں۔

بس ایک گھنٹے میں ختم ہو جائے گی، اس نے مجھے تسلی دی پھر جانے لگی کہ میں نے پکار کر

کہا۔

سنو سسٹر وہ بل۔

تمہارا بیل بے ہو چکا ہے، وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے چلی گئی اور میں نا سنجی کے عالم میں اس کے پیچھے نظریں جمائے ہوئی تھی کہ سجاد کے گہری سانس کھینچنے پر اسے دیکھا، وہ کرسی پر گرنا ہوا کہہ رہا تھا۔

شکر ہے پھر مجھ دیکھ کر کہنے لگا چلو اب نکالو اسے اور گھر چلو پتہ نہیں جو ادا درگزیہ کا کیا

حال ہوگا۔

کیا مطلب ہے بچے گھر میں اکیلے ہیں، میرا خیال ہے انہیں اماں کے پاس چھوڑ آیا ہوگا اور اب۔ ان کے اکیلے پن کا سن کر میں واقعی بہت پریشان ہو گئی، بڑی مشکل سے ایک گھنٹہ گزرا تھا۔

☆.....☆.....

گھر آئی تو بچوں کو دیکھ کر میرا دل دکھ سے بھر گیا، گڑیا بھوک سے رو رہی تھی اور جواد چوہے پر پتیلی چڑھائے جانے کیا پکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پتہ نہیں خدا ماؤں کے نصیب میں ایسے امتحان کیوں رقم کرتا ہے، میں نے بڑھ کر گڑیا کو آغوش میں لیا تو وہ اور بلک بلک کر رونے لگی، تبھی پیچھے سے سجاد چلا کر بولا۔

اب اس کے چو نچلے بعد میں کرنا، پہلے کچھ کھانے کو دو۔ میرا دل چاہا میں دونوں بچوں کو آغوش میں چھپا کر اس آواز سے کہیں دور چلی جاؤں جسے صرف اپنا پیٹ پیارا ہے، کاش میں کہیں جاسکتی۔

☆.....☆.....

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، میری اتنی منتوں کے بعد اب کہیں جا کر سجاد نوکری کی تلاش میں نکلنے لگا تھا اور نوکری اتنی آسانی سے تو نہیں ملتی تھی۔ صبح کا گیا شام میں لوٹتا تو دن بھر کی خواری کا بدلہ وہ ہم سے لینے لگتا اور مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے اوپر والے نے اُس کیلئے سارے دروازے بند کر دیئے ہوں کیونکہ اس نے ہمیشہ اچھے بھلے روزگار کو ٹھوکر ماری تھی لیکن اس میں میرا اور بچوں کا کیا قصور تھا۔ ناشکری کا گناہ اس اکیلے کا، سزا ہم بھگت رہے تھے۔ بہر حال اس طرح تو زندگی نہیں گزرتی، اس کی طرف سے مایوس ہو کر میں ایک بار پھر خود کچھ کرنے کا سوچنے لگی لیکن سجاد سے کہتے ہوئے ڈرتی تھی کیونکہ پہلے بھی وہ اسی بات پر طلاق دینے پر اتر آیا تھا۔

اس وقت بیٹھٹی میں سوچ رہی تھی کہ اب تو حالات بہت خراب ہو گئے ہیں، سجاد بھی مایوس نظر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے اب وہ مجھے منع نہ کرے، مجھے اس سے بات کر لینی چاہئے شاید مان جائے۔ میں اور کچھ نہیں تو گھر میں سلائی تو کر ہی سکتی ہوں، کوئی تو ذریعہ ہو کوئی تو سرا

ہو۔

میں آج ہی اس سے بات کروں گی، میں نے سوچ لیا۔ معاً بچوں کا خیال آیا، ابھی تک

اسکول سے نہیں لوٹے تھے یعنی روزانہ سے بہت دیر ہو گئی تھی۔ میری پریشان فطری تھی، ایک پیر دروازے پر ایک اندر کتنی دیر تک چلے پیر کی بلی کی طرح چکراتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا کروں، سچا دہشتہ نہیں تھا اور وہ تو آتا بھی رات میں تھا جیسے گھر نہ ہو سرائے ہو۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مجھے ہول اٹھ رہے تھے، برے برے خیال جن سے گھبرا کر بالآخر میں چادر اوڑھ کر گھر سے نکل آئی۔ گوکہ اس روز کے بعد سے میں نے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا، محض اپنی حالت کے باعث کہ کہیں خدا نخواستہ راستے ہی میں نہ گر جاؤں۔

ہاتھ ہاتھ اسکول پہنچی تو بچوں کو پرسنل کے آفس میں آرام سے بیٹھے دیکھ کر جہاں میری جان میں جان آئی وہاں حیران بھی ہوئی کہ اسکول کے بعد یہ یہاں کیوں رکے ہوئے ہیں۔

کیا ہوا بیٹا! آپ گھر کیوں نہیں آئے؟ میرے پوچھنے پر جواب کہنے لگا۔
 سرنے گھر جانے سے منع کیا ہے۔

کیوں؟ تبھی وہ دروازے سے داخل ہوتے ہوئے بولے۔

میں بتاتا ہوں اور ان پر نظر پڑتے ہی مجھے خیال آیا کہ میں ان کی مقروض ہوں ورنہ اس تمام عرصے میں اپنی پریشانیوں میں بھول ہی گئی تھی۔
 بیٹا! آپ بوا کے پاس چلے جاؤ۔ انہوں نے بچوں سے کہا اور ان کے جانے کے بعد مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

آئی ایم سوری میں نے آپ کو پریشان کیا، بچوں کو یہاں روک کر۔

کیوں؟ انہوں نے کوئی شرارت کی ہے؟

آپ کے بچے اور شرارت، تعجب کا اظہار بے ساختہ تھا پھر فوراً سنبھل کر کہنے لگے۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، اصل میں میں آپ سے ملنا چاہتا تھا اور آپ کو بلانے کا

مجھے یہی ایک طریقہ سمجھ میں آیا۔

جی، میں اسی قدر کہہ سکی اور بے حد الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ پوچھنے

لگے۔

اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

کیا آپ نے صرف اس لئے۔

نہیں وہ ذرا سا بے اور قدرے توقف کے بعد ایک دم سنجیدہ ہو کر کہنے لگے۔

بات اب بھی آپ کے بچوں سے متعلق ہے اور آپ کے حالات سمجھتے ہوئے میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ بچوں کی اچھی صحت، بہتر تعلیم و تربیت اور بہتر مستقبل کیلئے صرف آپ کو سوچنا ہے بلکہ عملی طور پر بھی کچھ کرنا ہے کیونکہ بد قسمتی سے آپ کے شوہر کا شمار ان مردوں میں ہوتا ہے جو صرف بچے پیدا کرتے ہیں لیکن کبھی باپ نہیں بنتے۔

اف میری زندگی کی تلخ ترین سچائی جسے میں خود جھٹلانے کی کوشش کر کے اپنے آپ کو بہلانے کی سعی کرتی تھی وہ ایک انجان شخص کتنے آرام سے بیان کر رہا تھا۔ مجھے بڑا عجیب سا لگا اور میں نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔

نہیں میرے شوہر۔

پلیز، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے بولنے سے روک دیا پھر کہنے لگے۔

میں آپ کے شوہر سے مل چکا ہوں وہ ذہنی طور پر پسماندہ بلکہ میں اسے ذہنی مریض کہوں گا اور ایسے شخص کو بیوی بچوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ میرا مقصد آپ کو مایوس کرنا نہیں بلکہ میں آپ کو حقیقت سمجھانا چاہتا ہوں، یقین کریں۔ وہ شخص ساری زندگی کچھ نہیں کرے گا، سوائے ہوائی قلعے بنانے کے اور بچوں کو احساس محرومی سے نکالنے کیلئے آپ کو ہی۔

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور میرے بولنے کا انتظار کرنے لگے تو مجھے بولنے کے لئے خود کو آمادہ کرنا پڑا۔ کچھ دیر لگی اس کے بعد میں آرام سے ہو گئی۔ شاید اس لئے کہ چھپانے کو کچھ نہیں تھا اور وہ انجان شخص مجھ سے زیادہ جانتا تھا۔ یوں بھی جب کوئی پرسان حال نہ ہو تو محض ہمدردی کے دو بول بولنے والا سب سے قابل اعتبار نظر آتا ہے۔

میں کیا کر سکتی ہوں، سجاد مجھے کچھ کرنے ہی نہیں دیتے۔ نہ جاب، نہ ٹیوشن اور میں سلائی بھی اچھی کر لیتی ہوں لیکن وہ اس کی اجازت بھی نہیں دیتے۔

میں نے بتایا تو وہ نرمی سے بولے۔

آپ انہیں یہ احساس دلائیں کہ وہ بیکار ہیں اس لئے آپ جاب کرنا چاہتی ہیں بلکہ انہیں اس طرح سمجھانے کی کوشش کریں کہ اس مہنگائی میں ایک اکیلا آدمی گھر نہیں چلا سکتا، آپ ان کا ساتھ دینا چاہتی ہیں۔

میں ایسی کوشش بار بار کر چکی ہوں لیکن۔ میں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا پھر یاد

آنے پر کہنے لگی۔

ایک بار اسی سلسلے میں جب سجاد کی سسٹر بھی میرا ساتھ دے رہی تھی تو وہ اسی وقت مجھے طلاق دینے پر تیار ہو گئے اس کے بعد میں نے کبھی ایسی بات نہیں کی۔

آپ طلاق سے ڈرتی ہیں ان کے پوچھنے پر میں گہری سانس کھینچ کر بولی۔

ظاہر ہے ہمارے معاشرے میں طلاق یافتہ عورت کو کون اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ واقعی بڑا المیہ ہے وہ تاسف کے اظہار کے ساتھ کہنے لگے۔

ہمارے ہاں عورتیں محض اسی خوف سے ساری زندگی ظلم و جبر سہتے گزار دیتی ہیں حالانکہ مذہب نے انہیں یہ حق دیا ہے کہ اگر شوہر بطریق احسن ان کی نان نفقے کی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا، ظالم و جابر ہے، ناحق زیادتی کرتا ہے تو وہ اس سے الگ ہو جائے پھر جو شخص ان کی ذمہ داریاں نبھانے کا اہل ہو اس سے عقد ثانی کی اجازت دی گئی ہے اور بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان ہو کر بھی ہمارا معاشرہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے دیئے گئے اس حق کو تسلیم نہیں کرتا پھر مجھے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

آپ کے والدین؟

جی ہیں، بہن بھائی بھی ہیں۔

وہ کیا کہتے ہیں؟

صبر، صبر کروں اور کر بھی کیا سکتی ہوں۔ میں نے افسردگی میں رگر کر کہا تو وہ زور دے کر

بولے۔

یہ صبر نہیں جبر ہے، خود اپنے آپ پر ظلم اور جاتی ہیں ظلم سہنا بھی گناہ ہے۔

جانتی ہوں پھر بھی میں اپنا حق استعمال نہیں کر سکتی، اس لئے کہ ابھی زندگی مشکل ہے

اس کے بعد مشکل ترین ہو جائے گی اور میں کمزور عورت بچوں کا ساتھ کہاں جاؤں گی؟

کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی آپ کو بے فکر رہیں سجاد طلاق نہیں دیں گے

کیونکہ ایسا شخص ہمیشہ اندر سے خوفزدہ رہتا ہے اور بیوی کو بھی محض اس لئے پابند رکھتا ہے کہ

کہیں وہ اس کی نااہلی ثابت کرنے کے قابل نہ ہو جائے اور آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ

بات طلاق پر ہی ختم ہوگی اس کے برعکس اچھی سوچ اچھی امید رکھیں۔ آخر میں انہوں نے

ذرا سا مسکرا کر مجھے حوصلہ دینا چاہا لیکن میں نے اسی مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

آپ نہیں جانتے؟

ہوسکتا ہے میں نہ جانتا ہوں، اس کے باوجود میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس امید پر ظلم و زیادتی سہنا کر کل کو جواد بڑا ہو کر آپ کے تمام دلدرد دور کر دے گا، حماقت ہے۔ وہ دلدرد و اسی صورت کر سکے گا جب کسی قابل ہوگا اور اسے کسی قابل بنانے کیلئے۔

بات وہیں آ کر ختم ہوئی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میں کتنی دیر تک پر سوچ انداز میں انہیں دیکھتی رہی پھر اس طرح اثبات میں سر ہلایا جیسے ان کی بات سمجھ گئی ہوں، اس کے بعد سامنے وال کلاک پر نظر پڑی تو بہت سا وقت گزرنے کا احساس ہوا اور وہ کہنے لگے۔

آئی ایم سوری میں نے آپ کا بہت وقت لیا گوکہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے لیکن کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم مجھے کیا، کہہ کر الگ نہیں ہو سکتے۔ آپ سجاد کو سمجھانے کی کوشش کریں، میں دعا کروں گا کہ آپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں۔

شکریہ میری آنکھوں میں اچانک ڈھیر ساری نمی اتر آئی جسے ان سے چھپانے کی خاطر میں فوراً کھڑی ہو گئی۔ تب انہوں نے بچوں کو پکارا تو جواد اور گڑیا کے ساتھ ایک صحت مند سرخ و سفید بچہ بھی آ گیا جسے اپنے قریب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

یہ میرا بیٹا ہے نو مان۔

ماشاء اللہ میں نے بے اختیار کہا۔ اس کے بعد جواد کو دیکھا اس کے مقابلے میں کس قدر کمزور اور مرجھایا ہوا لگ رہا تھا حالانکہ دونوں ہم عمر تھے۔ فرق تو مقدروں کا تھا کہ ایک کو سب کچھ میسر تھا اور دوسرے کو بساط بھر بھی نہیں، میں نے گڑیا کے کندھے سے بیگ اتار لیا اور اس کا ہاتھ تمام کرا جازت طلب نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

ہم آپ کو ڈراپ کر دیں گے۔

نہیں شکریہ، ہمیں زیادہ دور نہیں جانا۔ میں نے سہولت سے منع کیا اور جواد کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے قدم بڑھایا تھا کہ وہ کہنے لگے۔

بچوں کیلئے فکر مند ہونے سے پہلے اپنے بارے میں سوچیں کیونکہ ابھی بچوں کے دکھ سکھ آپ سے وابستہ ہیں آپ خوش ہوں گی تو یہ بھی خوش ہوں گے ورنہ۔

میں ان کی بات پوری ہونے سے پہلے باہر نکل آئی اور تمام راستہ تو ان کی باتوں کو سوچا لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا خیال یہ آیا کہ وہ اتنی تفصیل سے میرے حالات کیسے

جانتے ہیں اور سجاد کے بارے میں کتنے یقین سے بات کر رہے تھے۔

اسی الجھن میں میں نے بچوں کا یونیفارم بدلا پھر ان سے کھانے کا پوچھا تو جواد نے بتایا کہ بوانے انہیں کھانا کھلادیا تھا تب میں دونوں کو لیکر لیٹ گئی۔ گڑیا تو فوراً سو گئی اور جواد جانے کن سوچوں میں گم تھا۔ میں نے بہت آہستہ سے اس کی طرف کروٹ بدلی اور اس کی پیشانی چوم کر پوچھا۔

کیا بات ہے بیٹا، نیند نہیں آ رہی؟

پتہ ہے امی نومان کے پاس اتنے سارے کھلونے ہیں میری بات کا جواب دینے کے بجائے وہ جس دھیان میں تھا وہی بات کرنے لگا۔ نومان بتا رہا تھا کہ اس کے پاس ہوائی جہاز بھی ہے جس کا ٹین دباؤ تو وہ چلنے لگتا ہے۔

پھر میں نے یونہی کہہ دیا۔

پھر اور میرا معصوم بچہ خاموش ہو گیا یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ مجھے بھی ویسا جہاز لادیں۔ میں آپ کو ویسا جہاز دلا دوں گی میں نے کہا تب بھی وہ کچھ نہیں بولا بلکہ یوں پلکیں موند گیا جیسے میری بے بسی دیکھنا نہ چاہتا ہو۔



اس رات میں نے وہی طریقہ اختیار کیا یعنی سجاد کو اس کی بیکاری کا احساس دلانے بغیر یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس مہنگائی کے دور میں ایک اکیلا آدمی گھر نہیں چلا سکتا میں اس کا ساتھ دینا چاہتی ہوں لیکن اس کی وہی ایک نہیں تھی جو میری منتوں اور آنسوؤں سے جی ہاں میں نہیں بدل سکی جانے وہ کس زعم میں تھا۔ آخر مجھے غصہ آ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے سوچ کیا رکھا ہے نہ خود کچھ کرتے ہو نہ مجھے کرنے دیتے ہو۔

میں کچھ کروں یا نہ کروں، تمہیں اس سے کیا، تمہیں بھوکا تو نہیں مار رہا۔ وہ دھاڑ کر

بولا۔

صرف روٹی ہماری ضرورت نہیں ہے سجاد اور بہت کچھ نہیں تو کچھ نہ کچھ تو ہو۔

مثلاً؟ اس نے بے حد طنز آمیز لہجے میں یوں پوچھا جیسے میں بے نام خواہشوں کو نام دوں گی جنہیں پھر وہ حقارت سے رد کرے گا، کس قدر بے خبر ہے جانتا ہی نہیں کہ خواہشیں

میرے اندر جنم لینے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہیں اس وقت بھی میرے گمان میں اپنا آپ کہیں بھی نہیں تھا پھر بھی جانے کیسے میرے منہ سے نکل گیا۔
میں خوش رہنا چاہتی ہوں۔

تو رہو خوش، کس نے منع کیا ہے؟

کوئی خوش کرنے والی بات ہو تو یہاں تو سارا وقت فکریں ہی فکریں ہیں۔

تمہاری قسمت وہ بڑے آرام سے میری قسمت کو الزام دے کر کروٹ بدل گیا۔

اور یہی میری قسمت تھی کہ میں اپنی ہر کوشش میں ناکام ہوتی گئی پھر ان دنوں تو سجاد

بات بے بات طوفان مچانے لگا تھا اور میں جانتی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے کیونکہ میری

ڈیلیوری کے دن قریب تھے اور وہ چاہتا تھا کہ میں کسی طرح اماں کے گھر چلی جاؤں لیکن اس

بار میں بھی سوچ بلکہ تہیہ کر چکی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ شاید مجھے

زندگی اور موت کی کشمکش میں دیکھ کر اس کے اندر احساس جاگے کہ نئی زندگی تخلیق کرنے کیلئے

بھی زندگی چاہئے۔ خدا کی قسم! اگر وہ ایک بار اپنی کوتاہیوں کی زیادتیوں کا اعتراف کرتے

ہوئے میری جھولی میں اس کا فقط ایک موٹی ڈال دے تو میں اس کا یقین کر لوں گی اور پھر

اسے اس وقت پریشانی سے بچانے کیلئے خود ہی کسی بہانے اماں کے گھر چلی جاؤں گی لیکن

اس کے برعکس وہ لڑائی جھگڑے سے ایسے حالات پیدا کر رہا تھا کہ میں مجبور ہو کر چلی جاؤں

اس کے بعد ظاہر ہے وہ گزشتہ کی طرح ڈیلیوری کے کچھ دنوں بعد مجھے لینے چلا آتا اور ادھر

اماں ابالنا مجھے ہی سمجھانے بیٹھ جاتے۔

بہر حال اس کی پالیسی سمجھتے ہوئے میں نے بالکل خاموشی اختیار کر لی، گوگلی بہری بن

گئی۔ نہ کچھ سنتی نہ کچھ بولتی، محض اس خیال سے کہ وہ اپنے آپ بول کر چپ ہو جائے گا

لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ سارا دن میرے سر پر سوار رہتا، ذرا ذرا سی بات پر ٹوکتا۔

تمہیں آتا ہی کیا ہے کسی نے سکھایا ہی نہیں۔ اور ”کسی“ کے ساتھ ہی میرے میکے

کے ایک ایک فرد کو گھسیٹ لیتا۔ فلاں یوں ہے فلاں یوں ہے میں نے بھی کچھ نہ کہنے کی قسم

کھائی تھی اور میری اسی خاموشی پر اس شام جب میں کچن میں گڑیا کو چائے میں روٹی بھگو کر

کھلا رہی تھی اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔

الو کی پٹھی کیا سمجھا ہے تو نے مجھے باؤلا کتا کہ اپنے آپ بھونک کر چپ ہو جائے گا

بولتی کیوں نہیں سارے زمانے میں تو خوب ٹھٹھے لگاتی ہے۔

میرے بال چھوڑو، تکلیف کی شدت سے میں چلا کر بولی لیکن وہ اسی طرح گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو گڑیا اور جواد چیخ چیخ کر رونے لگے۔

چھوڑو سجاد کچھ بچوں کا خیال کرو، میں نے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ایک میں ہی رہ گیا ہوں خیال کرنے والا، ٹھیک لے رکھا ہے میں نے تم لوگوں کا دفع ہو جا کتیا اور اپنے بچوں کو بھی لے جا۔

اس نے دھکا دے کر مجھے گرا دیا اور میں جو پورے دنوں سے تھی وجود میں درد کی ایسی لہر اس اٹھیں کہ میری چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔ آس پڑوس سے خواتین بھاگی چلی آئیں، میری حالت دیکھ کر پڑوس کی خالہ سجاد سے کہنے لگیں۔

بیٹا! اسے ہسپتال لے جاؤ، اس کی حالت۔

مر نہیں جائے گی، وہ دھاڑا پھر پیر سے مجھے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔

بہت شوق ہے تجھے میکے جانے کا، جادفع ہو جا۔

نہیں، میں چیخوں کو دباتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی اور وہ ان عورتوں پر یوں ظاہر کرنے لگا جیسے میں میکے جانے پر اصرار کر رہی تھی۔

جائے گا تو تیرا باپ بھی، وہ دانت پیٹتے ہوئے بولا اور میری کلائی تھام کر تھینے لگا۔

عورتیں اسے روک رہی تھیں، میری حالت کا واسطہ دے رہی تھیں لیکن وہ تو جیسے پاگل ہو گیا تھا۔

تھی میرے بھیا جیسے رحمت کا فرشتہ بن کر آگئے غالباً باہر سے گزرتے ہوئے انہوں نے

میری چیخیں سن لی تھیں اور میرا حال دیکھ کر تو یقیناً ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی

ہو گی۔

وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انہوں نے سجاد کا گریبان پکڑنے کے بجائے مجھے سہارا

دے کر اٹھایا اور ایک خاتون کو ٹیکسی روکنے کو کہا، اس دوران سجاد موقع ملتے ہی باہر نکل گیا تو بچے

جو محض اس کے ڈر سے میرے قریب نہیں آ رہے تھے اس کے جاتے ہی بھاگے آئے لیکن

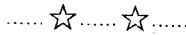
مجھے ہوش نہیں تھا۔ پہنچے نہیں کیسے بھیا مجھے اسپتال تک لائے جہاں میری پوری رات اذیتوں

کے بل صراط پر کٹی۔



صبح کے قریب جب میرے کان بچے کی آواز سننے کے منتظر تھے تب ڈاکٹر نے بتایا کہ بچہ میرے پیٹ میں ہی مر چکا تھا اس لئے مجھے اتنی اذیت سہنی پڑی۔
 اف اذیت تو اب شروع ہوئی تھی۔ جیتے جی مجھے آگ کے دریا میں دھکیل دیا تھا۔
 میرا بچہ کل تک میری کونکھ میں ہمکتا تھا میری سانسوں میں سانس لیتا میری دھڑکنوں سے کھیل کر اپنے ہونے کا احساس دلاتا وہ چپ چاپ مجھ پر قربان ہو گیا تھا۔ ہاں مرنا تو مجھے تھا لیکن اتنی اذیتیں سہہ کر بھی میں زندہ تھی۔ کتنی خالی ہو گئی تھی میں کچھ بھی نہیں رہا تھا میری ویران صحرا آنکھیں ایک بوند کو ترس رہی تھیں تبھی اماں اندر آئیں اور میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بس اسی قدر بول سکیں۔
 بیٹا! خدا کی مرضی۔

تم آج کل لڑکیاں بالکل احتیاط نہیں کرتیں۔ ڈاکٹر تو لیے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے میرے پاس آ کر کہنے لگی۔
 شکر کرو تمہاری جان بچ گئی۔ خدا نخواستہ زہر پھیل جاتا تو ویسے ہوا کیا تھا تمہارے بدن پر اتنے نشان کیا سیڑھیاں پھلا لگ رہی تھیں۔
 بس چھت پر کپڑے ڈالنے لگی تھی پاؤں پھسل گیا۔ مجھ سے پہلے اماں بول پڑیں اور میں گردن موڑ کر ٹیبل پر لیٹے بچے کو دیکھنے لگی۔
 مجھے معاف کر دینا میرے بچے اور جانے کس سمت سے بادل گھر کر آئے کہ میری ویران صحرا آنکھیں جل تھل ہو گئی تھیں۔



تیسرے دن اماں مجھے اپنے ساتھ گھر لے آئیں میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔
 بہنیں میری دلجوئی میں لگ گئیں جو داد اور گڑیا معصوم و بے خبر تھے لیکن اپنے باپ کا ظلم وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اس لئے بار بار مجھ سے یہی کہنے لگے۔
 امی! اب ہم ابو کے گھر نہیں جائیں گے وہ بہت خراب ہیں آپ کو مارتے ہیں۔ اور ہمیشہ تو میں انہیں ٹوکتی تھی لیکن اب چپ چاپ سنتی رہی اور اماں جب سنیں ٹوکنے لگتیں۔
 بری بات ایسے نہیں کہتے باپ ہے وہ تمہارا۔ پھر مجھ سے کہنے لگیں۔

سمجھ نہیں سکتی انہیں اس طرح تو یہ بالکل ہی باپ کے خلاف ہو جائیں گے۔
کون باپ کے خلاف ہو جائیں گے؟ بھیا سنتے ہوئے آگئے اور اماں سے پوچھا تو وہ کہنے لگیں۔

جواد اور گڑیا کی بات کر رہی ہوں، ہر وقت باپ کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔
ظاہر ہے برے کو برا ہی کہا جائے گا، بھیا کے اطمینان سے کہنے پر اماں تپ کر بولیں۔
دماغ صحیح ہے تمہارا، لویہ ایک اور آگئے پتہ نہیں کہاں سے۔
بس کریں اماں، اتنا تو اندھیر نہ چائیں یعنی ابھی بھی ابا کو آتے دیکھ کر بھیا خاموش ہو گئے اور مجھے دیکھ کر یوں مسکرائے، جیسے میری آرزو کی کم کرنا چاہتے ہوں اور میں محض ان کا دل رکھنے کی خاطر جو ابا مسکراتا چاہتی تھی کہ ابا کے پیچھے سجاد کو دیکھ کر میرے چہرے کا رنگ اس تیزی سے بدلا کہ بھیا متحش ہو کر میرے پاس آ بیٹھے اور مجھے کندھوں سے تھام کر پوچھا۔

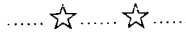
کیا ہوا؟ تبھی سجاد پر نظر پڑی تو میرے کندھے دبا کر بولے۔
اسے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا، تم اندر جاؤ۔
ابھی یہیں رہو گی یا چلنا ہے گھر؟ میں کھڑی ہوئی تھی کہ ولغیر سلام دعا کے مجھ سے پوچھنے لگا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس شخص کا منہ فوج لوں، کتنی ڈھٹائی سے آیا تھا، بہت ضبط کرتے کرتے بھی میں چیخ پڑی۔
آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا سجاد، میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔

ہائیں شہلا۔۔۔۔ شہلا اماں، ابا پکارتے رہ گئے لیکن میں کمرے میں بند ہو گئی۔ اس شخص کو اتنا بھی خیال نہیں تھا کہ کم از کم میرے زخموں پر کھرٹ جسنے کا انتظار تو کر لیتا پھر کتنی دیر تک بھیا اور اس میں تکرار ہوتی رہی، میں اندر ہی بیٹھی سن رہی تھی۔ گڑیا شاید نرگس کے پاس تھی البتہ جواد میری کمر کے گرد دونوں بازو لپیٹے مجھ سے چپکا جا رہا تھا۔ میں نے پہلے اس پر غور نہیں کیا کیونکہ میرا دھیان باہر کی طرف تھا جہاں سے بھیا اور اسکے اونچا بولنے کی آواز آ رہی تھی پھر اماں کی آواز۔

تم جاؤ سجاد یوں بھی ابھی شہلا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کچھ دنوں میں میں خود چھوڑ جاؤں گی۔

ہاں اب خود ہی چھوڑ جانا، میرے پاس اتنا فالو وقت نہیں ہے کہ بار بار پھیرے لگاتا رہوں۔

اماں کی بات پر وہ یوں اکڑ کر بولا جیسے واقعی بہت مصروف آدمی ہو پھر ایک دم خاموشی چھا گئی، غالباً وہ چلا گیا تھا اور قد رے توقف سے بھیا کی غصے سے بھری آواز سنائی دی۔
میں ہرگز ہرگز شہلا کو اس کمینے کے پاس نہیں جانے دوں گا۔
بس رہنے دو، کل کو وہ خود ہی جانے کو تیار ہو جائے گی تو تم منہ دیکھتے رہ جانا۔



غالباً اماں کے خیال میں جب میں غصے کی حالت سے نکلوں گی تو اپنے گھر کی راہ لوں گی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ غصے کی حالت سے نکلتے ہی میں بہت سنجیدگی سے اپنے بارے میں سوچنے لگی کیونکہ بچوں کی ساری خوشیاں مجھ سے وابستہ تھیں اور جب یہ بھی طے تھا کہ ان کی اچھی صحت، بہتر تعلیم و تربیت اور بہتر مستقبل کیلئے صرف مجھے سوچنا اور عملی طور پر بھی کچھ کرنا ہے تو پھر میں اس گھر میں کیوں جاؤں جہاں مجھ پر سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

اس روز اماں ہی نے میرے گھر جانے کا ذکر چھیڑا تو میں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

نہیں اماں میں وہاں نہیں جاؤں گی، سمجھ لیں میرا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رہا۔
باؤلی ہوئی ہو کیا، ایسے کب تک بیٹھی رہے گی۔ بچے الگ پریشان ہیں۔
بچوں کی پریشانی آپ نے دیکھی نہیں اماں، اپنے ہی گھر میں ہنس بول نہیں سکتے تھے اور آپ کو میں کیا بتاؤں سب تو جانتی ہیں آپ۔

ہاں جانتی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم بالکل ہی گرم چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، اچھے برے دن تو زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں، صبر کرو گی تو۔

یہ صبر نہیں جبر ہے، خود اپنے آپ پر ظلم اور شاید آپ نہیں جانتیں اماں کہ ظلم سہنا بھی اتنا ہی گناہ ہے جیسا ظلم کرنا۔ جب اللہ نے مجھے ہمت طاقت اور حق بھی دیا ہے تو میں اس ظلم کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھاؤں۔

میرے لہجے کی مضبوطی اماں کو حیران کر رہی تھی اور میں بولتی گئی۔

میں جانتی ہوں شوہر کا گھر چھوڑ کر میکے میں بیٹھنے والی عورت کو لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے لیکن میں اب لوگوں کے خوف سے اپنی اور بچوں کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ پانچ سال آپ کی نظر میں ہو سکتا ہے بہت کم عرصہ ہو لیکن جس پر بیتی ہے وہی جانتا ہے ہر پہل کانٹوں میں کھینٹا ہے اس نے مجھے کون سی گالی ہے جو اس نے میرے نام نہیں کی۔ زندگی بھی جو آپ کے سامنے زندہ کھڑی ہوں ورنہ اس نے تو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی بچے کو تو مار ہی ڈالا۔ ایسے سفاک قاتل۔ میری آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تو کچھ دیر کیلئے اماں خاموش بیٹھی رہ گئیں پھر نرمی سے بولیں۔

اللہ سلامت رکھے تمہارے بچوں کو دیکھنا جو اب بڑا ہو کر کیسے تمہارے درد دور کرتا ہے۔ کسی قابل ہو گا تب ناں میرے دکھ دور کرے گا اور اسے اس قابل بنانے کیلئے پہلے مجھے خود کسی قابل بنانا ہے۔ میں نے اٹل لہجے میں کہتے ہوئے اماں کو دیکھا۔ خاصی پریشان نظر آ رہی تھیں میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

آپ پریشان نہ ہوں میں آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔
 بوجھ کی بات نہیں ہے بیٹی اماں الجھ کر بولیں اور میں ان کی الجھن سمجھ رہی تھی لیکن اسے فوری طور پر دور کرنا میرے بس میں نہیں تھا اس لئے میں ان کے پاس سے اٹھ گئی۔



پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ سجاد پھر آ گیا۔ بہت غصے میں تھا کہ میں ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچی اور اس بار میں خوفزدہ ہو کر بھاگی نہیں بلکہ بڑے آرام سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو وہ مجھے دیکھتے ہی اپنے انداز میں بولا۔
 میں کیا تمہارے باپ کا نوکر لگا ہوا ہوں جو۔
 زبان سنبھال کر بات کرو سجاد یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ میں نے فوراً ٹوکا تو سرتاپا مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

جانتا ہوں تمہارے باپ کا گھر ہے لیکن میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں، سبھی تم۔
 ڈرتے تو تم خدا سے بھی نہیں۔

زیادہ بکواس کی ضرورت نہیں ہے چلو سیدھی گھر۔ بچے کہاں ہیں بلاؤ انہیں۔ اس سے میرا جرم کم کھڑا ہونا ذرا برداشت نہیں ہوا بچوں کے بہانے فوراً میری طرف سے دھیان ہٹا

کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ہم ایسے نہیں جائیں گے، میں نے کہا تو اس کی بھکتی ہوئی نظریں مجھ پر آن نکلیں۔

پھر کیسے جاؤ گی، کیا پھر سے بینڈ باجے بجوا کر آؤں۔

اس کے طنزیہ لہجہ کا میں نے کوئی نوٹس نہیں لیا بلکہ ذرا سا ہنس کر بولی۔

نہیں اب بینڈ باجے بجوانے کی باری میری ہے۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟

مطلب یہ ہے سجاد احمد کہ پہلے تم نے اتنے لوگوں کو گواہ بنا کر میری ذمہ داری قبول کی تھی اور اب میں خود تم سے قبول کرواؤں گی، جاؤ لے آؤ، اسٹامپ پیپر زیادہ نہیں، بس دو چار لائیں ہی لکھوں گی۔ میرے چبا چبا کر بولنے کے باعث وہ غالباً غیر ارادی طور پر میرے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا۔ آخری بات پر اس نے نظریں میری آنکھوں میں اتاریں تو ایک ہل کو میں پوری جان سے کانپ گئی۔ سچ، اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت میرے وجود کے پرچے اڑا دیتا، انتہائی زہر خند سے بولا۔

اسٹامپ پیپر، تم لکھواؤ گی اسٹامپ پیپر، اپنی اوقات پہچانتی ہو؟

پہچان گئی ہوں جیسی تو، میں نے کہا تو کچھ دیر تک وہ کبھی نفی میں سر ہلاتا، کبھی اثبات میں پھر ہنوز اسی انداز میں بولا۔

بہت پہچان گئی ہو، ابھی بھجواتا ہوں اسٹامپ پیپر۔ میں نے اسے زمین کو پیروں تلے روندتے دیکھا، پتہ نہیں زعم تھا یا۔۔۔۔۔

اور اسی زعم میں اس نے اسٹامپ پیپر بھجوا دیا، جس پر میرے لکھنے کو اس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ گو کہ اس کا یہ اقدام غیر متوقع نہیں تھا پھر بھی میں سناٹے میں آ گئی کیونکہ دل میں ابھی تک اندر کہیں کسی کا دیا ہوا اطمینان موجود تھا۔

کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی آپ کو۔ بے فکر رہیں سجاد طلاق نہیں دیں گے کیونکہ ایسا شخص ہمیشہ اندر سے خوفزدہ رہتا ہے اور بیوی کو بھی محض اس لئے پابند رکھتا ہے کہ کہیں اس کی نا اہلی ثابت کرنے کے قابل نہ ہو جائے اور آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ بات طلاق پر ہی ختم ہو گی اس کے برعکس اچھی سوچ، اچھی امید رکھیں۔

اور میں نے تو اچھی سوچ، اچھی امید ہی رکھی تھی۔ لیکن احساس کمتری کا مارا ہوا وہ شخص

یہاں بھی محض اپنی برتری جتانے کی خاطر انتہائی قدم اٹھا گیا تھا۔ بچوں تک کا خیال نہیں کیا، نہ ہی ایسا کوئی مطالبہ کیا کہ بچوں کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اس کے سر سے تو جیسے بلا ٹلی تھی پھر میں کیوں سوگ مناتی۔ اماں کچھ دن تک اٹھتے بیٹھتے اپنے آپ بولتی رہیں جبکہ ابا بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ نرگس اور شانی ویسی ہی لاپرواہ تھیں، جیسے کبھی میں ہوا کرتی تھی البتہ بھیا نے باقاعدہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔

ارے میرا تو خیال تھا اس سے طلاق دلوانے کیلئے ہمیں خاصی تک و دو کرنی پڑے گی، اچھا ہوا آسانی سے یہ معاملہ منٹ گیا پھر مجھ سے کہنے لگے۔
شکرانے کے نفل پڑھ لو جان چھوٹ گئی بلکہ بیچ گئی تمہاری ورنہ تو وہ تمہیں مار کر ہی دم لیتا۔

ہاں پتہ نہیں کس جنم کا بدلہ لے رہا تھا، میں نے افسوس کے ساتھ کہا تو میری پلکیں نم ہو گئیں، جانے کیا کیا ستم یاد آئے، تب بھیا اٹھ کر میرے پاس آ بیٹھے اور میرا سر اپنے کندھے سے لگاتے ہوئے بولے۔

کیسی بیوقوف ہو، ابھی بھی رو رہی ہو۔

میرے ساتھ شروع ہی سے اچھا نہیں ہوا بھیا اور میں نے تو کسی کو الزام نہیں دیا تھا لیکن اماں مجھے الزام دیتی ہیں۔

اماں تو بس ایسے ہی ہیں، تم انکی باتوں کا خیال نہیں کیا کرو پھر میرا دھیان ہٹانے کو پوچھنے لگے۔

جو داد اور گڑیا نظر نہیں آ رہے اس کو تو جا رہے ہیں ناں۔

جی ابھی شاید شانی کے ساتھ پڑوس میں گئے ہیں۔

جب ہی خاموشی ہے ویسے بچے یہاں آ کر بہت خوش ہیں، تم بھی خوش رہا کرو اور دیکھو کسی چیز کی ضرورت ہو تو۔۔۔۔ بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے جیب سے سے پیسے نکالے اور میری طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

لو یہ رکھ لو۔

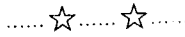
نہیں بھیا یہ میں نہیں لوں گی۔

کیوں نہیں لو گی انہوں نے زبردستی میری مٹھی میں دبا دیئے پھر کہنے لگے۔ نرگس اور

شانی کو دیکھا ہے وہ تو میرے ہاتھ سے چھین لیتی ہیں۔

ان کی بات اور ہے۔

نہیں میرے لئے تم تینوں برابر ہو آئندہ ایسی بات نہیں کرنا، سبھی تم۔ میں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

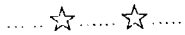


پھر جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ ابھی زندگی مشکل ہے اور بعد میں مشکل ترین ہوگی تو ایسا نہیں تھا بلکہ مجھے مسلسل ذہنی پریشانیوں سے نجات مل گئی تھی پھر میں نے لوگوں کا خوف بھی نہیں پالاکھا کیونکہ میں جانتی تھی کہ لوگوں کو موضوع چاہئے ہوتا ہے۔ عادت کے مطابق سب نے اپنے اپنے انداز میں مجھے موضوع بتایا لیکن میں نے پرواہ نہیں کی کیونکہ اب میں کڑھنا نہیں چاہتی تھی بلکہ بچوں کو خوش رکھنے کی خاطر خوش رہنا چاہتی تھی اور گوہ میں خوش نہیں تھی لیکن ناخوش بھی نہیں تھی اور یہ بھی غنیمت تھا، بہر حال میں نے مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے مشین سنہال لی کیونکہ عدت کے باعث ابھی میں گھر سے نکل نہیں سکتی تھی، یوں بھی میری تعلیم صرف انٹرنک تھی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ پرائیویٹ بی اے کرنے کے ساتھ کوئی کورس بھی کر لوں گی اس کے بعد ہو سکتا ہے مجھے کسی اچھی جگہ جاب مل جائے اور پہلے گھر میں سب ہی نے میرے سلائی کرنے پر اعتراض کیا۔ اماں کو لوگوں کی فکر تھی۔

کیا کہیں گے لوگ چار دن بیٹی کو بٹھا کر کھلا بھی نہیں سکے۔

لوگوں کو کہنے دیں، مجھے پرواہ نہیں۔

مجھے تو ہے اماں نے ترخ کر کہا تو اس وقت میں خاموش ہو گئی لیکن بعد میں موقع دیکھ کر میں نے انہیں رساں سے سمجھایا تھا۔



پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، زمر گس کی ایک جگہ بات پکی ہو گئی تھی۔ اس کے سرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے مین اماں نے انہیں میری عدت ختم ہونے تک روک دیا اور پہلے تو زمر گس خوش تھی لیکن میرا انجام دیکھ کر اب گھبرائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ سب ایک جیسے ہیں ہوتے لیکن اس کے اندر خوف بیٹھ گیا

تھا۔ انہی دنوں جو اد اور گڑا کے سالانہ امتحان شروع ہو گئے تو میری ساری توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی۔ گزشتہ دو مہینوں سے دونوں نے ماہانہ ٹیسٹوں میں اچھے نمبر لئے تھے اور میں چاہتی تھی کہ ان کا سالانہ رزلٹ شاندار رہے گو کہ مجھے ان کے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی کیونکہ ماشاء اللہ دونوں ہی بہت ذہین تھے اور خوفزدہ ماحول سے نکل کر اب تو ان کی ذہانت واقعی نکھرنے لگی تھی۔ میں بھی مایوسیوں سے نکل کر مستقبل سے اچھی امیدیں باندھنے لگی تھی اور کتنی عجیب بات تھی کہ میں نے بہت ساری خوش آئند باتیں سوچیں اور بہت دور تک سوچا لیکن جو بات ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں تھی سب سے پہلے وہی ہوئی۔ یعنی میری عدت کے دن تمام ہوتے ہی دو خواتین میرے لئے پیغام لیکر آ گئیں۔ میں جتنی حیران اتنی پریشان اور رات اماں کی گود میں سر رکھ کر میں رونے لگی۔

اماں! میں نے ایسا تو نہیں سوچا تھا، کیا اس طرح میرا تماشا بنے گا۔ میں لڑکی تو نہیں ہوں، اماں ہوں دو بچوں کی ماں اور بچوں کی ماں کے ساتھ لوگوں کو مذاق کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اماں کچھ نہیں بولیں، آہستہ آہستہ میرا سر تھکے لگیں تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بتائیں اماں یہ کیسا مذاق ہے، کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں۔

سب معلوم تھا، اماں کا انداز سوچتا ہوا تھا۔ میں ایک جھکے سے اٹھ بیٹھی اور اب غور انہیں دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

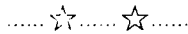
نہیں اماں، یہ ممکن نہیں ہے۔

کیا ممکن نہیں ہے؟

میں شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی اور اگر آپ کے دل میں بھی ایسا کوئی خیال ہو تو نکال دیجئے، کبھی نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ منع کر دیجئے گا ان خواتین کو اور آئندہ کسی کو ایسے ارادے سے مت آنے دیجئے گا۔ میں نے روتے روتے اماں کو سختی سے منع کیا تو وہ خاموش ہو کر رہ گئیں۔

اس کے بعد وہ خواتین دوبارہ اور سہ بارہ آئیں اور اماں پہ نہ نہیں کیوں منع کرنے سے ہچکچا رہی تھیں، شاید وہ صرف پیری ماں بن کر سوچ رہی تھیں اور مجھے اپنے بچوں کا خیال تھا۔ جیسی اگلی بار جب وہ خواتین آئیں تو میں نے خود انہیں صاف لفظوں میں منع کر دیا۔ ظاہر ہے اب مجھ میں کنواری لڑکیوں والی جھجک تو نہیں تھی اور ان خواتین نے بھی برا نہیں مانا بلکہ

مجھے سمجھانے کی کوشش کی لیکن میں نے ان کی کوئی بات نہیں سنی اور صاف جواب دے دیا۔ بعد میں اماں افسوس کر رہی تھیں اور انہیں افسوس اس بات کا تھا کہ خواتین نے آنے میں جلدی کی، یعنی ابھی میرے زخم تازہ تھے اور اماں کے خیال میں کچھ وقت گزرنے کے بعد جب میں خود شادی کی ضرورت کو محسوس کرتی تب انہیں آنا چاہئے تھا اور میرا خیال تھا میں کبھی اس ضرورت کو محسوس نہیں کروں گی۔ بہر حال اماں کو زیادہ افسوس کا موقع یوں نہیں ملا کہ نرس کی شادی سر پر آگئی تھی، سارا ادھیان ادھر منتقل ہو گیا تھا۔



جواد اور گڑیا کی رپورٹ دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی، دونوں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوئے تھے اور اس تمام عرصے میں پہلی بار میں نے اپنے بچوں کو انعام بھی دیئے پھر اسی روز انہیں نئے یونیفارم دلوائے۔

اگلے روز میں بچوں کی فینسیں دینے اور ان کی نئی کتابوں کا سیٹ وغیرہ لینے اسکول گئی تو پرنسپل کے آفس میں خاصا رش تھا۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اس آخری ملاقات کے بعد میرا آنا نہیں ہوا تھا، پہلے ڈیلیوری پھر عدت کے دن تھے اور میرے خیال میں اب وہ جاننا چاہتے ہوں گے کہ میں اپنی کوششوں میں کہا تک کامیاب ہوئی۔ اس لئے انہوں نے مجھے آرام سے بٹھا دیا اور مجھے بھی ایسی کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں نے بیٹھتے ہی ان کی ٹیبل سے اخبار اٹھا لیا اور اس میں مصروف ہو گئی۔ جب وہ تمام خواتین سے فارغ ہو گئے تب ریوالونگ چیئر ذرا سی میری طرف گھما کر بولے۔

کوئی خاص خبر ہے کیا؟

جی، میں نے چونک کر دیکھا تو مبہم سا مسکرا کر بولے۔

اب اگر میں پوچھوں گا کیسی ہیں آپ تب بھی کہیں گی جی۔

نہیں، میں ایسا نہیں کہوں گی۔ میں نے ذرا سا ہنستے ہوئے کہا اور اخبار پلیٹ کر ٹیبل پر

رکھ دیا۔

پھر کیا جواب ہو گا آپ کا؟ وہ تجسس نظر آئے اور میں کچھ رک کر بولی۔

پہلے سے بہتر ہوں، اس کے ساتھ ہی میں نے فیس کارڈ زان کے سامنے رکھ دیئے۔

آپ کے بچے بھی پہلے سے بہت بہتر ہیں پھر کارڈز پر نظریں دوڑاتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگے۔

اپنے فادر کو مس تو نہیں کرتے؟

جی، میں حیران رہ گئی اور حیرت کی بات تو تھی کہ وہ کیسے جانتے تھے۔ تب اچانک انہوں نے سراٹھایا اور میری حیران آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگے۔

پتہ نہیں آپ کے ساتھ اچھا ہوا یا برا لیکن سجاد نے خود اپنے ساتھ بہت برا کیا ہے اور

۔۔۔

پلیز مجھے ٹوکن پڑا جو ہوا میں اسے بار بار دہرانا نہیں چاہتی۔

آئی ایم سوری پھر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگے اب کیا سوچا ہے آپ نے؟

سوچنا کیا ہے، مقصد کی صورت بچے سامنے ہیں اور جو کرنا ہے ان کیلئے۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کے ساتھ آپ کو اپنے آپ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے

ابھی وقت آپ کی دسترس میں ہے آپ یگ ہیں۔ میں ہونٹ بھیج کر نظریں چرا گئی تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر کہنے لگے۔

میں جانتا ہوں آپ تلخ ترین دور سے گزری ہیں اس لئے ایسی کوئی بات سننا بھی نہیں چاہیں گی لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے پاس یہی وقت ہے بچے ابھی چھوٹے ہیں آپ کی زندگی میں آنے والی تبدیلی کو قبول کر لیں گے۔ بعد میں مسئلہ ہوگا۔ بچے بڑے اور سمجھدار ہو گئے تو آپ ہمیشہ کیلئے پابند ہو جائیں گی۔

میں نے اسی وقت سے خود کو پابند کر لیا ہے، وہ سانس لینے کو رکے تھے کہ میں فوراً بول

پڑی۔

سراسر زیادتی ہے یہ وہی اپنے آپ پر جبر۔ اپنی ذات کے ساتھ نا انصافی نہیں کرو کہ بعد میں سب کچھ پا کر بھی خالی پن کا احساس ہو۔ قدرے توقف کے کہنے لگے۔

اگر آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ سب ایک جیسے ہوتے ہیں تو اس میں آپ کا قصور نہیں

ہے فطری سی۔

نہیں میں ایسا نہیں سمجھتی۔ میں نے ان کی بات پوری نہیں ہونے دی اور وہ بھی فوراً

بول پڑے۔

پھر تو آپ کو ضرور سوچنا چاہئے اور یہی وقت ہے۔ میں کچھ نہیں بولی، قصداً ان سے نظریں ہٹا کر سامنے والے کلاک کو دیکھنے لگی تو انہوں نے کتابوں کی لسٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دی پھر کہنے لگے۔

نئے فیس کارڈ ابھی جاری نہیں ہوئے، دو تین روز بعد میں جو اد کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔
اد کے، میں چلوں۔

جیسے آپ کی مرضی۔ وہ مسکرائے اور میں کتابوں کی لسٹ بیگ میں ڈال کر کھڑی ہوئی تو جانے کیوں یوں لگا جیسے کچھ رہ گیا ہو، بالکل غیر ارادی طور پر میں ادھر ادھر دیکھنے لگی، کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو الجھ کر بولی۔

پتہ نہیں کیا چیز، ان کی نظر پڑی بند مٹھی ہونٹوں پر جمائے بغور مجھے دیکھ رہے تھے، میرے دیکھنے پر اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور مسکرا کر بولے۔
آئیے میرے ساتھ۔

جی۔

نو کوئین آئیے۔ حتیٰ سانداز تھا۔ میں پریشان سی ان کے پیچھے چل پڑی۔ گیٹ سے نکلتے ہی انہوں نے میرے لئے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور مجھے ادھر ادھر کوئی راستہ ہی نہیں ہے، ناچار بیٹھ گئی۔

میرا نام جلال رازی ہے، گاڑی اشارت کرتے ہی انہوں نے بولنا شروع کیا۔
میں اس اسکول کا صرف پرنسپل ہی نہیں اونز بھی ہوں لیکن یہ میرا ذریعہ معاش نہیں ہے، میرا اپنا بزنس ہے، امپورٹ ایکسپورٹ، جس کے بارے میں آپ جاننا چاہیں گی تو بعد میں میں تفصیل سے بتا دوں گا البتہ اس اسکول کی بنیاد میرے والد نے رکھی تھی۔ انہیں پڑھنے پڑھانے سے بے حد شغف تھا۔ ساتھ ہی یہ دکھ کہ آج کل لوگوں نے تعلیم کو کاروبار بنا رکھا ہے، بہر حال انہوں نے ایک تو اپنے ذوق کی تسکین کی خاطر یہ اسکول قائم کیا۔ دوسرے ان کا مقصد بہتر تعلیم دینا تھا اور گو کہ مجھے ایسا کوئی شوق نہیں تھا لیکن والد صاحب کے انتقال کے بعد مجھے ان کے قائم کئے ہوئے ادارے کو بند کرنا یا لاوارثوں کی طرح چھوڑ دینا گوارا نہ ہوا بلکہ اب میری کوشش ہے کہ میں اس کے معیار کو بہتر سے بہتر بناؤں، خیر یہ الگ بات ہے اصل بات یہ ہے کہ۔

انہوں نے رک کر میری طرف دیکھا اور میں پریشان ہو رہی تھی کہ آخر ان کا مقصد کیا ہے، میری پریشانی بھانپنے کے باوجود وہ پھر اپنی بات کرنے لگے۔

میرے دو بیٹے ہیں، نومان سے تو آپ مل چکی ہیں، وہ میرا چھوٹا بچہ ہے۔ بڑا بیٹا ارسلان آٹھ سال کا ہے۔ وہ میرے بھائی کے پاس امریکہ میں ہے۔ اصل میں میرے بھائی کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ انہوں نے ارسلان کو مانگا تو میں انکار نہیں کر سکا۔ اس وقت وہ یہیں تھے، میری بیوی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا پھر جلدی ہماری گود میں نومان آ گیا۔ یوں ہمیں زیادہ محسوس نہیں ہوا، بہر حال میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی طرح میرے بھی دو بچے ہیں، ارسلان تو خیر باہر ہے اور اسے کوئی کمی بھی نہیں البتہ نومان ماں کی کمی محسوس کرتا ہے۔

جی، میں چونک کر دیکھنے لگی۔

سال بھر کا تھا نومی کہ اس کی می کی ڈی۔ جھ ہو گئی۔

ونڈ اسکرین پر جی ان کی آنکھوں میں ہلکی سی اداسی اتر رہی تھی جبکہ میرا وجود خاموشیوں کی زد میں تھا، کچھ دیر بعد وہ کہنے لگے۔
ہم اگر مکمل طور پر اپنی ذات کی نفی کر دیں تب بھی بچوں کی زندگی کا یہ غلام پر نہیں ہوگا تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم۔

وہ قصداً خاموش ہو گئے اور میں بہت دیر دیر ان کی طرف سے رخ موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی، میرا ذہن بالکل خالی تھا، کوئی سوچ نہیں تھی۔

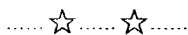
شہلا، کتنی دیر بعد انہوں نے پکارا اور میں نے ذرا سارخ موڑا تھا کہ پوچھ لگے کیا آپ نومی کی ماں نہیں بن سکتیں، بہت پیارا بچہ ہے آپ کو بالکل بچک نہیں کرے گا۔
لیکن جواد اور گڑیا آپ کو تنگ کریں گے، میرا انداز کھویا کھویا تھا اور جانے کیسے میں بنا سوچے سمجھے کہہ گئی اور وہ سمجھ کر مسکرائے۔

نو پرا بلم بچے تنگ کرتے اچھے لگتے ہیں۔

جی میں نے گھبرا کر دیکھا تو مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولے۔

اب اگر میں یہ کہوں گا کہ اب میری سسٹرز آئیں تو آپ منہ نہیں کیجئے گا تب بھی آپ کہیں گی جی۔

جی اس انکشاف پر میں مزید حیران ہوئی اور وہ گردن موڑ کر براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ کر بولے۔
جی۔



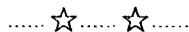
میں جلال رازی کے پروپوزل کو سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی، اس لئے میں مسلسل اپنا دھیان ادھر ادھر لگائے رکھتی، یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ زگس کی شادی سے فارغ ہو کر اماں ابا بجائے شانی کے پارے میں سوچنے کے میرے لئے فکر مند نظر آنے لگے حالانکہ میں بار بار اماں سے کہہ چکی تھی کہ مجھے اب کہیں نہیں جانا لیکن ان کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی تھی یا شاید وہ صرف ماں بن کر سوچتی تھیں اور میں بھی تو صرف ماں بن کر سوچ رہی تھی پھر اس روز جلال رازی کی بہنیں آئیں تو وہ تو پہلے بھی میرے انکار پر بجائے برا ماننے کے الٹا مجھے سمجھانے بیٹھ گئی تھیں اور اس وقت غالباً انہیں یہ یقین دے کر بھیجا گیا تھا کہ میں منع نہیں کروں گی، آئے ہی مجھ سے کہنے لگیں۔

تم اپنے دل سے ہر قسم کا خوف نکال دو، رازی ہمارا بھائی ہے، ہم اسے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ جو کام کرنا نہیں چاہتا، اس کیلئے صاف منع کر دیتا ہے اور جس کام کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اسے پوری ایمانداری سے نبھاتا ہے۔ میں سمجھ گئی ان کا اشارہ میرے بچوں کی طرف ہے، قدرے رک کر میں نے ان سے کہا۔

یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے میرا انتخاب کیوں کیا، آپ کے بھائی کیلئے کمی تو نہیں ہے، میرا مطلب ہے ابھی بھی آپ کے بھائی کو ایک سے ایک اچھی لڑکی۔

ٹھیک کہتی ہو، وہ میری بات سمجھ کر مسکرائیں۔

واقعی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے لیکن رازی کو صرف بیوی نہیں نومی کیلئے ماں بھی چاہئے اور نومی کی ماں صرف وہی عورت بن سکتی ہے جسے بچے کی محرومی کا احساس ہو۔
میرے خدا، میں نے خود کو بہت بے بس محسوس کیا۔



اور کتنے دن سوچنے خود سے لڑنے کے بعد بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی تو سب کچھ

اماں ابا پر چھوڑ دیا اور ماں باپ ان کا تو صرف دل بیٹیوں کیلئے کشادہ ہوتا ہے، آنگن جانے کیوں تنگ پڑ جاتا ہے۔

اسی ہفتے بہت سادگی سے میرا نکاح جلال رازی سے ہو گیا تو میرے ساتھ جواد اور گڑیا کو بھی وہ اسی وقت اپنے ساتھ لے آئے میرے اندر اس وقت تک گہری خاموشی تھی۔ پتہ نہیں سارے احساسات ایک ساتھ کیسے سو گئے تھے۔ کسی رپوٹ کی طرح ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جو وہ آتے ہی مجھے گھر دکھانے لگے تھے ڈرائنگ ڈائننگ ٹی وی لائونج، نوی کا کمرہ دکھاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اب یہ نوی اور جواد کا کمرہ ہے پھر ایک کمرے کو گڑیا کا کہتے ہوئے انہوں نے اسی وقت نوی کی آیا کو اس کے ساتھ منتقل کر دیا اور آخر میں ظاہر ہے انہی کا کمرہ رہ گیا تھا اور اس میں جانے سے پہلے وہ ابھی آیا کہہ کر جانے کہاں چلے گئے۔ میں نے چند لمحے انتظار کیا پھر آ کر گڑیا کے پاس بیٹھی تو وہ پوچھنے لگی۔

امی ہم یہاں رہیں گے یہ ہمارا گھر ہے؟ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر آواز دبا کر پوچھنے لگی۔

سر ہمیں ماریں گے تو نہیں۔ اس کے سر کہنے پر میں اندر ہی اندر ہنسی پھر اس کی پیشانی چوم کر کہا۔

نہیں بیٹا اب آپ کو کوئی نہیں مارے گا اور دیکھو یہ آیا اماں ہیں یہ آپ کے پاس سوائس گی آپ کو کہانیاں بھی سنائیں گی آپ انہیں تنگ نہیں کرنا۔
آپ کہاں جا رہی ہیں؟ حالانکہ میں نے ابھی اٹھنے کا فیصلہ بھی نہیں کیا تھا لیکن وہ میری بات پہلے سے ہی سمجھ گئی۔

میں ذرا جواد کو دیکھ لوں میں کہہ کر کھڑی ہوئی تو فوراً ہی آیا اماں اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اسے باتوں میں لگا لیا تب میں اس کے کمرے سے نکل آئی اور ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کدھر جاؤں کہ وہ نوی اور جواد کے کمرے سے نکل کر میرے سامنے آ گئے اور بغیر کچھ کہے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے کمرے کا رخ کیا۔

یہ ہمارا کمرہ ہے اس تمام عرصے میں وہ پہلی بار جہاں کھل کر مسکرائے ان کی نظروں کا انداز ہی بدل گیا پھر میرے کندھوں پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہنے لگے۔
میں کوئی وعدہ نہیں کروں گا نہ کوئی وعدہ لوں گا اور دعویٰ بھی کوئی نہیں۔ سیدھا سادا

انسان ہوں مجھ سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور کوتاہی بھی لیکن ایسی کوتاہیاں جو انسان کو آدمیت کی سطح سے بھی نیچے گرا دیں وہ خود میرے نزدیک ناقابل معافی ہیں اور اگر مجھ سے کبھی ایسی کوتاہی ہوئی تو آپ سے پہلے میں خود اپنے آپ کو سزا دوں گا۔ چند لمحے توقف کے بعد پھر کہنے لگے۔

میرے نزدیک سب سے مضبوط اور پائیدار رشتہ محبت اور احترام کا ہے، میں آپ کو بیوی بنا کر لایا ہوں، بیوی جسے شریک حیات بھی کہتے ہیں۔ شریک حیات کا مطلب جانتی ہیں یعنی میرے حیات کی پل پل کی ساتھی اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میری ساتھی اس وقت کچھ خوفزدہ سی کھڑی ہے۔

میں واقعی خوفزدہ تھی اور شاید میرا وجود بہت ہلکے ہلکے لرز بھی رہا تھا۔ وہ مجھے یونہی کندھوں سے تھامے ہوئے بیڈ تک آئے اور بٹھاتے ہوئے کہنے لگے۔

میں نے کہا ناں کہ میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گا، میں عمل پر یقین رکھتا ہوں اور شہلا میں نہیں چاہوں گا کہ کسی بھی مقام پر ہمیں ایک دوسرے کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے۔ آج ہم ایک ہوئے ہیں اور ہماری ذمہ داریاں بھی ایک ہیں، سمجھ رہی ہیں ناں۔

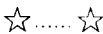
میں نے اثبات میں سر ہلایا تو میری آنکھوں کا پانی چھلک گیا، وہ ہونٹ بھیج کر مجھے دیکھنے لگے تب اس خیال سے کہ جانے وہ کیا سمجھیں میں نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔ میں کہاں اس قابل تھی رازی، آپ نے توجہ منجھو کروں میں آئے پتھر کو۔ نہیں شہلا ایسا نہیں کہیں، انہوں نے نے میرا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا پھر اچانک قدرے رعب سے بولے۔

ادھر دیکھیں میری طرف، میں نے گہرا کر بھیگی آنکھوں سے دیکھا تو ہنوز اسی انداز میں بولے اب آپ میرے کچھ احکامات سن لیں بلکہ ذہن نشین کر لیں اور اگر ان سے ذرا سی بھی کوتاہی ہوئی تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گا۔ جی میں پریشان ہو گئی۔

ارے آپ تو پریشان ہو گئیں، چلنے جانے دیں میں کچھ نہیں کہتا۔ نہیں پلیز آپ کہیں۔

آپ سے تو درخواست ہی کروں گا، میڈم کے خدا را مجھ پر رحم کیجئے۔ اتنے انمول موتی

آنکھوں سے ٹپکائیں گی تو اندیشہ ہے میں سارے کام چھوڑ کر صرف انہیں ہی چھنے میں لگ جاؤں گا۔ ان کے ہونٹوں می بڑی دلنشین مسکراہٹ دہی تھی جو میرے اندر کی خاموشیوں میں بہت خوبصورت ارتعاش پیدا کر گئی۔



میں بہت تلخ ترین دور سے گزر کر آئی تھی، اس لئے بہت محتاط سی تھی پھر شاید میرے لاشعور میں کہیں یہ بات بھی تھی کہ ابتداء میں تو سب ہی اچھا پوز کرتے ہیں اصل شخصیت تو دھیرے دھیرے ہی سامنے آتی ہے۔ جب ہی رازی کی ہر حرکت کو میں کبھی ارادی اور کبھی غیر ارادی طور پر یوں دیکھنے لگتی جیسے جاننا چاہتی ہوں کہ آیا ان کے عمل میں کتنی سچائی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ وہ بہت سچے کھرے انسان تھے۔ مجھے ان میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی بناوٹ نظر نہیں آئی۔

ابتدائی چند دنوں کے بعد صبح ناشتہ میں خود بنانے لگی تھی، گوکہ انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تھا لیکن میں نے خود ہی محسوس کیا تھا کہ آیا اماں کا بنایا ہوا ناشتہ انہیں پسند نہیں آتا۔ اس کے باوجود انہوں نے کبھی ٹوکا نہیں تھا۔ بہر حال جب میں ناشتہ بنا رہی ہوتی تو مجھے الکی آواز سنائی دیتی تھی۔

نومی، گڑیا، جواد چلو بیٹا جلدی سے تیار ہو جاؤ، اسکول کو دیر نہیں ہونی چاہئے۔ اور پتہ نہیں میں کیا جاننا چاہتی تھی، کسی وقت اچانک چولہا بند کر کے اندر چلی آتی تو ہمیشہ وہ مجھے گڑیا ہی کے کسی کام میں مصروف نظر آتے۔ کبھی اس کے بالوں میں گنگھی، کبھی اس کا بیک ٹھیک کر رہے ہوتے اور اس وقت تو گھنٹے فرش پر ٹیکے اس کے شوز کے اسٹیپ بند کر رہے تھے۔ ایک لمحہ کو میں سن سی ہو گئی کہ کبھی اس کے باپ سے بھی ایسا نہیں کیا تھا بلکہ کبھی کھیلنے ہوئے غلطی سے بھی گڑیا اس کے قریب چلی جاتی تو وہ دھکادے کر دور کر دیتا تھا۔ اب یہاں وہ کتنے آرام سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ میں اندر ہی اندر خود کو ملامت کرتی ہوئی آگے بڑھ کر آئی اور گڑیا کو سرزنش کرنے لگی۔

بہت بری بات ہے گڑیا اپنے کام آپ کو خود کرنے چاہئیں۔ میرے گھورنے پر گڑیا کچھ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی تو انہوں نے یونہی بیٹھے بیٹھے سر اٹھا کر مجھے دیکھا تو میں شیشا کر بولی۔ چلیں ناشتہ کر لیں۔

ناشتہ بھی ملے گا؟ انہوں نے اٹھتے ہوئے حیران لہجے میں کہا تو میں سمجھی نہیں۔
کیا مطلب؟

میں سمجھا آج آپ کی ڈانٹ پر ہی گزارا ہوگا۔
میں نے کب ڈانٹا ہے۔

لیجئے بچی پچاری سہم کر رہ گئی اور آپ کہہ رہی ہیں کب ڈانٹا پھر گڑیا سے کہنے لگے۔
چلو بیٹا جواد اور نومی کے ساتھ ڈانٹنگ ٹیبل پر ہم ابھی آتے ہیں۔
اف میں نے آ میٹ تو بنایا نہیں، میں کہتی ہوئی گڑیا کے پیچھے جانے لگی تو انہوں نے
میرا بازو پکڑ لیا اور کھوجتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگے، میں سچ گھبرا گئی۔
ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ وہ کچھ نہیں بولے۔
میرا بازو چھوڑ دیا تو میں جلدی سے بچوں کے پاس آ گئی۔



پھر کتنا بہت سارا وقت گزر گیا، سال دو سال اور یہ عرصہ میں نے ایسے ہی گزارا بہت
خاموشی سے آزما تے ہوئے حالانکہ دوسری طرف بھی یہی حالات تھے۔ وہ بھی مجھے آزما
سکتے تھے لیکن اول روز جب میں نے نومی کو اپنی آغوش میں سمویا تھا تو وہ اسی وقت اطمینان
سے ہو گئے تھے۔ پتہ نہیں مرداتے فراخ دل کیسے ہوتے ہیں، بہر حال دو سال بہت ہوتے
ہیں اور پھر مجھے تو ہر بار ہی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ آخری بار میں نے خود کو حد درجہ
ملامت کرتے ہوئے اپنے اندر کی اس عورت کو مار ڈالا جو محبتوں پر شک کر رہی تھی
اور سچائیوں میں کھوٹ تلاش کرنے کی سعی لا حاصل۔ اس کے بعد میں مطمئن سی ہو گئی تو یوں
لگا جیسے میں نے ابھی ابھی نئی زندگی میں قدم رکھا ہو۔ کمرے سے نکل کر آئی تو فضا نکھری
نکھری تھی یا شاید مجھے لگ رہی تھی۔ ابھی دو گھنٹے پہلے جب میں محض یہ دیکھنے کہ رازی بچوں
سے کس طرح بی ہو کر رہے ہیں، دسے پاؤں اس طرف آئی تھی تب تو فضا ایسی نہیں تھی۔ نہیں
فضا تب بھی ایسی تھی، تبدیلی تو مجھ میں آئی تھی۔ بہت ہلکی پھلکی ہو کر میں نے پہلے نومی پھر
جواد اور گڑیا کو پکارا تو آیا اماں آ کر کہنے لگی۔

بیٹا! بچے تو باہر گئے ہیں۔

کب، کس کے ساتھ؟ میں حیران ہوئی۔

بہت دیر ہوئی، صاحب لیکر گئے ہیں، تم سو رہی تھیں کیا۔

میں ہا۔۔۔ ہاں میں سو رہی تھی۔

میں نے گڑبڑا کر کہا اور لاؤنج میں آ کرٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی لیکن پھر جلدی اکتا کر وہاں سے اٹھ آئی۔ یہاں وہاں کہیں دل نہیں لگ رہا تھا حالانکہ آج کوئی پہلی بار تو رازی بچوں کو لیکر نہیں گئے تھے۔ اکثر شام میں ہم گھومنے جاتے تھے اور جب میرا موڈ نہیں ہوتا تھا تب بھی رازی بچوں کی بات نہیں ٹالتے تھے۔ مجھے یاد آیا اس وقت جب میں دبے پاؤں رازی کے پیچھے آئی تھی تو گرڈیا ان سے پلے لینڈ جانے کی فرمائش کر رہی تھی۔ یقیناً وہ انہیں وہیں لے گئے ہوں گے لیکن انہوں نے مجھ سے پوچھا تک نہیں، نہ مجھے ساتھ چلنے کو کہا اور ایسا آج پہلی بار ہوا تھا۔ ظاہر ہے میں پریشان ہو گئی کہ کہیں میری کسی بات سے وہ خفا تو نہیں ہو گئے۔ میں صبح سے اب تک کی ایک ایک بات سوچتی رہی اور ادھر سے ادھر ٹہکتی رہی۔ کوئی دس بجے ان کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو میں خود سب سے روٹھ کر بیٹھ گئی۔ پہلے بچے بھاگتے ہوئے آئے، خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے میری حلقی محسوس کرتے ہی وہیں رک کر معصومیت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ تب ہی وہ آ گئے اور انہیں خاموش کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

کیا ہوا بیٹا؟

ڈیڈی امی ناراض لگ رہی ہیں، نومی نے کہا تو وہ مجھے دیکھنے لگے پھر قریب آ کر

پوچھا۔

کیا واقعی آپ ناراض ہیں؟

مجھ سے کوئی بات نہ کرے، میں نے قدرے غصے سے کہہ کر منہ موڑ لیا تو وہ بچوں سے

کہنے لگے۔

یہ تو بچ مچ ناراض ہیں۔

اب کیا ہوگا ڈیڈی، کیا امی ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ نومی کی گھبراہٹ یونہی پریشان آواز پر میں نے چونک کر دیکھا پھر بے اختیار اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

نہیں بیٹا میں آپ سے تو ناراض نہیں ہوں، آپ تو میرے بہت اچھے بیٹے ہو، اب جلدی سے بتاؤ کہاں گئے تھے۔

پلے لینڈ اور پتہ ہے امی جب ڈیڈی نے گڑیا کو جھولے پر بٹھایا تو وہ رونے لگی، وہ فوراً ہی بہل کر مجھے ساری رو داد سنانے میں لگ گیا۔ گڑیا اور جواد بھی ساتھ ساتھ بولنے لگے، میں نے قصد ان کی طرف باتوں میں دلچسپی ظاہر کی پھر کھانے کا پوچھا تو جواد کہنے لگا۔
ڈیڈی نے ہمیں کھانا بھی کھلایا تھا۔

پھر آپ جا کر سبق یاد کرو، میں نے تینوں کو بھیج دیا اور ان کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو وہ فوراً ہی میرے پیچھے آتے ہوئے بولے۔
گویا ساری ناراضگی ہم سے ہے۔

جی نہیں، میں کون ہوتی ہوں آپ سے ناراض ہونے والی۔ میرے ترخ کر کہنے پر وہ ہنس کر بے ساختہ بولے۔

گھر والی، میں منہ موڑ کر جانے لگی کہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا پھر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہنے لگے۔

میں نے قصد آپ کو ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا کیونکہ اس وقت آپ خاصی ڈسٹرب لگ رہی تھیں، ویسے اب تک تو آپ کو میرا اعتبار کر لیتا چاہئے۔
کیا مطلب؟ میں شیشا گئی اور وہ دھیرے سے بولے۔

شہلا! میں نے اگر کوئی دعویٰ نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ سرے سے مجھے اپنی پریشانی بتائیں ہی ناں، کہنے کیا بات آپ کو پریشان کرتی ہے۔ میں نے گہری سانس کھینچ کر سر جھکا لیا۔ اب ان سے کیا کہوں پھر انہیں منتظر دیکھ کر اچانک ہی مجھے یاد آیا تو میں کچھ رک کر بولی۔

وہ ایسا ہے رازی کہ اس روز میں اماں کے گھر گئی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ سجاد بچوں کو لینا چاہتا ہے، کافی دھمکیاں دے گیا ہے۔ میری بات سن کر وہ کتنی دیر تک خاموش بیٹھے رہے، مجھے الجھن ہونے لگی تو ان کا ہاتھ ہلا کر پوچھا۔

رازی! کیا وہ بچوں کو لے جائے گا۔

کم از کم میرے جیتے جی تو نہیں، پر سوچ انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے مجھے دیکھا پھر اپنے ہاتھ سے میرے چہرے پر آئے بال ہٹاتے ہوئے بولے۔

بہت غلط کیا آپ نے، اکیلی پریشان ہوتی رہیں آپ کو اسی وقت مجھے بتانا چاہئے

تھا۔

آئی ایم سوری میں بتانا چاہتی تھی لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ خود کو کسی مشکل میں ڈالیں۔ میں نے غلط نہیں کہا کیونکہ میں نے واقعی اسی خیال سے نہیں بتایا تھا۔ کوئی مشکل نہیں ہے شہلا! آپ بالکل بے فکر ہو جائیں، سجاد صرف دھمکیاں دے سکتا ہے۔ عملی طور پر کچھ نہیں کر سکتا اگر بالفرض محال اس نے کورٹ کا سہارا لیا تو ہم اسے نا اہل ثابت کر سکتے ہیں اور جب تک وہ کسی اہلیت کا حامل ہو، بچے اتنے بڑے ہو چکے ہوں گے کہ فیصلہ ان پر چھوڑ دیا جائے گا اور بچے تو ہمارے ہیں جان، ہمیں چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔ رازی! میں بے اختیار ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی، کب کھی کو ایسے ہمسفر ملتے ہیں، میری کوئی نیکی ہی کام آئی ہوگی۔



زندگی میں کوئی کمی، کوئی نقصانی نہیں تھی اور خوشیوں کے ہنڈوے پر جھولتے ہوئے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ صبح جاتے ہوئے رازی نے کہا تھا کہ شام میں کچھ مہمان آئیں گے اور پھر جس شفیق مسکراہٹ سے انہوں نے گڑیا کو دیکھا، اس سے میں مہمانوں کی نوعیت سمجھ گئی، ساتھ ہی اس وقت سے میں خوشگوار سی حیرت میں ہوں۔ یعنی پتہ ہی نہ چلا ہنٹے کھیلنے بچے نوجوانی کی دہلیز تک آ گئے۔

میں نے یونہی بیٹھے بیٹھے گزرے ماہ و سال کو سوچ ڈالا۔

جب رازی کی رفاقت میں مکمل طور پر اطمینان محسوس کرنے لگی تھی، تب انہوں نے مجھے مزید پڑھنے پر آمادہ کیا اور جب میں نے ایم اے کر لیا تب انہوں نے اپنے والد کا قائم کیا ہوا اسکول میرے حوالے کر دیا، ابھی ابھی میں اس کرسی پر بیٹھتی ہوں جس پر بیٹھنے والے جلال رازی نے مجھے صبر اور جبر میں فرق سمجھایا تھا اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے ان کی بات سمجھ کر بروقت اپنی زندگی کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ جبر کو صبر کہتے کہتے عمر تمام ہو جاتی اور اس مقام پر میں اپنی کم عقلی کے باعث پھل نہ ملنے پر خدا سے شاکی بھی ہوتی۔ بہر حال اس تمام عرصے میں میں نے کبھی اس سسکتی ہوئی زندگی کو یا نہیں کیا حالانکہ میں بھولی کچھ بھی نہیں پھر بھی میں کیوں یاد کروں۔ جب مجھے میری بساط سے بڑھ کر مل گیا۔ بے حد چاہنے اور احترام دینے والا شوہر، بچوں کی خوشیاں اور جگمگاتا ہوا سنہری مستقبل جس کیلئے ایسا کوئی تردد

نہیں کہ راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں۔ سامنے صاف اور واضح نظر آتا ہے، نومی اور جواد بی ایس سی کر چکے ہیں اور عقرب مزید تعلیم کیلئے امریکہ جانے والے ہیں۔ گڑیا نے بھی تھرڈ ایئر کا امتحان دیا ہے پھر میری اپنی زندگی بہت کامیاب گزری ہے۔

امی! میں نے چونک کر دیکھا تو نومی اندر آتا ہوا بولا، آپ نے بتایا نہیں ڈیڈی کن مہمانوں کی بات کر رہے تھے؟
بیٹا وہ گڑیا کیلئے، میرا مطلب ہے گڑیا کو دیکھنے آرہے ہیں۔ میں نے بتایا تو وہ حیرت سے چیخا۔

گڑیا کو دیکھنے لیکن امی ابھی تو وہ اتنی سی ہے۔

کوئی اتنی سی نہیں ہے۔

پھر بھی امی ابھی نہیں، ہم امریکہ سے واپس آجائیں تب ورنہ آپ اور ڈیڈی اکیلے ہو جائیں گے۔

ہمارا بھی یہی خیال ہے۔

پھر آپ مہمانوں کو منع کر دیں، وہ فوراً بولا۔

نہیں دیکھنے میں کیا حرج ہے اگر پروپوزل اچھا ہوا تو منگنی کر دیں گے، شادی تو تم لوگوں کے آنے پر ہی ہوگی۔ میں نے اسے اطمینان دلایا پھر کتنے بہت سارے کام یاد آنے پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

شام میں مہمان اپنے وقت آئے، دیکھتے ہی پڑھے لکھے معزز نظر آرہے تھے۔ ان کا بیٹا ڈاکٹر عثمان جس کا وہ پروپوزل لائے تھے وہ بھی ساتھ تھا۔ خاصا خوش شکل نوجوان، مجھے گڑیا کے لئے پہلی نظر میں اچھا لگا لیکن فیصلہ رازی کو کرنا تھا اور ظاہر ہے وہ پوری چھان بین کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرتے۔ بظاہر وہ لوگ بہت خوش تھے اور خاتون بار بار مجھ سے گڑیا کی تعریف کر رہی تھیں پھر جاتے جاتے دوبارہ جلد آنے کا کہہ گئیں، رات میں رازی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے ان سے یہی کہا۔

میں کچھ نہیں جانتی اگر صرف دیکھنے تک کی بات ہے تو لڑکا بھی اچھا تھا اور اس کے ماں باپ بھی باقی آپ جانیں۔ گویا میں نے بڑے آرام سے یہ ذمہ داری بھی ان کے سر ڈال دی، جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ ساتھ ہی مجھے گڑیا کی رائے لینے کو بھی کہا۔

شوہر کے ظلم و زیادتی کو زندگی کی آخری سانسوں تک برداشت کرتے رہنا چاہئے اگر وہ شخص

دو کے بجائے ایک وقت کی روٹی بھی مجھے عزت کے ساتھ دیتا تب بھی میں برداشت کرتی اور معاملہ صرف میرا نہیں تھا۔ میرے بچوں کی زندگی کا تھا۔ خیر یہ سب گزری باتیں ہیں جنہیں میں دہرانا نہیں چاہتی اور نہ ہی مجھے آپ کے سامنے کوئی صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ آئیں آئے کا شکریہ میری بیٹی کیلئے کی نہیں ہے۔

میں نے فون بند کر دیا اس کے بعد اپنے کمرے تک آتے آتے میں نڈھال ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد گڑیا آئی تو میں نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میرے سر میں معمولی سادر دھے میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد سارا دن وقفے وقفے سے تینوں بچے میرے کمرے میں جھانکتے رہے اور میں ان کی آہٹ سنتے ہی سوئی بن جاتی جبکہ مجھے ایک پل کو بھی نیند نہیں آئی تھی۔ میرے ذہن میں مسلسل لاوا پکنا رہا۔ شام میں جس وقت رازی آئے ضبط کی انتہاؤں کو چھو کر میری آنکھیں سرخ اور پوٹے بھاری ہو رہے تھے۔ غالباً بچوں نے باہر ہی انہیں بتا دیا تھا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے فوراً میرے پاس آئے اور میری آنکھوں سے بازو ہٹاتے ہی پریشان ہو گئے۔

کیا ہوا شہلا! ایسا شہد آکس لہجہ میری نس نس میں اتر گیا پھر بھی میں کچھ بول نہیں سکی تو انہوں نے اونچی آواز میں بچوں کو پکارا اور ان کے آنے پر باقاعدہ ان کی کلاس لینے لگے کہ جب میری یہ حالت تھی تو انہوں نے آفس فون کر کے انہیں کیوں نہیں بتایا یا کم از کم ڈاکٹر کو ہی بلا لیتے۔ تینوں بچے خاموشی سے سر جھکائے کھڑے تھے مجھے ان پر ڈھیروں پیار کے ساتھ رحم بھی آیا تو میں نے دھیرے سے رازی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے سمجھ کر بچوں کو جانے کا اشارہ کیا پھر جیسے ہی مجھے دیکھا میں آہستہ سے بولی۔

میں ٹھیک ہوں رازی۔

رازی کی جان نکال دیتی ہیں آپ سچ بتائیں کیا ہوا تھا۔ کیا نومی یا جواد نے بدتمیزی کی میں بالکل شوٹ کر دوں گا انہیں۔

نہیں رازی میں ان کا ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر رو پڑی۔

ایسا خیال کیوں آیا آپ کو میرے بچوں نے کبھی مجھ سے بدتمیزی نہیں کی۔

فار گاڈ سیک شہلا! مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں۔ میں جان گیا ہوں کہ آپ کو سارا دن کسی بات نے پریشان رکھا ہے اور اب اگر آپ نے فوراً اپنی پریشانی نہیں کہی تو میں۔
 آپ سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔ ان کے غصے کے سامنے بند باندھنے کیلئے میں فوراً بول پڑی تو وہ ایک دم خاموش ہو گئے۔ میں تکیہ سیدھا کر کے ذرا سی اونچی ہو کر بیٹھی اور چادر سے آنسو صاف کرنے کے ساتھ انہیں ساری بات کہہ سنائی۔

وہ چپ چاپ سنتے رہے جیسے ہی میں خاموش ہوئی، بے حد تلخ لہجے میں بولے۔
 ہمارا معاشرہ کبھی نہیں سدھر سکتا، بہت خوش ہوتے ہیں لوگ جب ایک عورت ساری زندگی حالات کی چکی میں پستی رہتی ہے۔ بات تو جب ہے کہ جب اسے دینے کا وقت آئے تو خوشی سے دیں لیکن اس وقت یہ کہہ کر منہ موڑ لیتے ہیں کہ اس کے پاس ہے ہی کیا سوائے دکھوں آنسوؤں آہوں کے۔ اور سینکڑوں نہیں ہزاروں میں سے کوئی ایک عورت اپنے حق کیلئے آواز اٹھا لیتی ہے تو وہ اس کا ناقابل معافی جرم ہو جاتا ہے۔ ہونہر پھر مجھے مسلسل آنسو پونچھتے دیکھ کر بولے۔

خبردار شہلا! میں آپ کو رونے کی اجازت نہیں دوں گا، آپ کے حق کو میں نے تسلیم کیا۔ میں آپ کو بہتر زندگی کی طرف لایا اور آگے بھی میری ذمہ داری ہے، میں آنسو پونچھتا بھول کر انہیں دیکھے گئی اور وہ اچانک میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔
 سچ بتائیں شہلا سارا دن میں کتنی بار آپ کو یہ خیال آیا کہ کاش آپ جبر سہہ لیتیں تو آج گڑیا کے ساتھ ایسا نہ ہوتا۔

نہیں رازی خدا گواہ ہے میں نے ایک بار بھی ایسا نہیں سوچا، آنسوؤں میں بھیگا میرا لہجہ انہیں آرزوہ کر گیا۔ کتنی دیر خاموش رہنے کے بعد گہری سانس کھینچ کر بولے۔
 شکریہ شہلا! آپ نے مجھے مایوس نہیں کیا اور آپ بھی مایوس نہ ہوں۔ میں جانتا ہوں ابھی اور کتنے لوگ آئیں گے اور اتنی ہی بار یہ کہانی دہرائی جائے گی لیکن نہیں اب میں اور کسی کو یہاں آنے کی اجازت نہیں دوں گا۔
 لیکن رازی گڑیا، میرا مطلب ہے۔ میں پریشان ہو گئی۔

..... ☆ ☆

پاکستان کا
دعا کا
عظیم
حادثہ
کلام

تمہارے نام کا تارا

بھائی لڑ۔۔۔۔ لڑکی آرہی ہے۔ عمیر نے قدرے لڑکھڑاتے ہوئے اس کا بازو ہلا کر اطلاع دی تو وہ جو مطالعے میں مصروف تھا بیزاری سے بولا۔
اماں چھوڑو یا مذاق نہیں کر۔

مذاق نہیں بھائی، سچ کچ کی لڑکی۔ وہ دیکھیں گیٹ سے داخل ہو کر اب اسی طرف آرہی ہے۔

عمیر کی نظریں گیٹ سے داخل ہونے والی لڑکی پر جمی تھیں اور مسلسل اس کا بازو ہلا کر اسے بھی ادھر دیکھنے پر مجبور کرنے لگا تو بے حد جھنجھلا کر اس نے کتاب بند کی لیکن پھر جیسے ہی سامنے سے آتی ہوئی لڑکی پر نظر پڑی، بوکھلا گیا۔
ارے یہ تو واقعی ادھر ہی آرہی ہے، بھاگو عمیر۔

کک، کہاں؟

عمیر اس سے زیادہ بوکھلا کر فوراً اس کی کرسی کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگا تو وہ اس کا بازو سمجھتے سمجھتے کر بولا۔

میں نے چھپنے کیلئے نہیں کہا، جاؤ اس لڑکی کو روکو اس سے پہلے کہ اماں کی نظر پڑے اسے وہیں سے واپس کر دو۔

میں، عمیریوں پریشان ہوا جیسے اسے محاذ جنت پر جانے کو کہا گیا ہو۔ اس اثناء میں لڑکی قریب آ گئی۔

السلام علیکم۔

اس کی آواز بہت خوبصورت نہیں تھی لیکن سیر ربانی کی سماعتوں نے غالباً مدتوں بعد نسوانی آواز سنی تھی، جیسی اسے بہت بھلی لگی۔ عمیر کو آنکھیں دکھانے کے بعد بہت سنبھل کر اس کی طرف پلٹا تو بس اسی قدر کہہ سکا۔

جی۔

میرا نام شہلا ہے، ساتھ والے گھر سے آئی ہوں۔
وہ اپنا تعارف کرانے کے ساتھ کہنے لگی۔

ہمیں یہاں شفٹ ہوئے تین چار مہینے ہو گئے ہیں، بہت انتظار کے بعد بالآخر آج میں خود چلی آئی۔

انتظار کے بعد، عمیر نے اس کے کندھے کے اوپر سے جھانکتے ہوئے وضاحت طلب کی تو وہ مسکرا کر بولی۔

میرا مطلب ہے میں انتظار میں تھی کہ آپ کی طرف سے کوئی آئے گا، یہاں شاید نئے پڑوسیوں کو خوش آمدید کہنے کا کوئی رواج نہیں۔

وہ بہت خاموشی سے اسے بولتے ہوئے سن رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر کھلتی مسکراہٹ دیکھ رہا تھا کہ اسے اپنے کندھے سے تھوڑی ٹھکائے عمیر کی سرگوشی سنائی دی۔

بھائی اماں آ رہی ہیں۔

اس نے چونک کر گردن موڑی اور برآمدے میں اماں کو دیکھ کر فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اس کے پیچھے عمیر بھی تھا جو کمرے میں داخل ہوتے ہی اس لڑکی سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوا آہ بھر کر بولا۔

بیچاری لڑکی، اماں کے ہتھے چڑھ گئی، اب دوبارہ کبھی نظر نہیں آئے گی۔
وہ عمیر کی بات نظر انداز کر کے الماری کھول کر اس میں مصروف ہو گیا تو عمیر جھنجلا کر

بولا۔

بھائی آپ کو اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔

کس سے وہ یکسر انجان بن گیا۔

میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں۔

ہمدردی کی مستحق وہ نہیں ہم ہیں، وہ قدرے تلخی سے بولا اور سر جھٹک کر الماری بند کرتا

ہوا باہر نکل گیا تو عمیر باقاعدہ اس کی بات پر غور کرنے بیٹھ گیا۔

ٹھیک تو کہہ رہا تھا وہ کیونکہ اماں نے حد کر دی تھی، دنیا سے نرا لے جیسے بس ان ہی کے لڑکے جو ان ہوئے تھے۔ بہت نیک، معصوم اور پارسا۔ یوں پہرے دار بنی رہتیں جیسے لڑکیاں خصوصاً انہی پر ڈورے ڈالنے آتی ہوں۔ شروع میں وہ صرف نگرانی کرتی تھیں، محلے کی کوئی لڑکی آ جاتی تو وہ بجائے اس کی باتوں پر دھیان دینے کے کبھی اسے دیکھتیں، کبھی اپنے لڑکوں کو کہیں ان کے درمیان اشارے بازی تو نہیں ہو رہی۔ ایسے میں سیر کو اپنی پوزیشن بے حد آکورد لگتی، فوراً ادھر ادھر ہو جاتا یا گھر سے ہی نکل جاتا تھا لیکن عمیر چڑ جاتا اور جان بوجھ کر اماں کے پاس بیٹھا رہتا۔

اسے غصہ آتا تھا کہ آخر اماں ایسا کیوں کرتی ہیں، انہیں کم از کم اپنے بیٹوں پر تو اعتماد ہونا چاہئے اور بیٹوں پر تو انہیں اعتماد تھا بلکہ ان کی نظر میں ان جیسا شریف النفس کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا، اس لئے کبھی انہیں ٹوکا بھی نہیں کہ گھر میں کوئی لڑکی آ جائے تو ادھر ادھر ہو جاؤ یا باہر کا راستہ لؤ اس کے برعکس لڑکیوں کو برا بھلا کہتیں۔

ذرا شرم نہیں، پتہ بھی ہے میری کوئی بیٹی نہیں ہے پھر بھی منہ اٹھائے چلی آتی ہیں اور ان کی مائیں کیسی ہیں جو صحیح دیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اور ظاہر ہے جب سیر اور عمیر کے سامنے وہ اس انداز سے بڑبڑاتی تھیں تو انہیں اپنے آپ عجیب سا لگتا تھا۔ بے شک براہ راست ان سے کچھ نہ کہتیں پھر بھی ان کی ذات ملوث ہوتی تھی، اس لئے دونوں بھائی حد درجہ محتاط رہتے تھے۔ آس پڑوس کی لڑکیوں سے بات کرنا تو دور کی بات ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی ان کے نزدیک گناہ عظیم تھا۔

حالانکہ شروع سے اسی محلے میں رہتے تھے اور عمر کا ابتدائی زمانہ تو سب کے ہاں آزادانہ آتے جاتے، کھیلنے کودتے گزرا تھا پھر پتہ نہیں اچانک اماں کو کیا ہوا کہ انہیں لڑکیوں کا اپنے ہاں آنابری طرح کھلنے لگا، بس نہیں چلتا تھا دروازے پر بورڈ لکھ کر لگا دیں۔ یہاں لڑکیوں کا داخلہ ممنوع ہے۔

اپنے ہر انداز سے ناگواری ظاہر کرتیں، اس کے باوجود پتہ نہیں لڑکیاں سمجھتی نہیں تھیں یا قصداً نظر انداز کر کے چلی آتیں، گو کہ ان دونوں بھائیوں سے کوئی بھی بات نہیں کرتی تھیں، بس اماں ہی کے پاس بیٹھی رہتیں پھر بھی انہیں برا لگتا، ان کے جاتے ہی بڑبڑانے

لگتیں۔

میں سب سمجھتی ہوں ان لڑکیوں کے لچھن، سمجھتی ہیں میرے بیٹوں کو الو بنالیں گی۔ ہونہ میرے بیٹے ایسے نہیں ہیں، شریف ماں باپ کی اولاد ہیں، ہرگز انہیں گھاس نہیں ڈالیں گے۔

اور اگر ان کے بیٹوں کا گھاس ڈالنے کا ارادہ ہوتا بھی تو ان کے ان جملوں کے بعد ترک ہو جاتا تھا۔

بہر حال یہاں تو پھر بھی ٹھیک تھا کہ اماں ان دونوں کے سامنے بڑبڑاتیں، کسی اور کو خبر نہیں ہوتی تھی کہ لڑکیوں کے بارے میں وہ کیسے خیالات رکھتی ہیں لیکن ایک بار انہوں نے خود ہی اپنا بھرم توڑ دیا۔

کوئی سال بھر کی بات ہے، کونے والے گھر کے شیخ صاحب کی بیٹی دیا جس کا کچھ زیادہ ہی آنا جانا تھا اور اماں کو وہ زہر لگتی تھی اسے اپنے ہاں آنے سے روکنے کیلئے انہوں نے بجائے اسے منع کرنے کے اس کی ماں کے پاس پہنچ گئیں اور سہولت سے بات کرنے کی بجائے باقاعدہ الزام تراشی کی، نتیجتاً ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آس پڑوس کی ساری عورتیں جمع ہو گئیں اور یقیناً اس خیال سے کہ آج شیخ صاحب کی بیٹی پر بات آئی ہے، کل کو ان کی بیٹی پر بھی تہمت دھری جاسکتی ہے، سارا محلہ ایک طرف ہو گیا اور اماں اکیلی پھر بھی سب پر حاوی رہی تھیں۔

تم سب کی منتیں لگی ہوئی ہیں میرے بیٹوں پر، اس لئے بہانے بہانے سے اپنی لڑکیوں کو بھیجتی ہو۔

کچھ خدا کا خوف کرو میری ماں، تمہاری اگر بیٹی نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیٹیوں والوں کی عزتوں کو تم یوں اچھالنے کھڑی ہو جاؤ۔

ارے میں کیا اچھالوں گی تمہاری عزتوں کو، تم لوگ تو خود ہی اپنی عزتوں کو نیلام کر رہے ہو۔

اماں کی زبان کے آگے بند باندھنا بہت مشکل تھا اور اپنی عزتوں کی خاطر محلے بھرنے اماں کا بائیکاٹ کر دیا، اس روز کے بعد سے خصوصاً لڑکیاں اس گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے ڈرتی تھیں اور اگر راستے میں کہیں سمیر یا عمیر سامنے سے آتے ہوئے نظر آ جاتے

تو وہ اپنا راستہ ہی بدل لیتی تھیں، جس سے وہ بچارے پہلے تو صرف گھر کے اندر محتاط رہتے تھے، اب باہر بھی یوں نکلنے کے نظریں زمین میں گڑی ہوتی تھیں۔

ہو سکتا ہے اپنے ہاں لڑکیوں کا داخلہ بند کر کے اماں مطمئن ہو گئی ہوں لیکن ان دونوں کی پوزیشن خراب ہو چکی تھی اور آج اتنے عرصے بعد ایک لڑکی کی آمد پر دونوں واقعی بوکھلا گئے تھے۔

عمیر کو اس سے ہمدردی تھی کہ پیٹہ نہیں اماں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا جبکہ وہ پریشان تھا کہ کہیں پھر نہ کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو، جس سے رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے۔ اسی پریشانی میں اس نے ساری شام باہر گزاری اور جب اندھیرا پھیل گیا تب گھر میں داخل ہوا، وہ بھی دبے پاؤں لیکن برآمد میں کھڑی اماں جیسے منتظر تھیں، دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

کہاں چلے گئے تھے۔

کہیں نہیں، وہ میرا مطلب ہے ایک دوست کے ہاں۔ وہ بوکھلا گیا۔

بتا کر تو جاتے، میں ناحق پریشان ہوتی رہی۔ اماں نے ٹوک کر کہا تو اس بار وہ چڑ گیا۔ پریشانی کی کیا بات ہے، میں کوئی بچہ تو نہیں ہوں جو ادھر ادھر راستہ بھٹک جاتا۔ اس کے ساتھ ہی تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گیا، خواہ مخواہ کی جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی تھی، کچھ دیر بعد عمیر کھانے کیلئے بلانے آیا تو شدید بھوک کے باوجود اس نے منع کر دیا۔ کیا ہوا بھائی، اماں نے کچھ کہا ہے۔ اس کے جھنجھلائے ہوئے انداز پر عمیر نے کچھ ٹھٹھک کر پوچھا تو وہ اس پر بگڑ گیا۔

میرا دماغ مت چاٹو، جاؤ اپنا کام کرو۔

اپنا تو بس ایک ہی کام ہے، دن میں آہیں بھرنا، رات میں تارے گننا۔

عمیر نے آہ بھر کر کہا اور اس کے گھورنے پر فوراً کمرے سے نکل گیا، تب کچھ سوچ کر وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ اماں دسترخوان پر کھانا رکھ رہی تھیں، وہ چپ چاپ ابا کے ساتھ بیٹھ گیا۔ عمیر ہاتھ دھو کر آیا تو اسے بیٹھے دیکھ کر تعجب سے بولا۔

ہائیں، ابھی تو آپ نے کھانے سے منع کر دیا تھا۔

کہو تو اٹھ جاؤں، پیٹہ نہیں کیا ہو گیا تھا، اسے خواہ مخواہ بگڑ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ عمیر

کچھ کہتا اباد دونوں کو کھانے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولے۔

چلو بیٹا کھانا شروع کرو۔

اماں کہاں رہ گئیں، عمیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

آئیے ناں اماں۔

آ رہی ہوں تم شروع کرو۔

اماں کہتی ہوئی کچن میں چلی گئیں پھر پانی کا جگ اور گلاس لیکر آئیں تو عمیر نے دونوں چیزیں ان کے ہاتھ سے لیکر رکھ دیں اور جب اماں بیٹھ گئیں تب سب نے کھانا شروع کیا۔

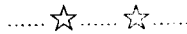
کھانے کے دوران ابا اس سے اس کی پڑھائی اور امتحانوں کے بارے میں پوچھنے لگے کہ کب ہوں گے اس نے سہولت سے ان کی ہر بات کا جواب دیا پھر کہنے لگا۔

اصل مسئلہ تو اب جا ب کا ہے ابا ڈگریوں پر نوکری نہیں ملتی، جب تک سفارش ساتھ نہ ہو۔

اللہ پر بھروسہ رکھو مل جائے گی نوکری بھی، تم پہلے امتحان تو دو۔

ہاں بھائی اللہ پر بھروسہ رکھیں، گھر بیٹھے نوکری کے ساتھ چھو کر۔۔۔۔۔

عمیر نے شرارت سے کہتے ہوئے فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تو اس نے اسے گھورنے کے بعد کن اکھیوں سے اماں کو دیکھا جو پتہ نہیں سن کر انجان بن گئی تھیں یا سنا ہی نہیں تب وہ پھر اسے گھورتا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔



اگلے روز جب وہ یونیورسٹی جانے کیلئے گھر سے نکلا تو اسی وقت اسے وہی کل والی لڑکی اپنے گیٹ سے نکلتی نظر آئی اور اسے دیکھتے ہی سلام بھی کیا تو بہت گھبرا کر اس نے چاروں طرف دیکھا پھر فوراً تیز قدموں سے اپنے راستے پر چل پڑا اسٹاپ تک کا فاصلہ روزانہ کی نسبت اس نے کم وقت میں طے کر لیا اور جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بھی اسی طرف آ رہی تھی۔

شاید ابھی یہ بے خبر ہے۔

وہ سوچتا ہوا دور سے آنے والی بس کو دیکھنے لگا جبکہ لاشعوری طور پر سارا دھیان اس

لڑکی کی طرف تھا جو لمحہ بہ لمحہ قریب آرہی تھی پھر اس سے صرف دو قدم کے فاصلے پر رک گئی اور ذرا کھانسنے سے متوجہ کرتی ہوئی پوچھنے لگی۔

آپ یونیورسٹی جا رہے ہیں، اس نے ذرا سا سر ہلانے پر اکتفا کیا تو وہ خوش ہو کر بولی۔

میں بھی وہیں جا رہی ہوں لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں ہے، اچھا ہوا آپ مل گئے، پلیز مجھے گائیڈ کر دیجئے گا۔

وہ اس کی بات بالکل نہیں سمجھا اور وضاحت طلب کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ بس قریب آ گئی تھی وہ اسے چھوڑ کر جلدی سے اس میں سوار ہو گیا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ لڑکیوں سے گھبراتا تھا یا ان سے دور بھاگتا تھا، بس یہ احتیاط اپنے گھر اور محلے تک تھی، وہ بھی اماں کی وجہ سے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں پھر نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیں ورنہ یونیورسٹی میں تو وہ خاصا پر اعتماد تھا۔ گو کہ اس کی کھل مل جانے والی عادت نہیں تھی پھر بھی ہر ایک سے بات کر لیتا تھا اور یہ لڑکی کیونکہ اپنے محلے بلکہ پڑوس ہی میں رہتی تھی اس لئے وہ اسے نظر انداز کرنے پر مجبور تھا اخلاقی تقاضا بھی نہیں نبھایا یعنی بس میں سوار ہوتے ہوتے یہ تک نہیں کہا کہ وہ بھی اسی بس میں سوار ہو جائے، جس کا احساس اسے کچھ دیر بعد یوں ہوا کہ بقیہ تمام راستے وہ خود کو ملا مت کرتا رہا۔

جب اپنے اسٹاپ پر اترتا تب بھی اسی کا خیال تھا بے حد پشیمان سا چند قدم چلا تھا کہ عقب سے اس کی آواز سنائی دی۔

سنیں پلیز، وہ ایک دم قدم روک کر پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تو وہ قریب آ کر بولی۔

آپ شاید میری مدد نہیں کرنا چاہتے، جیسی اس طرح بھاگے جا رہے ہیں۔

میں بھاگ تو نہیں رہا، وہ اپنی خجالت چھپا نہیں سکا اور کچھ شیشا بھی گیا تھا۔

اور کیسے بھاگتے ہیں، بس میں چڑھتے ہوئے بھی مجھے نظر انداز کر گئے اور اب اتر کر

بھی۔

سوری، میں سمجھا آپ وہیں رہ گئی ہیں۔ اس نے بمشکل اپنی خجالت پر قابو پا کر معذرت

کی تو اس نے مزید جتایا۔

آپ تو چھوڑ ہی آئے تھے۔

سوری اکین، اصل میں میں بہت جلدی میں تھا۔ خیر آپ بتائیے کس قسم کی مدد چاہئے آپ کو۔ وہ جلدی سے اصل بات کی طرف آ گیا تو وہ اسے دیکھ کر مایوسی سے بولی۔

آپ کیا مدد کریں گے میری آپ تو خود جلدی میں ہیں۔
دیکھیں مس اگر آپ اسی طرح مسلسل مجھ پر تنقید کرتی اور جتنا ہی رہیں تو پھر واقعی میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

اسے واقعی غصہ آ گیا تھا، اپنی بات کہہ کر تیز قدموں سے چل پڑا تب وہ بھاگ کر اس کے ساتھ قدم ملاتی ہوئی بولی۔

آپ تو ناراض ہو گئے۔

جی نہیں، میں کیوں ناراض ہوں گا۔ وہ پیشانی پر ہل ڈال کر بولا۔

پھر میری بات کیوں نہیں سن رہے۔

کیا بات، وہ جیسے کاٹ کھانے کو دوڑا اور یکدم قدم روک کر تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ سچ سچ خائف ہو کر کہنے لگی۔

وہ بات یہ ہے کہ میں آج پہلی بار یونیورسٹی آئی ہوں۔

پھر کون سے ڈیپارٹمنٹ میں جانا ہے اس نے فوراً پوچھا۔

جی نہیں، مجھے کسی ڈیپارٹمنٹ میں نہیں جانا، میں تو فارم لینے آئی ہوں۔

کیسا فارم۔

بی اے کے میں پرائیویٹ بی اے کر رہی ہوں اور مجھے نہیں معلوم یہاں۔

آئیے میرے ساتھ وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا، جیسی اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

پھر اس کے ساتھ جا کر فارم لیا اور فل کروا کر جمع بھی کروا دیا، اس تمام کارروائی میں اس کا اہم پیر بیڈمس ہو چکا تھا، جس کا اسے افسوس تو ہوا لیکن اس پر جتنا یا نہیں البتہ اگلی کلاس وہ نہیں چھوڑ سکتا تھا جیسی اس سے کہنے لگا۔

آپ کا کام ہو گیا اب آپ جا سکتی ہیں۔

جی شکریہ۔

وہ اس کی بے مروتی پر اندر ہی اندر جربز ہو کر بولی۔ اور جانے لگی کہ معاً احساس

ہونے پر وہ اسے روک کر کہنے لگا۔

آئی ایم سوری میں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ آپ جائیں گی کیسے۔

جیسے آئی تھی۔

آئی تو آپ میرے ساتھ تھیں۔

وہ بے اختیار کہہ گیا اور اس بار اس نے کچھ جتایا نہیں بلکہ تائید کرتی ہوئی بولی۔

جی ہاں، آپ کے ساتھ آئی تھی اور اگر آپ کچھ خیال نہ کریں تو میں انتظار کر سکتی

ہوں۔ میرا مطلب ہے آپ اطمینان سے اپنی کلاسز انینڈ کریں اور جب جانے لگیں تو مجھے

بھی ساتھ لے لیجئے گا۔

کافی دیر ہو جائے گی اور اتنی دیر آپ۔

میں انتظار کروں گی، وہ فوراً بول پڑی تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ

لے آیا پھر پہلے اسے لائبریری میں بٹھایا اور وہیں انتظار کرنے کا کہہ کر اپنی کلاس میں

آ گیا۔

اور پھر دو کلاسز تو اس نے سکون سے انینڈ کر لیں، اس کے بعد دھیان ہٹ گیا۔ یعنی

وقفے وقفے سے اس کا خیال، کبھی سوچنا، ناحق اسے روکا جانے دیتا تو اچھا تھا اور کبھی اس کی

بوریت کا احساس ہونے لگتا۔ گو کہ وہ اس کی ذمہ داری نہیں تھی لیکن روکنے کے بعد اب اپنی

ذمہ داری لگ رہی تھی۔

بہر حال جب ذہن بجائے لیکچر کے مسلسل اسی میں الجھنے لگا تب وہ بقیہ کلاسز چھوڑ کر

چلا آیا۔ لائبریری میں داخل ہو کر اسے دیکھا، وہ بڑے انہماک سے کچھ پڑھنے میں مصروف

تھی۔ جس پر وہ اندر ہی اندر سلک کر رہ گیا اور کچھ بس نہیں چلتا وہ اس کے سامنے میز پر زور

سے ہاتھ مار کر بولا۔

چلو وہ اچھل پڑی پھر اسے دیکھ کر فوراً ٹھٹھتی ہوئی بولی۔

اتنی جلدی فارغ ہو گئے آپ، وہ کچھ نہیں بولا۔

بس سارا وقت اپنے آپ کو احمق قرار دیتا رہا جبکہ وہ اس کے رویے پر حیران ہوتی

رہی، یعنی کبھی شعلہ کبھی شبنم۔

اور پھر اپنے گھر کے قریبی اشاپ پر اتر کر وہ یوں کھڑا ہو گیا جیسے اس سے آگے اسے

کہیں نہیں جانا، جس پر وہ مزید حیران ہوتی ہوئی بولی۔
کیا بات ہے گھر نہیں جانا۔

نہیں آپ جائیں، اس نے حد درجہ زروٹھے پن کا مظاہرہ کیا، اب اس سے کیا کہتا کہ
اس کے ساتھ جا کر وہ اس کی شامت نہیں بلانا چاہتا۔

اور آپ۔ وہ الجھ کر اسی قدر بولی تھی کہ وہ ان سنی کرتا ہوا دوسرے راستے پر چل پڑا۔
اور ایک لمبا چکر کاٹ کر جب اپنے گھر میں داخل ہوا تو برآمدے میں اسے اماں کے
پاس بیٹھے دیکھ کر وہ واقعی چکرا گیا۔ عجیب پاگل لڑکی تھی، جس آگ سے وہ اسے بچانا چاہتا
تھا، وہ اسی میں کود رہی تھیں۔

نان سینس، وہ دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتا اپنے کمرے میں آ گیا لیکن سارا
دھیان اسی طرف تھا کہ وہ اپنے گھر جانے کی بجائے یہاں اماں کے پاس کیوں آ بیٹھی
ہے۔ کہیں انہیں یہ تو نہیں بتا رہی کہ وہ اس کے ساتھ یونیورسٹی گئی اور آئی ہے پھر اماں کا
رد عمل سوچ کر سچ سچ اس کے روٹے کھڑے ہو گئے، ان سے کسی لحاظ کی توقع نہیں تھی۔ ایک
لمحے میں اسے گھر سے نکال باہر کریں گی اور پھر محلے کی دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی اسے
دور سے دیکھ کر راستہ بدل جایا کرے گی۔

اف نہیں، اس تصور سے ہی وہ پریشان ہو گیا اور کچھ ڈرتے ڈرتے کمرے سے نکل کر
آیا، وہ اسی جگہ بیٹھی تھی اور اماں پہ نہیں کہاں تھیں۔ اس نے بہت محتاط نظروں سے پہلے ادھر
ادھر دیکھا پھر دھیمی آواز میں اس سے پوچھنے لگا۔

اماں کہاں ہیں؟

شاید کچن میں؟ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ انداز کچھ ناراضگی لئے ہوئے تھا
لیکن اپنی پریشانی میں اس نے محسوس ہی نہیں کیا بلکہ ایک دم آپ سے تم پر آ گیا۔

اور تم یہاں کیا کر رہی ہو، میرا مطلب ہے اپنے گھر جاؤ۔

جی؟ وہ ایک دم سر اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھنے لگی تو احساس ہونے پر وہ کچھ شپٹایا
پھر دھیر ج سے اسے جانے کیلئے کہنے والا تھا کہ اماں آ گئیں جن پر نظر پڑتے ہی الفاظ اس
کے ہونٹوں میں رہ گئے۔

ہائیں یہ تم نے ابھی تک منہ ہاتھ دھویا نہ کپڑے بدلے میں ادھر کھانا گرم کر کے رکھ

آئی ہوں۔

خلاف توقع اماں اسے گھورے بغیر بولیں نہ ہی انہوں نے مشکوک نظروں سے شہلا کو دیکھا۔

وہ میں آپ ہی کا پوچھ رہا تھا، بس ابھی ابھی ہاتھ منہ دھو کر آتا ہوں۔ وہ تیر کی سی تیزی سے اپنے کمرے میں گیا اور چند منٹوں میں ہاتھ منہ دھو کر واپس آیا تو اماں شہلا سے کھانے کیلئے اصرار کر رہی تھیں وہ وہاں رکے بغیر اندر آ کر دسترخوان پر بیٹھ گیا اور فوراً کھانا بھی شروع کر دیا۔

جب اماں شہلا کر لیکر آئیں تو وہ آدمی روٹی کھا چکا تھا اور ابھی بھی بہت جلدی کر رہا تھا کیونکہ یہ سارا ماجرا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، بھلا اماں کسی لڑکی پر کیسے مہربان ہو سکتی تھیں۔

آرام سے کھاؤ، کھانا کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔

اماں نے اسے جلدی جلدی کھاتے دیکھ کر ٹوکا لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں ہاتھ میں پکڑ روٹی دو چار نوالوں میں ختم کر کے اٹھ گیا تھا۔



پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے، شہلا کا آنا جانا بدستور تھا۔ صبح دیکھتی نہ شام جب چاہتی چلی آتی۔ کبھی اماں کے ساتھ کچن میں ان کا ہاتھ بٹاری ہوتی۔ کبھی برآمدے میں مشین رکھے ان کے کپڑے سیتی نظر آتی یا فریم ہاتھ میں لئے ان سے کڑھائی سیکھ رہی ہوتی اور اگر کسی دن نہ آتی تو اماں اٹھتے بیٹھتے جانے کسے سنا کر کہتیں۔

آج شہلا نہیں آئی، جانے کیا بات ہے۔

اور پھر اس کی کبھی کبھی کی غیر حاضری کو اماں سے زیادہ وہ محسوس کرنے لگا تھا اور اس کا ادراک اس پر اس وقت ہوا جب وہ پورے تین دن نظر نہیں آئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگتا پھر مایوس ہو کر اپنے کمرے میں آتا تو کتنی دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہتا۔

گو کہ وہ اس سے بات نہیں کرتی تھی، سارا وقت اماں ہی کے ساتھ لگی رہتی پھر بھی اس کی موجودگی ایک خوشگوار احساس دلاتی تھی اور ادھر تین دنوں سے وہ نہیں آ رہی تھی تو عجیب

سونے پن کا احساس ہونے لگا تھا اور اماں جانے کیوں خاموش تھیں۔ یعنی اس بار انہوں نے کسی کو سنا کر یہ نہیں کہا کہ شہلا نہیں آئی، جس سے وہ کچھ ٹھٹک بھی گیا تھا کہ کہیں انہوں نے خود ہی اسے آنے سے منع نہیں کر دیا۔

انہیں خدشات میں مزید تین دن گزر گئے، تب اس نے بظاہر سرسری انداز میں عمیر سے پوچھ لیا۔

عمیر! آج کل وہ لڑکی نظر نہیں آ رہی۔

ہاں لگتا ہے اماں نے اسے بھگا دیا ہے، عمیر نے خاصی لاپرواہی سے یوں کہا جیسے یہی ہونا تھا اور وہ ناگواری سے بولا۔

بھگا دیا ہے سے کیا مطلب؟

لہجے آپ تو یوں پوچھ رہے ہیں جیسے آپ کو پتہ ہی نہیں، بڑے بھائی اس گھر میں دو جوان لڑکے رہتے ہیں جنہیں کنوارا ہی مرنے ہے۔ عمر کا مذاق اسے بالکل اچھا نہیں لگا۔

یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔

بکواس نہیں کر رہا، سچ کہہ رہا ہوں، ویسے بائی داوے آپ کو اس لڑکی سے۔ آخر میں عمیر نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑی تو وہ اپنی کیفیت چھپانے کو تنک کر بولا۔

مجھے اس لڑکی سے کوئی ہمدردی نہیں۔

پھر اتنی انکوائری کس لئے کر رہے ہو۔

میرے بھائی روٹین سے ہٹ کر کوئی بات ہو تو محسوس ہوتی ہے، اول اس لڑکی کا آنا جانا ہی غیر معمولی بات تھی پھر اب غائب ہو جانا۔ انسان سوچتا تو ہے ناں۔ اس نے ایک طرح سے اپنا دامن بچا کر سمجھانے کے انداز میں کہا تو عمیر سر ہلا کر بولا۔

واقعی سوچنے کی بات تو ہے۔

بس تو اب تم سوچتے رہو، وہ کہہ کر فوراً باہر نکل گیا تھا۔

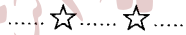
پھر جب اس کا خدشہ یقین میں بدلنے جا رہا تھا کہ واقعی اماں نے اسے آنے سے منع کیا ہو گا تو وہ آگئی اس وقت وہ اپنے کمرے میں پڑھنے میں مصروف تھا کہ اس کی ٹھٹکتی ہوئی آواز ساعتوں سے یوں ٹکرائی کہ وہ نا صرف فوراً متوجہ ہوا بلکہ اپنے کمرے سے بھی نکل آیا تھا، وہ اماں کے گلے میں بازو ڈالے کہہ رہی تھی۔

اتنے دن کہاں خالہ بس ایک ہفتہ ہی تو رہی ہوں۔

اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر کہے ایک ہفتہ کم ہوتا ہے کیا لیکن بمشکل خود پر قابو پا کر وہ اٹھ پھر دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ ایک اطمینان سا ہو گیا تھا لیکن اس اطمینان میں بھی اس کیلئے بے اطمینانی موجود تھی کہ وہ کبھی اس لڑکی پر اپنا آپ ظاہر نہیں کر سکتا۔

وہ اسے اچھی لگتی تھی دل سے قریب محسوس ہونے لگی تھی اور اس کے سامنے اعتراف کرنا کچھ مشکل تو نہیں تھا لیکن اس کے بعد اماں جو اس پر الزام تراشی کریں گی کہ وہ آتی ہی اس نیت سے تھی تو یہ اسے ہرگز گوارا نہیں تھا۔

کچھ لوگ دل میں ایسی جگہ بناتے ہیں کہ پھر ان کی طرف اٹھنے والی ایک نگاہ غلط انداز بھی برداشت نہیں ہوتی اس کے برعکس انہیں ہر سرد گرم سے بچانے کو دل چاہتا ہے اور پتہ نہیں کب کیسے وہ اس کے دل میں گھر کر گئی تھی کہ وہ اس پر کوئی آنچ آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، جیسی جب تک وہ اماں کے پاس موجود رہتی وہ خود کو اپنے کمرے تک محدود کر رکھتا تھا۔



وہ امتحانوں سے فارغ ہوا تو نوکری کا مسئلہ درپیش تھا روزانہ اخبار میں جو دیکھنی دیکھتا اسی پر درخواست بھیج دیتا جہاں درخواست کے ساتھ جانا ہوتا وہاں پہنچ جاتا لیکن کہیں کامیابی نہیں ہو رہی تھی اور وہ تو پہلے بھی کہتا تھا کہ سفارش کے بغیر کام نہیں ہوگا اس وقت بھی ابا سے یہی کہہ رہا تھا کہ وہ مایوسی سے بولے۔

میں کہاں سے لاؤں سفارش میں خود ایک معمولی اکاؤنٹینٹ ہوں۔ کہو تو اپنے ایم ڈی سے درخواست کروں لیکن وہ کیا کریں گے زیادہ سے زیادہ تمہیں اسٹور کیپر بنادیں گے۔

میں نے ایم ایس سی اسٹور کیپری کیلئے نہیں کیا ابا، وہ چڑ گیا۔

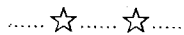
تم اکیلے نہیں ہو میرے بچے تمہارے ساتھ اور کتنے لڑکے ایم ایس سی کر کے نکلے ہوں گے۔ ان سب کے پاس سفارش ہے کیا سب کوشش میں لگے ہوں گے تم بھی کوشش جاری رکھو جب اللہ کو منظور ہوگا مل جائے گی نوکری۔

ابا نے اسے دھرم ج سے سمجھا یا پھر کہنے لگے۔

مایوسی گناہ ہے، درخواستیں تم دے رہے ہو، انٹرویو کا لڑ بھی آئی ہیں، کہیں نہ کہیں کام بن جائے گا اور جب تک کام نہیں بن رہا کچھ ٹیوشنز کر لو۔
ارے ہاں، اماں کو جیسے ٹیوشنز پر یاد آیا تو کہنے لگیں۔
وہ اپنی شہلا کہہ رہی تھی اسے پڑھا دیا کرو۔
جی، اسے کسی طرح یقین نہیں آیا جبکہ عمیر نے بھی پوری آنکھیں پھاڑ کر اماں کو دیکھا۔
کیا حرج ہے پڑھا دیا کرو، بیچاری بہت پریشان ہو رہی تھی۔
ان دونوں کو دشت حیرت میں دھکیل کر اماں بڑے آرام سے بول رہی تھیں۔ ابا نے بھی ان کی تائید کی لیکن وہ کوئی جواب نہیں دے سکا، تب عمیر اسے کہوئی مار کر دھیرے سے بولا۔

ہوش میں آ جاتیں بھائی اور اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ اور وہ ہوش میں آیا تو سوچ کر بولا۔
نہیں اماں، میں اسے نہیں پڑھا سکتا۔
کیوں۔۔۔ کیوں نہیں پڑھا سکتے۔
بس نہیں، وہ جتنی انداز میں کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا تو عمیر اس کے پیچھے بھاگا آیا، جیسے یقین تھا کہ وہ ابھی تک اپنے حواسوں میں نہیں آیا، جیسی کہنے لگا۔
بھائی! میں مانتا ہوں کہ اماں کی بات ہوش اڑا دینے والی تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ۔۔۔۔

شٹ اپ عمیر، اس نے غصے سے ٹوکا تو عمیر کان پکڑتا ہوا بولا۔
آئی ایم سوری بھائی لیکن پلیز آپ منع نہیں کریں۔
کیوں، کیوں منع نہیں کروں۔
کفرانِ نعمت ہے یہ، عمیر کہہ کر فوراً بھاگ بھی گیا اور غصے کے باوجود اسے ہنسی آ گئی۔



پھر اماں کے بار بار کہنے پر بھی وہ اسے پڑھانے پر آمادہ نہیں ہوا تو اس شام وہ خود ہی اس کے کمرے میں چلی آئی، پہلے تو وہ اسے نظر کا فریب سمجھا اور جب اس کی سچ مچ موجودگی کا یقین ہوا تو گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

تم تم یہاں کیوں آئیں۔

آئی ایم سوری میں جانتی ہوں آپ کو میرا اپنے گھر میں آنا بھی اچھا نہیں لگتا، وہ کچھ خائف سی معذرت کرتی ہوئی بولی۔

یہ تم سے کس نے کہا۔

کسی نے نہیں، آپ کا رویہ ظاہر کرتا ہے۔ میں جب بھی آتی ہوں آپ اپنے کمرے میں بند ہو جاتے ہیں یا پھر گھر سے ہی نکل جاتے ہیں۔

اس نے صاف گوئی سے کہا تو مبہم سی مسکراہٹ ایک پل کو اس کے ہونٹوں کو چھو کر غائب ہو گئی پھر سنبھل کر بولا۔

اس سے تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ مجھے تمہارا آنا اچھا نہیں لگتا۔

ظاہر ہے اور کیا سمجھوں گی وہ شاکی ہو کر اور بھی اچھی لگ رہی تھی۔

یہ بات نہیں ہے، اصل میں میں کچھ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

بہر حال اس وقت مجھے خالہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے، ان کا کہنا ہے کہ میں خود آپ سے پوچھ لوں کہ آپ مجھے کیوں نہیں پڑھانا چاہتے۔

اس نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو وہ بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے الجھ کر پوچھنے لگا۔

تمہیں اماں نے میرے پاس بھیجا ہے۔

جی۔

وہ اب براہ راست اسے دیکھنے لگی اور وہ مزید الجھ گیا۔ کوئی جواز بھی نہیں سوجھ رہا تھا اور اصل بات بنانا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اماں پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر انہیں کیا ہو گیا ہے

کہاں تو لڑکیوں کا آنا گوارا نہیں تھا اور اب۔۔۔۔۔

آپ کیا سوچنے لگے۔ وہ جو اسے الجھتا دیکھ رہی تھی بالآخر پوچھ لیا تو وہ ذرا سا چونکا پھر کہنے لگا۔

تم کسی اور ٹیوٹر کا انتظام کیوں نہیں کر لیتیں، کہو تو میں۔۔۔۔۔

نہیں میں کسی اور سے نہیں پڑھ سکتی۔ اس نے فوراً کہا تو وہ تعجب سے بولا۔

کیوں؟

اصل میں میں اکیلی ہوتی ہوں، اب تو صبح کے گئے شام میں آتے ہیں اور اگر ٹیوٹر کے گھر جانا ہوا تب بھی روز جانے آنے کا مسئلہ ہوگا۔ وہ اپنی مجبوری بتا کر کہنے لگی۔

آپ اگر نہیں پڑھانا چاہتے تو صاف منع کر دیں۔

اچھا، وہ یونہی ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا میں اگر صاف منع کر دوں پھر کیا کرو گی۔

کیا کر سکتی ہوں سوائے اس کے کہ بی اے کرنے کا خیال دل سے نکال دوں، وہ اس کے مایوس ہونے پر مسکراہٹ دبا کر بولا۔

جب بی اے کرنے کا خیال آیا تھا، تب یہ کیوں نہیں سوچا تھا کہ کیسے پڑھو گی۔

اب آپ اتنی جرح کیوں کر رہے ہو، نہیں پڑھانا نہ پڑھائیں، وہ روٹھ کر جانے لگی کہ وہ فوراً بولا۔

میں نے صاف منع تو نہیں کیا۔

اب میں منع کر رہی ہوں، مجھے نہیں پڑھنا آپ سے۔

وہ ہنوز روٹھے لہجے میں کہہ کر چلی گئی تو کچھ دیر تک وہ یونہی اس کے انداز پر غور کرتا رہا پھر یوں کندھے اچکائے جیسے سمجھ نہ پایا ہو کہ اسے کیا کرنا چاہئے، جس خدشے کے تحت منع کر رہا تھا اب وہ بھی نہیں تھا، یعنی اماں نے خود ہی اسے بھیجا تھا۔ بہر حال تھوڑی پس و پیش کے بعد وہ اسے پڑھانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس وقت اسے صرف یہ خیال تھا کہ کہیں وہ پڑھائی چھوڑ نہ دے، جیسا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ بی اے کا خیال دل سے نکال دوں گی۔



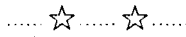
اگلے روز وہ سہ پہر سے ہی برا آمدے میں بیٹھ کر ایک طرح سے اس کا انتظار کرنے لگا کہ جیسے ہی وہ آئے گی، اس سے کہے گا اپنی کتابیں لے آئے لیکن وہ اس وقت آئی جب شام ڈھل رہی تھی اور تھی بھی بہت غلت میں۔ ایک پلیٹ ہاتھوں میں پکڑے جانے کیالائی تھی، سیدھی اماں کے پاس کچن میں چلی گئی اور کچھ ہی دیر بعد اسی غلت میں واپس بھی جا رہی تھی اور وہ جو سہ پہر سے انتظار میں بیٹھا تھا اسے جاتے دیکھ کر بے اختیار اسے پکار لیا۔

سنو شہلا، وہ رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو وہ اٹھ کر اسے قریب آ کر بولا۔

میں تمہیں پڑھا دیا کروں گا۔

اچھی طرح سوچ لیں، کہیں کل پھر منع کر دیں۔

منع تو میں نے کل بھی نہیں کیا تھا، وہ اس کے جتانے پر قصد اکہہ کر بہت سنجیدہ ہو گیا پھر پلٹنے سے پہلے بولا تھا۔
بہر حال تم چاہو تو کل سے پڑھنے آ سکتی ہو۔



شہلا کیلئے اس نے وہی سہ پہر کا وقت مقرر کیا تھا، دن کے ابتدائی حصے میں جاب کیلئے اس نے اپنی کوشش جاری رکھی، دو پہر میں آتا تو کھانے کے بعد دو گھنٹے کیلئے سو جاتا پھر اٹھتا تو اس کے آنے سے پہلے ہی نہادھو کر فریش ہو جاتا۔ کتنے دن ہو گئے تھے اسے پڑھاتے ہوئے اور کوئی خاص مشکل تو نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ اچھی خاصی ذہین تھی، وہ جو پڑھاتا سمجھاتا فوراً سمجھ لیتی تھی لیکن کسی کسی دن بہت غائب دماغی کا ثبوت دیتی تھی کہ ایک بات کو دس بار سمجھانے پر بھی یوں اس کی طرف دیکھتی جیسے اس کے پلے کچھ نہ پڑا ہو، جس سے وہ جھنجلا جاتا۔

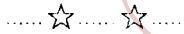
آخر تمہارا دھیان کہاں ہے، اس وقت بھی بے حد جھنجلا کر اس نے کتاب اس کے سامنے پٹخ کر پوچھا تو وہ کچھ سہم کر بولی۔

آپ کی طرف، میرا مطلب ہے جو آپ سمجھا رہے ہیں۔

کیا سمجھا رہا ہوں میں، وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتا ہوا بولا، ہاں بتاؤ۔

وہ، وہ مجھے نہیں پتہ۔ وہ گھبرا کر سر جھکا گئی پھر اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کر کے کتابیں سیٹھتی ہوئی بولی۔

کل سمجھ لوں گی، وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔



پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اسے ایک اچھی فرم میں اس کی مطلب کی جاب مل گئی، اس وقت وہ بہت خوش گھر میں داخل ہوا تھا اور اماں کو خوشخبری سنا کر توبہ کا قاعدہ نانے لگا حالانکہ اتنا بے قابوہ ہوتا نہیں تھا لیکن اس وقت جانے کیسے اپنے مزاج کے خلاف حرکتیں کرنے لگا تھا۔

واہ میاں، میں تو عمیر کو کہتی تھی تم تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے نکلے۔

اماں نے سرزنش کرتے انداز میں کہا تو وہ انہیں کندھوں سے تھام کر گھماتا ہوا بولا۔

ارے اماں ایسی خوشی ملی ہے کہ بس۔

باؤ لے ہو گئے ہو، چھوڑ دیجھے۔

اماں اس کے چکر دینے سے سچ چچا چکرا گئیں اور اس کے ہاتھ جھٹک کر سر قہام کر بیٹھ گئیں تو وہ کچھ پریشان ہو گیا۔

کیا ہوا اماں اماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تبھی وہ آگئی اور اس صورتحال سے جو کبھی اسی حساب سے تشویش سے پوچھنے لگی۔

خالہ کو کیا ہوا۔

کچھ نہیں ہوا بیٹی اس سے پہلے اماں بول پڑیں۔ یہ اس سیر کے بچے نے گھما گھما کر چکر ادیا ہے۔

ہائیں وہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس سے ایسی حرکت کی توقع نہ ہو تب وہ سر کھجاتا

ہوا بولا۔

وہ اصل میں مجھے چاب مل گئی ہے۔

سچ اس نے بے اختیار خوشی کا اظہار کیا تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگا۔

بہت بہت مبارک ہو خالہ آپ کو بھی اور اب جلدی سے مٹھائی کھلائیں وہ اماں کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

ہاں ہاں ضرور کھلاؤں گی مٹھائی، عمیر کو آنے دو۔ اماں نے کہا تو وہ بلا ارادہ کہہ گیا۔

میں لے آؤں۔

تم ابھی تو تھکے ہوئے آئے ہو اماں نے صاف منع تو نہیں کیا لیکن ان کے انداز سے وہ سمجھ گیا کہ اس کا جانا نہیں نا گوار گزرے گا، جیسی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

واقعی تھک گیا ہوں۔

کب سے جوائن کریں گے وہ پوچھنے لگی۔

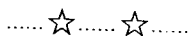
کل سے اس نے بتایا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کہنے لگی۔

اس کا مطلب ہے اب آپ مجھے نہیں پڑھائیں گے اس نے فوراً جواب نہیں دیا اس

کی طرح سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

تمہارے امتحانوں تک پڑھا دوں گا لیکن شام چھ بجے کے بعد اگر تم آ سکو تو۔

میں ابو سے پوچھ لوں گی ویسے میرا خیال ہے وہ منع نہیں کریں گے۔
اس نے کہا تو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اچانک اسے محسوس ہوا کہ اماں نا صرف
ان دونوں کی گفتگو غور سے سن رہی ہیں بلکہ باری باری دونوں کے چہرے بھی دیکھ رہی ہیں
تب وہ فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔



پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے وہ آفس میں سیٹ ہو گیا تو پھر اپنے بارے میں
سوچنے لگا تھا اور یہ ایک فطری سی خواہش تھی۔ پتہ نہیں اماں نے کیا سوچ رکھا تھا وہ بالکل
نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ دوسری ماؤں کی طرح اس کے اور عمیر کے سر پر سہرا سجانے کی بات
نہیں کرتی تھیں نہ ہی کسی لڑکی کو دیکھ کر کبھی بے ساختہ ان کے ہونٹوں سے یہ نکلا کہ میں ایسی
بہولاؤں کی وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال اماں کا اپنا انداز تھا لیکن وہ اب پوری سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا، خصوصاً شہلا
کے بارے میں جو ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے خود سے بے حد قریب محسوس ہونے لگی تھی
گو کہ اپنے کسی عمل سے اس نے اس پر غلا نہیں کیا تھا کہ وہ اسے پسند کرتا ہے نہ ہی اس کے
بارے میں جانتا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے پھر بھی اسے اولین تمنا بننا بیٹھا تھا۔

اور اب اس کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے اندر خدشہ صرف اماں کے ماننے
نہ ماننے کا نہیں تھا بلکہ اس سے زیادہ خدشہ یہ تھا کہ کہیں اماں شہلا کو غلط نہ سمجھ لیں اور حقیقتاً
اس کے بارے میں وہ ایسی کوئی بات نہیں سن سکتا تھا جیسی اماں دوسری لڑکیوں کے بارے
میں کرتی تھیں۔

شہلا کے امتحانوں میں اب تھوڑے ہی دن رہ گئے تھے، جیسی اس نے سوچا ابھی اسے
ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہے البتہ جب وہ امتحانوں سے فارغ ہو جائے گی تب وہ پہلی
فرصت میں اس سے بات کرے گا۔

اس وقت اسے پڑھاتے ہوئے جانے کیا خیال آیا کہ اس سے پوچھنے لگا۔

سنو تمہارا یہاں آس پڑوس کے دوسرے گھروں میں آنا جانا نہیں ہے۔

نہیں۔۔۔۔۔ کیوں۔ اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی پوچھا تو وہ ذرا سے کندھے

اچکا کر بولا۔

بس یونہی پوچھ لیا، ویسے تمہارے ساتھ کی لڑکیاں ہیں تو۔
ہاں شروع میں آتی تھیں پھر جب میں نہیں گئی تو انہوں نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اس
نے سادگی سے بتایا۔

کیوں تمہاری ان کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہوئی۔
شاید یہی بات ہے پھر قدرے توقف سے کہنے لگی۔ آپ کے ہاں بھی تو کسی کا آنا جانا
نہیں ہے۔

اصل میں ہماری اماں کا مزاج ذرا دوسری قسم کا ہے اس لئے سب ڈرتے ہیں۔ اس
نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بتا کر ایک طرح سے اسے آنے والے وقت کیلئے تیار کرنا چاہا۔
کوئی نہیں آپ کی اماں تو اتنی اچھی ہیں، میں نے تو کبھی انہیں اونچی آواز میں بات
کرتے نہیں سنا۔

خوش قسمت ہوں تم، وہ بے اختیار کہہ گیا پھر فوراً سنبھل کر بولا اصل میں اماں بہت کم کسی
سے میل جول رکھتی ہیں۔

اچھی بات ہے، اس نے کہا تو وہ پھر بظاہر چھیڑ کر بولا۔
ہو سکتا ہے کسی دن اکٹا کر تمہیں بھی یہاں آنے سے منع کر دیں۔

مجھے وہ حیران ہو کر بولی۔

نہیں مجھے نہیں منع کریں گی، مجھ سے تو اتنا پیار کرتی ہیں، ایک دن نہ آؤں تو پریشان ہو
جاتی ہیں۔

اچھا خیر، چھوڑو یہ سب باتیں اور نوٹس نکالو۔

اس نے خود ہی باتیں چھیڑی تھیں، خود ہی ختم کر دیں پھر کچھ دیر ہی اسے پڑھا سکا، باقی
اگلے دن پڑھا لیا تو وہ احتجاج کرنے لگی کہ اب بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں امتحانوں میں
اسے پوری تیاری کرانی چاہئے لیکن اس وقت اس کا موڈ نہیں بنا اور اگلے دن زیادہ وقت
پڑھانے کا وعدہ کیا تب وہ مان گئی۔

اگلے دن وہ خود ہی نہیں آئی، پورے تین دن غائب رہی تو ایک تو اس کے نہ آنے کی
تشویش دوسرے اس کا جو نقصان ہو رہا تھا، اسے سوچ کر وہ سخت تلملارہا تھا۔

ظاہر ہے وہ اس پر محنت کر رہا تھا اور اسے احساس ہی نہیں تھا، کئی بار اس کا دل چاہا

اماں سے پوچھے لیکن ہمت نہیں ہوئی، بس اندر ہی اندر کڑھتا رہا اور جب چوتھے دن وہ آئی تو اس پر بگڑ گیا۔

یہ بڑھناوڑھنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے، خواہ مخواہ وقت برباد کرتی ہو اپنا بھی اور میرا بھی، قیل ہو جاؤ گی تو سارا الزام میرے سر رکھو گی کہ میں نے ٹھیک سے نہیں پڑھایا۔

وہ سر جھکائے چپ چاپ سنتی رہی تو مزید تپ کر بولا۔
دیکھنے میں تو ہٹی کئی نظر آ رہی ہو پھر کیوں نہیں آ رہی تھیں، کچھ پتہ بھی ہے پرسوں تمہارا پیپر ہے۔

جی، اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔
کیا جی۔

پرسوں پیپر ہے۔
پھر تمہیں احساس کیوں نہیں ہے، چلو اب یوں مت بیٹھی رہو کتاب نکالو اور کچھ اہم سوال دوبارہ سے سمجھ لو۔

اس نے مزید ڈانسنے کا ارادہ ترک کر دیا اور محض اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا، کچھ دیر بعد واپس آیا تو وہ کتاب کے صفحات پر نظریں جمائے گم سم بیٹھی تھی۔ اس کی آمد پر چونکی بھی نہیں، جس پر وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ اندرونی اضطراب کا ہلکا سا عکس اس کے چہرے پر نظر آ رہا تھا، تب کتاب پر عین اس کی نظروں کے سامنے وہ اپنا ہاتھ رکھتا ہوا اسے پکار کر بولا۔

شہلا، کیا بات ہے۔

جی، اس نے چونک کر بے اختیار پلکیں اٹھائیں پھر فوراً جھکا لیں اور اس ایک پل میں وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ چکا تھا، فوراً کچھ کہنے کی بجائے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھی پھر کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتاؤ، کیا پریشانی ہے تمہیں، کسی نے کچھ کہا ہے، اماں نے

یا۔۔۔۔

نہیں، کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بس وہ۔۔۔۔ وہ اپنے آپ الجھنے لگی پھر قدرے توقف سے ایک نظر اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

اصل میں میری پھوپھو آئی ہوئی ہیں اور ان کی آمد سے میں بہت ڈسٹرب ہو گئی

ہوں۔

پھر تو تمہیں زیادہ وقت یہاں آ کر پڑھنا چاہئے تھا، میرا مطلب ہے اگر ان کی وجہ

سے۔۔۔۔۔

نہیں، وہ پتہ نہیں کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ عجیب الجھا ہوا انداز تھا۔ وہ کچھ دیر اس پر نظریں جمائے بیٹھا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

میرا خیال ہے تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔

آپ کو ہی تو بتانا چاہتی ہوں، اس نے کہا تو وہ چونک کر دوبارہ بیٹھ گیا اور کچھ بے تابی

سے پوچھا۔

کیا۔۔۔ کیا بتانا چاہتی ہو۔

وہ میری پھوپھو اپنے بیٹے راجیل کیلئے وہ رک رک کر بس اس قدر کہہ سکی اور وہ سمجھ کر کچھ کم صم سا ہو گیا۔ کتنے لمبے چپ چاپ سرک گئے تو وہ جو سر جھکائے بیٹھی تھی، اس کی خاموشی محسوس کر کے قدرے گھبرا کر اسے دیکھنے لگی تب وہ یونہی ذرا سا مسکرایا پھر سنبھل کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے اگر تم شادی نہیں کرنا چاہتیں تو صاف انکار کر دو یا تم پر کوئی جبر ہے۔

اگر جبر ہو تب وہ اچانک اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی تو وہ کچھ ٹھنک گیا پھر سوچ کر کہنے لگا۔

تب بھی منع کر دو۔

کیوں؟

میں جو کہہ رہا ہوں، وہ بے اختیار کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور یونہی کھڑکی کے پاس جا کر پردے برابر کرنے لگا۔ درز دیدہ نظروں سے اسے بھی دیکھ رہا تھا، وہ حیران بیٹھی تھی۔ تب آ کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھا تو اس کی کتابیں سیٹتا ہوا کہنے لگا۔

میں چاہتا تھا تم اطمینان سے امتحان دے لو اس لئے کتنی بہت ساری باتیں جو میں تم سے کہنا چاہتا تھا نہیں کہہ سکا، صرف اس خیال سے کہ کہیں تم ڈسٹرب نہ ہو جاؤ لیکن یہاں تو

سارا معاملہ ہی الٹا ہو گیا یعنی تم ڈسٹرب ہو چکی ہو اور اب تمہارے اطمینان کیلئے مجھے ابھی یہ کہنا پڑے گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

وہ جو پوری توجہ سے اسے سننے لگی تھی اس کے اعتراف پر جربز ہو کر بولی۔
میرے اطمینان کیلئے اور وہ ہنس پڑا۔

صرف تمہارے اطمینان کیلئے جاؤ اب سکون سے امتحان دو۔
جی نہیں، وہ اس کے ہاتھ سے اپنی کتابیں جھپٹتی ہوئی بولی۔

میں کوئی امتحان و امتحان نہیں دے رہی ابو سے کہتی ہوں پھوپھو کو ہاں کہہ دیں۔
کیا وہ اسے گھورتا ہوا چنچا اور مزید آگے جھک کر اس کی کلائی تھامنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت اماں آگئیں اور اسے دیکھ کر کسی طرح اپنی ناگواری چھپا نہیں سکیں۔
ہائیں، تم ابھی تک یہیں ہو۔

جی بس جا رہی ہوں وہ فوراً کھڑی ہو گئی پھر جاتے جاتے اسے منہ چڑاتی مٹی تھی اماں کی وجہ سے وہ چپ بیٹھا رہا بلکہ انجان بھی بن گیا۔
مجھے نہیں معلوم تھا کہ شہلا ابھی تک یہیں موجود ہے اماں نے کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

اتنی دیر تک لڑکی کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے اور کتنا پڑھاؤ گے اسے۔
بس ختم، میرا مطلب ہے میری ڈیوٹی ختم اب وہ خود ہی پڑھ لے گی۔ وہ پہلے شپٹایا پھر سنبھل کر بولا تو اماں کے چہرے پر اطمینان اتر آیا۔
چلو جان چھوٹی تمہاری اور وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....

پھر کتنے دن گزر گئے وہ اس کے امتحانوں کا ایک ایک دن شمار کرتا رہا اور وہ پتہ نہیں امتحانوں کی وجہ سے نہیں آ رہی تھی یا ناراض تھی، بہر حال اسے اطمینان دے کر وہ خود بے چین ہو گیا تھا، زیادہ خدشہ یہ تھا کہ جس پروپوزل کا وہ ذکر کر رہی تھی کہیں اس کے ابو نے وہاں ہامی تو نہیں بھری، انہی خدشات کی بدولت اس سے وقت کا ٹٹا مشکل ہو گیا تھا، اس پر غصہ بھی آتا کہ کم از کم اسے بتا تو جاتی کہ وہ اپنے پھوپھی زاد کیلئے منع کر چکی ہے۔ گو کہ اپنے طور پر اس نے ہی فرض کر لیا تھا پھر بھی اندر کہیں خدشہ موجود تھا، جیسی ہر پہلو سے خود کو بہلانے کے

باوجود اس کی بے قراری کم نہیں ہو رہی تھی۔

اور جس روز شہلا کا آخری چہرہ تھا، اس روز وہ آفس سے چھٹی لیکر سیدھا اس کے کالج جا پہنچا۔ اسی وقت سب لڑکیاں باہر نکل رہی تھیں اور اتنی ساری لڑکیوں میں اسے ڈھونڈ لینا بڑا مشکل تھا پھر اسے اچھا بھی نہیں لگا کہ یوں بچ راستے میں کھڑا ہو کر گردن اونچی کر کے دیکھے، جیسی باینک موڈ کر اسٹاپ سے کچھ فاصلے پر آ کھڑا ہوا کہ اسے یہیں سے گزرتا تھا، کچھ دیر بعد جب اسے الگ تھلگ آتی نظر آئی تب وہ باینک اسٹارٹ کر کے فوراً اس کے قریب لے آیا۔

آپ وہ اسے دیکھ کر چونگی پھر شریر مسکراہٹ ہونٹوں میں چھپا کر بولی۔
میں تو آپ کو اچھا خاصا شریف آدمی سمجھتی تھی۔

کیا مطلب ہے تمہارا، وہ سمجھا نہیں اور تیز نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔
بھئی گر لڑکائی کے سامنے ڈیوٹی دینے والے لڑکے عموماً۔۔۔۔
شٹ اپ، وہ سمجھا تو فوراً نوک دیا پھر اسے اشارہ کرتا ہوا بولا۔
چلو بیٹھو، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

مجھے وہ حیران ہوئی۔ کس نے بھیجا ہے آپ کو۔

جلدی بیٹھو مجھے دیر ہو رہی ہے۔ وہ اس کا سوال یکسر نظر انداز کر گیا اور باینک اشارہ کر کے یوں سامنے دیکھنے لگا جیسے اب فوراً چل پڑے گا، وہ الجھتی ہوئی اس کے پیچھے بیٹھی تو پھر پوچھنے لگی۔

آپ نے بتایا نہیں کس نے بھیجا ہے آپ کو۔

اس نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا اور باینک روڈ پر اتار کر اسپید سے بھاگا دی تو کچھ دیر کیلئے وہ خاموش ہو گئی پھر غالباً راستوں پر غور کیا تو مسلسل بولے گئی۔
یہ آپ کس طرف جا رہے ہیں مجھے یہیں اتار دیں پلیز۔۔۔۔

اور وہ یوں بتا رہا جیسے اس کی آواز سنائی ہی نہیں دے رہی بالآخر تھک کر وہ چپ ہو گئی اور اس وقت بھی کچھ نہیں بولی جب ایک ریسٹورنٹ کے پرسکون ماحول میں اس کے سامنے بیٹھے ہی وہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگا۔

ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم۔ پھر اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں خفگی دیکھ کر کہنے لگا۔

دیکھو یہ غصہ اور ناراضگی پھر کسی وقت کیلئے اٹھار کھو اور فوراً اپنا موڈ ٹھیک کر دو ورنہ۔

آپ اس طرح بات کریں گے تو میں چلی جاؤں گی اس کے روٹھے لہجے پر وہ بے ساختہ مسکرایا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

اوکے اوکے۔ آئی ایم سوری اب جلدی سے بتاؤ کیا پیو گی۔

آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔

جس طرح وہ اس کی بات نظر انداز کر گئی اسی طرح وہ بھی ان سنی کر کے ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا اسے چائے کے ساتھ سینڈوچ لانے کو کہا اور اس کے جانے کے بعد اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

تمہارے پیپر ذکیسے ہوئے۔

اچھے ہو گئے ہیں۔

اور وہ تمہاری پھوپھو چلی گئیں اور اصل بات یہی تھی جسے وہ بظاہر سرسری انداز میں پوچھ رہا تھا۔

پھوپھو۔۔۔۔۔ ہاں وہ تو اسی روز چلی گئی تھیں۔

مایوس۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے تم نے منع کر دیا تھا ناں۔

ہنوز سرسری انداز تھا اس کا لیکن اس بار وہ سمجھ گئی کہ وہ صرف یہی جاننے کیلئے اسے یہاں لایا ہے اور یہ کہ گزشتہ دنوں وہ کتنا بے چین اور پریشان رہا ہے۔ پھر بھی قصداً انجان بن کر پوچھنے لگی۔

کس بات کیلئے۔

وہ جواب دینے کیلئے کہہ رہی تھیں کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا۔

راہیل، نہیں میں نے منع نہیں کیا۔ اس نے نام بتا کر کہا تو اس کی ساری بے نیازی رخصت ہو گئی۔ پوری جان سے اس کی طرف متوجہ ہو کر جارحانہ انداز میں بولا۔

کیوں؟

اس لئے کہ مجھ سے پوچھائی نہیں گیا۔

تو کیا وہ ایک دم پریشان ہو کر اس قدر کہہ سکا۔

تب وہ اسے مزید سنانے کا ارادہ ترک کر کے ہنس پڑی۔

آپ سمجھ نہیں، ابھی بات صرف ابو اور پھوپھو کے درمیان ہوئی ہے اور ابو میری مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، ابھی تک انہوں نے مجھ سے پوچھا نہیں ہے شاید میرے امتحانوں کی وجہ سے۔ اب امتحان ختم ہو گئے ہیں تو ہو سکتا ہے آج کل میں مجھ سے بات کریں، اب میں منع کر دوں گی۔ اس کی پوری بات سننے کے بعد وہ گہری سانس کھینچتا ہوا بولا۔

مائی گاڈ، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا پھر اُسے اس کی طرف دھکیل کر بولنا چاہئے بتاؤ۔
اور آپ کے گھر میں سب ٹھیک ہیں، اماں اور عیسر۔ وہ کپ میں جھج چلاتی ہوئی پوچھنے لگی۔

ہوں، تم آ کیوں نہیں رہیں۔ اب کہو گی امتحانوں کی وجہ سے۔ اس نے سوال کے بعد خود ہی اس کی طرف سے عذر تراش لیا تو وہ ذرا سا مسکرائی پھر چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتی ہوئی بولی۔

امتحان تو ختم ہو گئے لیکن میں پھر بھی نہیں آؤں گی۔

کیوں وہ چونک کر دیکھنے لگا تو وہ فوراً جواب دینے کے بجائے اپنے کپ میں جھج چلانے لگی، سوچتا ہوا انداز تھا جس سے وہ کچھ ٹھنک کر بولا۔
بتاؤ ناں کیوں نہیں آؤں گی۔

پتہ نہیں سیر، وہ ایک نظر اس پر ڈال کر اسی پر سوچ انداز میں کہنے لگی۔

جھج ایسا ہے یا مجھے محسوس ہوا اس روز آپ کی اماں کا لہجہ بہت عجیب سا تھا، شاید انہیں میرا آنا یا آپ کے پاس پڑھنا اچھا نہیں لگا حالانکہ خود انہوں نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے پڑھ لیا کروں۔

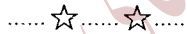
ہاں پھر میرا مطلب ہے انہوں نے کچھ کہا تم سے۔

آپ کے سامنے ہی تو مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم ابھی تک یہیں ہو۔ اس نے بتایا تو وہ کتنی دیر تک اس پر نظریں جمائے بیٹھا رہا جبکہ ذہن اس روز کی صورتحال سوچنے لگا تھا۔ واقعی اماں کے لہجے میں خاصی ناگواری تھی جسے اس نے بھی محسوس کیا تھا اور اب مصلحتاً اس کے سامنے جھٹلانے لگا۔

نہیں شہلا اماں نے تو بس یونہی پوچھ لیا تھا، انہیں تمہارا آنا ناگوار کیوں گزرے گا بھلا۔ اتنی تو وہ تم سے محبت کرتی ہیں۔ ایک دن نہ آؤ تو پریشان ہو جاتی ہیں۔ آخر میں اس کے الفاظ دہرائے تو وہ ہنس پڑی۔ پھر گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

بہت دیر ہو گئی، چلنا چاہئے۔

واقعی اس نے ویٹر کو بلا کر ٹبل پے کیا پھر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔



اور اب انہیں اصل مرحلہ طے کرنا تھا یعنی اماں سے یہ کہنا کہ وہ شہلا کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور یہ کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں تھا لیکن اماں کی سوچ سے ڈرتا تھا، اس لئے ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

وہ چاہتا تھا اس طرح بات کرے کہ اماں کم از کم شہلا پر کوئی الزام نہ دھریں، بے شک اسے برا بھلا کہہ لیں، وہ سب سن لے گا۔ کتنے دن سوچنے کے بعد اس نے اماں سے براہ راست بات کرنے کی بجائے عمیر کو ہموار بنا کر اس سے مدد کی اپیل کی تو وہ اچھل پڑا۔

آپ کا مطلب ہے میں اماں سے بات کروں۔

یہاں تم میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے، بڑے بھائی کی عاجزی پر عمیر سر کھانے لگا۔

تب وہ زور دے کر بولا۔

بس تم بات چھیڑ دینا، اس کے بعد میں خود سنبا ل لوں گا۔

پکی بات ہے ناں یعنی آپ میدان چھوڑ کر بھاگیں گے تو نہیں۔

چلیں پھر ابھی چلیں، عمیر کو جوش آ گیا پھر ایک دم رک کر بولا۔
میرا خیال ہے آپ ہمیں رکیں، میں اماں کے پاس بیٹھتا ہوں، آپ کچھ دیر بعد آئیے گا۔

یہ ٹھیک ہے، اس نے تائید کی اور عمیر کے جاتے ہی ایک سگریٹ سلگا لیا پھر سگریٹ بھی اس نے بہت عجلت میں کش پر کش لگا کر ختم کیا، اس کے بعد ہاتھوں سے دھواں اڑاتا ہوا کمرے سے نکل کر آیا تو عمیر جیسے سوچ چکا تھا، اسے دیکھتے ہی اماں سے کہنے لگا۔
اماں، اب بھائی کی شادی کر دیجئے۔ گھر میں بہو آ جائے گی تو آپ کا اکیلا پن بھی دور ہو جائے گا۔

ہاں، میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ اماں نے ابھی اسے نہیں دیکھا تھا اور وہ بھی اچانک سامنے آ کر بولا۔
کیا سوچ رہی ہیں اماں۔

آپ کی شادی کے بارے میں، اماں سے پہلے عمیر بول پڑا۔
اگر کوئی لڑکی وغیرہ پسند کر لی ہو تو ابھی بتادیں۔
ہائیں، یہ کیا کہہ رہے ہو اماں نے عمیر کو گھورا۔
ٹھیک تو کہہ رہا ہوں، کیوں بڑے بھائی۔
ہاں، وہ پہلے قدرے شیشیا پھر فوراً سنسجیل کر کہنے لگا۔
ٹھیک کہہ رہے ہو، میری شادی کی بات ہے تو ظاہر ہے لڑکی بھی میں پسند کروں گا۔
آپ ہی پسند کریں گے، جلدی کریں بھائی۔ عمیر نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے لا پرواہ سا انداز اختیار کیا۔

جلدی کیا ہے۔
اماں بیچاری اکیلی ہوتی ہیں۔
دونوں بھائیوں نے یوں بولنا شروع کیا کہ درمیان میں اماں کو ٹوکنے یا بولنے کا موقع

ہی نہیں دیا، وہ منہ کھولے آنکھیں پھاڑے کبھی اسے اور کبھی عمیر کو دیکھ رہی تھیں۔

بس آپ جلدی سے لڑکی پسند کریں پھر چٹ مٹکنی پٹ بیاہ۔

لڑکی وہ ہے ناں کیا نام ہے اس کا شہلا، بس میں اس سے شادی کروں گا۔

اس نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں نام بتا کر اپنے طور پر بات بھی ختم کر دی، یوں

جیسے جو اس نے کہہ دیا وہی ہوگا اور عمیر اس کی دلیری پر ہاتھ کے اشارے سے اسے داد دینے کے بعد اماں سے کہنے لگا۔

لیجئے اماں، بھائی نے لڑکی بھی پسند کر لی، اب آپ ان کے سر پر سہرا سجانے کا انتظام

کریں۔

سہرا تو میں ایسا سجاؤں گی کہ دنیا دیکھے گی۔ طرے بھر پور لہجے میں اماں نے ابھی اسی

قدر کہا تھا کہ عمیر نے ان کی بات اچک لی۔

ہاں اماں، بہت دھوم دھام سے کریں گے بھائی کی شادی۔ سارے محلے کو بلائیں گے

اور چچا، تایا، ماموں اس کے ہونٹ سکڑ کر رہ گئے کیونکہ اماں اٹھ کر جا رہی تھیں پھر کچھ ٹیٹا کر

اس نے بھائی کو دیکھا تو اس نے اماں کو روکنے کا اشارہ کیا۔

بیٹھیں ناں اماں کہاں جا۔۔۔۔۔ عمیر دوبارہ اسی موڈ میں آ کر اماں کو بٹھانا چاہتا تھا

لیکن وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اندر چلی گئیں، تب وہ اسے دیکھ کر بولا۔

بس بھائی میں نے بات چھیڑ دی، اب آگے آپ جانیں۔

ہوں وہ پر سوچ انداز میں سر ہلانے لگا پھر عمیر کو دیکھ کر قصداً مسکرا دیا تھا۔

خلاف توقع اماں نے اس کی اور عمیر کی باتیں سن کر کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں کیا تھا، جس

سے وہ بجائے مطمئن ہونے کے اندر ہی اندر پریشان ہو گیا تھا لیکن اپنی پریشانی ظاہر نہیں

ہونے دی۔

☆.....☆.....

رات کے کھانے پر معمول کے مطابق ابا کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا، اس کے

بعد کچھ دیر ٹھٹھنے کی غرض سے باہر نکلا تو اپنے اگلے اقدام کے بارے میں سوچنے لگا کہ آیا اسے دوبارہ اماں سے خود بات کرنی چاہئے یا کچھ دن انتظار کرے شاید اماں خود اس سے بات کریں۔ انکی خاموشی بھی تو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، پتہ نہیں وہ کیا چاہتی تھیں۔ کبھی خاندان کی کسی لڑکی کا بھی انہوں نے اس انداز سے ذکر نہیں کیا تھا، جس سے وہ سمجھتا کہ اماں کا ارادہ اسے بھونپانے کا ہے۔

بہر حال ان کا ارادہ کچھ بھی ہو، وہ اپنی محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ اب تک اس نے اماں کی ہر بات مانی تھی اگر شہلا اس کی زندگی میں نہ آئی ہوتی تو یہاں بھی وہ بلا چون و چرا اماں کے سامنے سر جھکا دیتا لیکن اب یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

پھر وہ شہلا کے بارے میں سوچنے لگا، کتنی اہم ہو گئی تھی وہ اس کیلئے۔ ادھر کچھ دنوں سے نظر نہیں آئی تھی تو اسے وقت ٹھہرا ہوا لگ رہا تھا، واپس گھر آتے ہوئے اس کا دل چاہا وہ اس کے ابو سے ملنے کے بہانے اس کے گھر چلا جائے اور کچھ دیر وہیں بیٹھے لیکن پھر اماں کا خیال آیا کہ اگر انہیں معلوم ہو گیا تو پھر ظاہر ہے انہیں بات بنانے کا موقع مل جائے گا، یوں خود پر جبر کر کے وہ اپنے گھر آ گیا۔

اماں عشاء کی نماز کے بعد اپنے وظیفے میں مصروف تھیں، اس نے انہیں اٹھانا مناسب نہیں سمجھا اور خود ہی کچن میں جا کر اپنے لئے چائے بنائی پھر گ لے کر اپنے کمرے میں آ گیا کیونکہ اگلے دن چھٹی تھی، اس لئے وہ مطمئن تھا۔ چائے کے بعد سگریٹ سلگائی اور ابھی دو تین کش لئے تھے کہ اماں کی آواز سنائی دی۔ برآمدے میں وہ شاید عمیر سے اس کا پوچھ رہی تھیں، اس نے جلدی سے سگریٹ الیش ٹرے میں مسل کر الیش ٹرے ٹیبل کے نیچے رکھ دی اور جو اخبار ہاتھ لگا اسے سامنے پھیلا کر بیٹھ گیا تبھی اماں اس کے دروازے تک آ کر پوچھنے لگی۔

ابھی باورچی خانے میں تم تھے۔

جی چائے بنا رہا تھا۔

لو مجھ سے کہتے میں بنا دیتی۔ اماں کہتی ہوئی اندر چلی آئیں تو وہ اخبار سمیٹ کر ان کے بیٹھنے کے لئے جگہ بناتا ہوا بولا۔

آپ نماز پڑھ رہی تھیں یوں بھی ذرا ذرا سے کام کیلئے آچکے تکیف دینا اچھی بات نہیں ہے۔

اماں فوراً کچھ نہیں بولیں؛ جب آرام سے بیٹھ گئیں تب کہنے لگیں۔

اس کا مطلب ہے تم واقعی شادی کیلئے سنجیدہ ہو۔

جی وہ سمجھا نہیں کہ انہوں نے اس کی بات کا یہ مطلب کیسے نکال لیا، کچھ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

جب بیٹوں کو ماؤں کا خیال ہونے لگے اور ان پر کام کی زیادتی کا احساس تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ اماں کی وضاحت پر وہ قدرے جھینپ گیا تو کچھ دیر بغور اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد وہ پھر کہنے لگیں۔

بہر حال میں خود بھی یہی چاہتی ہوں اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے اس وقت تم نے اور میر نے شہلا کا نام لیکر بات مذاق میں اڑا دی تھی۔

مذاق میں وہ چونک کر بولا۔ نہیں اماں وہ مذاق نہیں تھا۔

پھر اماں کی چپتی ہوئی نظریں اسے بری طرح محسوس ہوئیں سر جھکا کر ہمت سے

بولا۔

میں شہلا ہی سے شادی کروں گا۔

ہوں، گہری سانس کے ساتھ اماں اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئیں تو وہ لڑکی پڑھنے کے بجائے یہ گل کھلاتی رہی ہے۔

خدا کیلئے اماں خواہ مخواہ کا بہتان نہیں لگائیں۔ اس نے بہت عاجزی سے ٹوکا۔

یہ خواہ مخواہ کا بہتان نہیں ہے سیر، میری ہی مت ماری گئی تھی جو اسے بن ماں کے بچی سمجھ کر ڈھیل دے دی، ارے یہ ساری لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جہاں اچھے لڑکے

دیکھے۔۔۔۔۔

اس کیلئے کمی نہیں اماں وہ درمیان میں بول پڑا۔

اس لئے کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے، ابھی بھی اس کیلئے دورشتے آئے ہوئے ہیں ایک

اس کا پھوپھی زاد ہے۔

تمہیں کیسے معلوم اماں نے اس کی معلومات پر سخت ناگواری سے پوچھا تو وہ خاصا

جزبز ہو کر بولا۔

شہلانے بتایا تھا۔

تو وہ تمہارے ساتھ یہ باتیں کرتی تھی۔

اف وہ چکرا گیا۔ آپ کو سمجھانا بہت مشکل ہے اماں بس اتنا سن لیں کہ میری شادی

ہوگی تو شہلا سے در نہ نہیں۔

یہ تم نے اپنے آپ فیصلہ کر لیا اور جو اگر ادھر سے انکار ہو گیا تب۔

نہیں ہوگا، آپ جائیں تو سہی۔ اس کے یقین سے کہنے پر اماں کچھ دیر تک اسے

دیکھتی رہیں پھر اٹھتی ہوئی بولیں۔

ٹھیک ہے میں تمہارے ابا سے بات کرتی ہوں پھر اپنے آپ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں

تو اسے افسوس ہوئے لگا کہ آخر اماں خوش کیوں نہیں ہیں۔

کتنی دیر تک وہ ان کے رویے پر کڑھتا رہا پھر لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔

☆.....☆.....

وہ چاہتا تھا اماں جلد سے جلد جا کر شہلا کے ابو سے بات کریں کیونکہ اس کیلئے پہلے

سے بھی پروپوزلز موجود تھے اور اسے اچھی طرح احساس تھا کہ اس کے ابو زیادہ عرصہ تک

اسے بٹھائے نہیں رکھیں گے، اس کے سر پر ماں ہوتی یا کوئی اور بہن بھائی تب اتنی فکر کی بات

نہیں تھی۔ وہ اکیلی لڑکی تھی اور ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کے ابو کو اس کی زیادہ فکر ہوگی۔

اس کی شادی کر کے ہی وہ مطمئن ہو سکتے تھے۔ بہر حال وہ یہ ساری باتیں سوچ کر ہی چاہتا

تھا کہ اماں جلد اس کے گھر جائیں اور اماں پتہ نہیں کیوں دیر کر رہی تھیں، روز کوئی نیا کام نکال کر بیٹھ جاتیں یعنی انتہائی غیر ضروری کام بھی انہیں ضروری لگنے لگے تھے۔

وہ سخت جمجمہ پلایا ہوا تھا، شہلا کی طرف سے الگ پریشان تھا۔ پتہ نہیں اس نے اماں کی بات کو کیوں اتنا محسوس کر لیا تھا کہ بالکل ہی نہیں آتی تھی۔ پورا ایک مہینہ ہو گیا تھا اسے دیکھے ہوئے اب تو اس کا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ اس روز آفس سے بہت جلدی آ گیا اور یہ سوچ کر آیا کہ آج اماں سے صاف بات کرے گا کہ آخر وہ چاہتی کیا ہیں لیکن اماں گھر میں موجود ہی نہیں تھیں، عمیر موجود تھا اسے دیکھتے ہی شوخی سے بولا۔

مبارک ہو بھائی، آج تو اماں مٹھائی مٹھائی لیکر گئی ہیں۔

کہاں، وہ فوری طور پر سمجھا نہیں۔

پڑوس میں لگتا ہے بات پکی کر کے آئیں گی۔

اچھا، کب گئی ہیں اس کے اندر ڈھیروں اطمینان اتر آیا۔

بہت دیر ہوئی، اب تو آنے والی ہوں گی۔

ہوں۔

وہ وہیں تخت پوش پر بیٹھ کر جوتے موزے اتارنے لگا پھر اچانک کسی خیال کے تحت چونک کر پوچھنے لگا۔

سنو ابھی تم کہہ رہے تھے کہ آج تو اماں مٹھائی لیکر گئی ہیں، کیا اس سے پہلے بھی جا چکی

ہیں۔

لیجئے آپ کو پتہ ہی نہیں، کہاں رہتے ہیں آپ، دوبار جا چکی ہیں اماں۔ عمیر نے اس

کی بے خبری کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تو وہ حیران ہو کر بولا۔

مجھے واقعی معلوم نہیں ہے، کب گئی تھیں اماں اور انہوں نے کیا جواب دیا تھا۔

وہی سوچنے کو وقت مانگا تھا۔۔۔۔۔ اور سوچنا وچنا کیا ہوتا ہے بھائی صرف اپنی اہمیت

جتنا ہوتا ہے۔

عمریر بولے جا رہا تھا اور وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہونے لگا کہ ناحق اماں سے بدگمان ہوا شاید انہوں نے اسی لئے اسے نہیں بتایا تھا کہ ایک ہی بار اچھی خبر سنائیں گی اور وہ پتہ نہیں کیا کیا سوچتا رہا، شہلا بھی غالباً اسی لئے نہیں آ رہی تھی۔

ہائیں یہ آپ کہاں کھو گئے۔ عمریر نے اسے گم سم دیکھ کر ٹوکا تو چونکنے کے ساتھ ہی اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی۔

ارے آپ تو آہیں بھرنے لگے جبکہ اس وقت آپ کو۔۔۔۔۔

شٹ اپ! وہ پیار بھری ڈانٹ کے ساتھ کھل کر مسکرایا پھر اسے چائے بنانے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

ڈریس چینج کر کے منہ ہاتھ دھویا پھر بالوں میں برش کر رہا تھا کہ عمریر اس کیلئے چائے لیکر آ گیا۔

چائے حاضر ہے بھائی اور اب آپ کہیں جائیں گے تو نہیں، عمریر نے چائے کا گم نیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

کیوں وہ برش رکھ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

اس لئے کہ میں جا رہا ہوں۔

کہاں۔

ایک دوست کے ہاں، اماں آئیں تو انہیں بتا دیجئے گا اور ہاں میرے لئے مٹھائی بھی ضرور منگوار کھئے گا۔ آخر میں عمریر نے شرارت سے کہا تو وہ جیب سے پیسے نکال کر ہوا بولا۔

میرا باہر جانے کا کوئی پروگرام نہیں، تم واپسی میں خود ہی مٹھائی لیتے آنا۔

ضرور لیتا آؤں گا، عمریر اس کے ہاتھ سے سوکا نوٹ جھپٹ کر باہر نکل گیا تو وہ اچانک خوشگوار سے احساس میں گھر کر چائے پینے لگا۔

عمریر نے بتایا تھا کہ اماں بہت دیر سے گئی ہوئی ہیں اور یہ کہ اب آنے والی ہوں گی لیکن اسے بہت دیر انتظار کرنا پڑا اور اماں آئیں بھی تو پہلے عصر کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں

اس کے بعد رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گئیں جبکہ وہ جانے کو بے چین تھا۔
 جب اماں نماز پڑھ رہی تھیں تب ہی وہ برآمدے میں آ کر بیٹھ گیا تھا، اس کا خیال تھا
 نماز سے فارغ ہوتے ہی اماں خود اسے بتائیں گی لیکن جب وہ کچھ کہے بغیر کچن میں جا کر
 مصروف ہو گئیں تب اس کا ضبط جواب دے گیا، اٹھ کر ان کے پیچھے کچن میں آیا تو قصداً
 انجان بن کر پوچھنے لگا۔

کہاں چلی گئی تھیں اماں آپ۔۔۔۔

شہلا کے ہاں اماں نے پہلے مصروف سے انداز میں جواب دیا پھر ایک دم کام چھوڑ کر
 اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

تمہارا پیغام لیکر گئی تھی، کتنے دن ہو گئے انہوں نے سوچنے کو وقت مانگا تھا، آج صبح
 شہلا کے ابانے خود بلوا بھیجا، میں جب کام کاج سے فارغ ہو گئی تب گئی۔
 پھر کیا کہا انہوں نے، اس کی بے تابی چھپائے نہیں چھپی اور اماں اس سے نظریں چرا
 کر آہ بھر کر بولیں۔

بس بیٹا قسمت میں نہیں ہے، منع کر دیا انہوں نے۔

وہ اچانک گم سم ہو گیا جبکہ اندر دل کی دنیا میں تلاطم برپا ہو گیا تھا۔ اتنا شور کہ اماں کی
 بات سننے کے لئے اسے اپنی ساری توانائیاں صرف کرنی پڑیں۔

میں اتنی دیر ان کی منتیں کرتی رہی یہاں تک کہا کہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو پسند کرتے
 ہیں، وہ مانے نہیں۔ کہنے لگے پہلا حق میری بہن کا ہے اب بیٹا میں زبردستی تو کر نہیں سکتی
 تھی۔ پتہ نہیں تمہیں اتنا یقین کیوں تھا کہ وہ منع نہیں کریں گے، خیر میں پھر جاؤں گی۔
 نہیں اماں۔

وہ ایک دم بول پڑا شاید بلا ارادہ ہی جیسی فوراً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تو اماں

ایک نظر اس پر ڈال کر اپنے آپ بولنے لگیں۔

کیوں نہیں، کم از کم شہلا سے پوچھنے تو ضرور جاؤں گی کہ ایسے کون سے سرخاب کے پر

لگے ہیں اس کے پھوپھی زاد میں جس کیلئے اس نے ہامی بھری۔

شہلانے ہامی بھری؟ وہ سمجھا نہیں اماں کیا کہہ رہی ہیں۔

اور کیا اس کے ابا تو یہی کہہ رہے تھے کہ انہوں نے بیٹی سے پوچھ کر فیصلہ کیا ہے۔
اماں نے کہا تو وہ غیر یقینی سے انہیں دیکھے گیا جواب اپنے مخصوص جملے بول رہی تھیں۔

اسی لئے میں کسی کو آنے نہیں دیتی، کم بخت ماری اچھے خاصے لڑکوں کو باؤلا بنا جاتی
ہیں۔ حد ہے بے شرمی کی۔ اس کیلئے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا، کچن سے نکلا اور پھر گھر سے ہی
نکل گیا۔

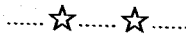
بے مقصد سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے اس کا ذہن جانے کیا کیا سوچتا رہا، پتہ
نہیں شہلانے ایسا کیوں کیا تھا۔ اس نے تو کہا تھا کہ اس پر کوئی جبر نہیں اور اماں بھی بتا رہی
تھیں کہ اسکی مرضی سے فیصلہ ہوا ہے اگر اسے یہی کرنا تھا تو پھر اس کے پاس کیوں آئی تھی؟
کیا واقعی وہ اسے یہ قوف بنا رہی تھی۔



نہیں، رات میں جب وہ سونے کیلئے لیٹا اس وقت بھی اس حقیقت کو جھٹل رہا تھا۔ شاید
اماں کو سننے میں غلطی ہوئی، وہ لڑکی ایسی تو نہیں ہے۔

اور پھر اس نے سوچ لیا کہ وہ خود اس سے ملنے کی کوشش کرے گا اور پوچھے گا اس سے
کہ اسے یہ قوف بنا کر اسے کیا ملا لیکن بات صرف یہ قوف بنانے کی تو نہیں تھی، یقیناً اس کے
دل کی دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔

اگلے کئی دن اسے اپنا بھی ہوش نہیں رہا، گھر کے معمول کے سارے کام اسی طرح ہو
رہے تھے۔ صبح وہ آفس بھی جاتا اور رات میں سب کے ساتھ دسترخوان پر بھی موجود ہوتا
لیکن ایسا گرم سم اور چہرے پر ایسی وحشت کہ کسی کسی وقت اماں کا دل دہل جاتا، عمیر اپنی
شوخیوں اور پر مزاح باتوں سے اسے بہلانے کی کوشش کرتا تو وہ اسے بھی چپ چاپ دیکھتا
رہتا یا پھر اٹھ کر چلا جاتا۔



یونہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے اور جب اس کا دل غم آشنا ہو کر ٹھہر گیا تب اس روز وہ عمیر سے کہنے لگا۔

سنو عمیر میں ایک بار شہلا سے ملنا چاہتا ہوں، عمیر نے چونک کر دیکھا، وہ آرزو کیوں میں گھرا کہہ رہا تھا۔

اس نے تو بہت پہلے سے یہاں آنا جانا چھوڑ رکھا ہے اور اب تو شاید بلانے پر بھی نہیں آئے گی پھر تم بتاؤ میں اس سے کیسے ملوں۔

آخر میں اس نے سراٹھا کر عمیر کو دیکھا تو وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلانے لگا۔
کیوں، کیوں نہیں مل سکتا میں اس سے، اس نے عاجزی سے پوچھا۔
اس لئے کہ وہ یہاں سے جا چکی ہے، عمیر کے انکشاف پر وہ بری طرح چونکا۔
کیا مطلب ہے تمہارا۔

مطلب یہ کہ انہوں نے یہ گھر چھوڑ دیا ہے، کیا آپ نے باہر ”کرائے پر خالی ہے“ کا بورڈ نہیں دیکھا۔

عمیر نے بتایا تو وہ پٹی پٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا، تب عمیر نے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔

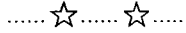
پتہ نہیں کہاں رہتے ہیں آپ، اتنا بے خبر آپ کو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو اسی روز جب انہوں نے اماں سے انکار کیا تھا، ان کے گھر پہنچ جاتا۔ آپ نے کیسے اتنے آرام سے شکست تسلیم کر لی، دل کو روگ لگا کر بیٹھ گئے چہ چہ۔۔۔۔۔

یعنی حد ہو گئی، دن دھاڑے ایک لڑکی۔۔۔۔۔

جانے کیا تھا اس کی نظروں میں کہ عمیر کو ایک دم خاموش ہو جانا پڑا اور وہ جیسے اپنے آپ سے بولا تھا۔

وہ چلی گئی اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

اس کی خود کلامی سن کر عمیر نے ذرا سا سر جھٹکا پھر اس کے کمرے سے نکل گیا تو اسے لگا جیسے وہ بالکل تنہا ہو گیا ہو بہت غڈ حال ہو کر کرسی کی بیک پر سر رکھا تو کتنے لمحے اس کی خلوت کو جانے چلے آئے۔



دیرے دیرے ایک سال بیت گیا، اس نے اپنے آپ کو بہت حد تک سنبھال لیا تھا یعنی بظاہر بالکل پہلے جیسا ہو گیا، کوئی نہیں جانتا تھا اس کے دل پر لگے زخم سے ابھی بھی کیسی ٹیمیں اٹھتی ہیں، یہ نہیں تھا کہ اس نے اسے بھولنے کی کوشش نہیں کی، بہت چاہا بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

پتہ نہیں کیسے ہر رات جب وہ سونے کیلئے لیٹتا اور جیسے ہی آنکھیں بند کرتا وہ دھڑلے سے چلی آتی۔

کبھی کلکھلا کر ہنستی ہوئی اور کبھی اسی حساب سے اس کی آنکھوں سے موتی ٹپک رہے ہوتے۔ وہ چاہنے کے باوجود اس سے ہنسنے کا سبب پوچھتا نہ رونے کا بس چپ چاپ اسے دیکھتا رہتا، کبھی گھبرا کر آنکھیں کھولتا تو اسے لگتا جیسے وہ سچ میٹیں موجود تھی پھر کتنی دیر تک وہ سانس روکے اس کی آنکھیں سننے کی کوشش کرتا اور یہ آنکھ مچولی اس وقت تک جاری رہتی جب تک نیند نہ آ جاتی۔



وہ اس سے دور جا کر بھی اس کی زندگی سے نہیں نکلی تھی، جیسی تو اماں کی اتنی منتوں کے باوجود وہ ابھی تک شادی پر آمادہ نہیں ہوا تھا جبکہ عمیر اب اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر صبح شام اماں کے کبھی کندھے، کبھی سر، کبھی ٹانگیں دبا کر خوشامد کرتا کہ اگر بڑے بھائی شادی کیلئے تیار نہیں ہیں تو اس کی کر دیں۔

اس وقت بھی وہ اسی نیت سے اماں کے کندھے دبا رہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر

بولیں۔

میں ہرگز بھی سمیر سے پہلے تمہاری شادی نہیں کروں گی وہ بڑا ہے پہلے اس کی ہوگی۔
یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ پہلے بڑے کی ضروری ہے۔ عمیر نے باقاعدہ احتجاج
شروع کیا لیکن اماں نے کوئی توجہ نہیں دی بڑے آرام سے بولیں۔
اصول کی بات ہے۔

اچھا اصول ہے اور جو بڑا بھائی ساری عمر کنوارہ رہنے کی قسم کھائے بیٹھا ہو تب۔
کیوں وہ ایسی قسم کیوں کھانے لگا، اماں نے تنک کر کہا تو وہ سچ بول ہی نہیں سکا بلکہ
دامن بچا گیا۔

مجھے کیا پتہ پھر اسے آتے دیکھ کر کہنے لگا لیجئے آگئے بڑے بھائی، پوچھئے ان سے کہ
کیوں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی کنوارہ مارنے پر تلے ہیں۔
کیا بک رہے ہو کوئی اچھی بات منہ سے نہیں نکال سکتے تو خاموش رہا کرو۔ اماں نے
عمیر کو ڈانٹا پھر اس پر خفا ہونے لگیں۔

تم چھٹی کے دن بھی گھر پر نہیں نکلتے کہاں رہے سارا دن۔
کہیں کام سے ہی گئے ہوں گے اب اس عمر میں آوارہ گردی کرنے سے تو رہے۔
عمیر فوراً اس کی طرف داری میں بول پڑا اور وہ چیخا۔

اس عمر میں سے کیا مطلب ہے تمہارا کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔
دیکھو اماں باری باری دونوں کو دیکھ کر وارننگ کے انداز میں بولیں۔
اب تم دونوں فضول کی باتیں مت شروع کر دو چلو بیٹھو سمیر مجھے تم سے کچھ بات کرنی
ہے۔

جی وہ کرسی کھینچ کر بیٹھا تو اماں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اشارے سے عمیر سے
پوچھنے لگا کہ کیا بات ہے اور عمیر کو اندازہ تو تھا پھر بھی کندھے اچکا کر لائے کا اظہار کیا تب وہ
اماں کو دیکھ کر بولا۔

جی اماں کیا کہہ رہی ہیں آپ۔

میں یہ کہہ رہی ہوں کہ عمیر بھی اب ماشاء اللہ کمانے لگا ہے، تم شادی کیلئے ہامی بھرتو پھر میں دونوں کی بات چلاؤں۔

ماں نے بہت ملائم لہجے میں کہا تو وہ جو آگے جبک کر توجہ سے ان کی بات سننے لگا تھا فوراً پیچھے ہٹ کر کرسی کی بیک سے ٹیک لگالی اور اماں پر سے نظریں ہٹا کر کچھ سوچتے ہوئے انداز میں عمیر کو دیکھنے لگا تو وہ مسکین سی شکل بنا کر عاجزی سے بولا۔

بھائی کچھ میرا ہی خیال کر لیں، اپنی قسم توڑیں یا اماں کی۔

اماں کی وہ سمجھا نہیں۔

جناب، اماں بھی قسم کھائے بیٹھی ہیں کہ آپ سے پہلے میری شادی نہیں کریں گی۔ عمیر نے روٹھے لہجے میں بتایا تو وہ اماں کو دیکھنے لگا۔

کیوں اماں یہ تو زیادتی ہے۔ جب عمیر جی جان سے تیار ہے تو پھر آپ۔۔۔۔۔

بس، اماں اس کی بات روک کر کہنے لگیں، تم عمیر کو چھوڑو اپنی بات کرو۔ تمہاری خالہ کے کتنے خط آچکے ہیں آخر وہ کب تک لڑکی کو بٹھائے رکھیں گی۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔

اس نئی بات نے اسے ناصر ف چونکا یا بلکہ وہ ٹھٹھک بھی گیا۔

آپ نے خالہ کے ہاں میری بات کب چلائی۔

اب کی بات نہیں ہے، بہت پہلے میں نے اس سے کہا تھا، اس وقت جب ٹریا میٹرک میں پڑھتی تھی اور اب تو اسے چودہ جماعت پاس کئے سال ہو گیا ہے۔ اماں کے اس انکشاف پر وہ کتنی دیر سناٹے میں بیٹھا رہا، تبھی اسے عمیر کی آواز سنائی دے وہ اماں سے کہہ رہا تھا۔

آپ نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا اماں۔

کیا ذکر کرتی، بیچ میں وہ لڑکی آگئی تھی، ان کا اشارہ شہلا کی طرف تھا۔

میں نے سوچا چلو عمیر کو یہ پسند ہے تو میں تمہاری خالہ سے کوئی بہانہ کر دوں گی لیکن اس

کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہی ہوگی مجھے لگتا ہے سیر کا جوڑ ثریا ہی کے ساتھ لکھا ہے، جیسی تو۔

بس کریں اماں! اسے جیسے اچانک گویائی مل گئی۔ آپ نے اگر خالہ کو کوئی آس دلائی ہے تو اب خود ہی انہیں منع کر دیں مجھے نہیں کرنی شادی۔
کیوں کیا ساری عمر ایسے ہی پھرتے رہو گے۔ اماں نے تنک کر کہا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھ کر جانے لگا کہ عمیر پکار کر بولا۔

بھائی میرا مسئلہ تو وہیں رہ گیا، وہ ان سنی کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

شاید وہ کچھ خود غرض ہو گیا تھا، اماں کا خیال نہ عمیر کا بس اپنے بارے میں سوچنے لگا تھا اور اس نے شادی نہ کرنے کی قسم تو نہیں کھائی تھی البتہ اپنے آپ سے ضد باندھ بیٹھا تھا کہ جب تک شہلا سے مل کر اپنے رجحان کی بجائے جانے کا سبب نہیں پوچھ لے گا، شادی نہیں کرے گا اور وہ پتہ نہیں کہاں تھی، جانے اس شہر میں یا کہیں اور اپنا کوئی پتہ نشان بھی تو نہیں چھوڑ گئی تھی۔



اس رات کتنی دیر تک اسے نیند نہیں آئی، عجیب بے قراری تھی، کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گیا تو اٹھ کر لائٹ آن کی پھر سگریٹ سلگاتا ہوا کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا، سیاہ آسمان پر پورا چاند جگمگاتے ستاروں کے ساتھ آنکھ پھولی کھیلتا ہوا بہت دیر دیر اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اس منظر کی دلکشی میں کھویا رہا پھر ریک پر سے ایک کتاب اٹھا کر ایزی چیئر پر آ بیٹھا۔

اتنے خواب کہاں رکھوں گا، اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی پھر وہ صفحے پلٹتا گیا شاید اس کا دھیان کہیں اور تھا اور ایسے ہی بھٹکتے ہوئے ذہن کے ساتھ ایک جگہ اس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

تمہارا نام کچھ ایسے میرے ہونٹوں پر کھلتا ہے

اندھیری رات میں جیسے
 اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے باہر جھانکتا ہے
 اور سارے منظروں میں روشنی سی پھیل جاتی ہے
 کلی جیسے لرزتی اوس کے قطرے پہن کر مسکراتی ہے
 بدلتی رت، کسی مانوس سی آہٹ کی ڈالی لے کے چلتی ہے
 تو خوشبو باغ کی دیوار سے روکے نہیں رکتی
 اسی خوشبو کے دھاگے سے میرا ہر چاک سلتا ہے
 تمہارے نام کا تارا میری سانسوں میں کھلتا ہے
 اس نے گہری سانس کے ساتھ سرکری کی بیک پر رکھ لیا اور خالی خالی نظروں سے
 چھت کو گھورنے لگا، ہٹکتا ہوا ذہن دھیرے دھیرے ایک مرکز پر ٹھہر گیا تب اس نے صفحہ
 پلٹا۔

تمہیں میں دیکھتا ہوں جب سفر کی شام سے پہلے
 کسی ابھی ہوئی گناہ سی چٹا کے جادو میں
 کسی سوچے ہوئے بے نام سے لمحے کی خوشبو میں
 کسی موسم کے دامن میں، کسی خواہش کے پہلو میں
 تو اس خوش رنگ منظر میں تمہاری ایدہ کا راستہ
 نجانے کس طرف سے پھوٹتا ہے
 اور پھر ایسے میری ہر راہ کے ہم راہ چلتا ہے
 کہ آنکھوں میں ستاروں کی گزر گاہیں سی بنتی ہیں
 دھنک کی کہکشا میں سی
 تمہارے نام کے ان خوشنما حرفوں میں ڈھلتی ہیں
 کہ جن کے لمس سے ہونٹوں پر جگنو رقص کرتے ہیں

تمہارے خواب کا شتہ میری نیندوں سے ملتا ہے

تو دل آباد ہوتا ہے

میرا ہر چاک سلتا ہے

تمہارے نام کا تارا میری راتوں میں کھلتا ہے

اور یہی سچ تھا، کوئی رات ایسی نہیں گزری تھی جب اس کے نام کے تارے سے اس نے اپنے تصور کو جگمگایا نہ ہو لیکن جب اگلے روز عمیر نے اس سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا۔
نہیں یار مجھے تو اس لڑکی کی شکل بھی یاد نہیں رہی، میں بھلا اس کیلئے کیوں جوگ لوں گا۔

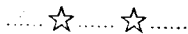
پھر آپ شادی سے کیوں منع کر رہے ہیں۔

شادی سے منع نہیں کر رہا، بس فی الحال نہیں کرنا چاہتا۔ جب اپنی پسند کی لڑکی ملے گی، فوراً کر لوں گا۔

یہ بات آپ نے اماں کے سامنے کیوں نہیں کہی تھی، عمیر اس سے خاصا شاکہ ہو رہا تھا۔

ماں کے سامنے اگر کہتا تو وہ ثریا کی خوبیاں گنوانے بیٹھ جاتیں، تم بتاؤ کیا مجھے ثریا سے شادی کرنی چاہئے۔

اس نے جس طرح مسکرا کر پوچھا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد عمیر بھی اسی طرح مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔



پھر اس کی طرف سے مایوس ہو کر اماں نے اپنا اصول توڑ دیا یعنی وہ عمیر کی شادی کرنے پر آمادہ ہو گئیں اور گو کہ عمیر اس سے زیادہ تیز اور شوخ تھا لیکن جب شادی کی بات آئی تو اس نے سارا اختیار اماں کو سونپا دیا، کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے جس اولاد پر زیادہ بھروسہ ہو وہی دغا دے جاتی ہے۔

اماں واقعی حیران تھیں کیونکہ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ عمیر جو شادی کر رہا ہے تو یقیناً وہ اپنے لئے لڑکی پسند کر چکا ہے لیکن اس معاملے میں وہ بالکل صفر تھا اور اب اماں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہاں اس کی بات چلائیں۔ اپنے سسرال والوں سے کبھی انہوں نے بنا کر نہیں رکھی تھی اور یہی حال محلے کا تھا۔ بھلا کون انہیں لڑکی دیتا بلاشبہ ان کے بیٹے نیک، شریف اور لائق تھے اور ایسے بیٹوں کی ماں اب سر پکڑے بیٹھی تھیں، کس کے دروازے پر اور کیا منہ لے کر جائیں۔

اس وقت جب دوسروں کی بیٹیوں پر بہتان لگائے تھے تب یہ نہیں سوچا تھا کہ کبھی اپنے بیٹوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں۔ اس وقت تو عالم یہ تھا کہ ذرا کوئی لڑکی ہنس کر بات کر لیتی تو انکی چھٹی حس الارم بجانے لگتی کہ ضرور اس کی نیت میرے لڑکے پر ہے، بس فوراً دروازہ بند کر لیتیں اور اب سارے بند دروازے ان کا منہ چڑا رہے تھے۔

لگتا ہے اماں آپ کو میری شادی سے کوئی دلچسپی نہیں، عمیر کو جب کوئی سرگرمی نظر نہیں آئی تو ٹوک ہی دیا۔

کہاں کروں میں تمہاری شادی بتاؤ، وہ پہلے بھی پریشان تھیں خواہ مخواہ اس پر بگڑ گئیں۔

لیجئے اب یہ بھی میں بتاؤں۔

کیوں آخر میرے بھی تو بتایا تھا۔

تو کون سا ان کی وہاں شادی ہو گئی تھی، عمیر نے برابر سے جواب دے کر انہیں ایک دم خاموش کر دیا پھر احساس ہونے پر ان کے گلے میں بازو ڈال کر بولا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے اماں آپ نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی۔

ہا۔۔۔ آں۔ اماں نے ہاں کی صورت لمبی سانس کھینچی۔

تو میرے لئے بھی کوشش کریں ناں، کہیں آئیں گی جائیں گی تب تو بات بنے گی۔

اماں بس سر ہلا کر رہ گئیں۔ اس سے یہ نہیں کہہ سکیں کہ ان کی ہمت ہی نہیں ہوتی کسی کے دروازے پر جانے کی اور پتہ نہیں عمیر ان کی بے بسی سمجھ رہا تھا یا نہیں لیکن وہ ضرور سمجھ گیا پھر

بھی اس نے کچھ جنمایا نہیں کیونکہ وہ بہر حال اس کی ماں تھیں اور وہ انہیں اپنے سامنے شرمندہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہی بہت تھا کہ انہیں احساس ہو گیا تھا گو کہ دیر سے ہوا تھا پھر بھی اس کے خیال میں ابھی بہت دیر نہیں ہوئی تھی، کبھی مطمئن سا ہو کر وہاں سے اٹھ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر ڈریس چینج کیا پھر اسی وقت سونے کیلئے لیٹ گیا کیونکہ ان دنوں آفس میں کام کی زیادتی کے باعث صبح اسے بہت جلدی جانا ہوتا تھا، اس لئے وہ رات میں جلدی سونے کی کوشش کرتا تا کہ صبح جلدی اٹھ سکے لیکن اس وقت باوجود کوشش کے اسے نیند نہیں آئی کیونکہ ابھی اماں اور عمیر اپنی باتوں میں اچانک اور شاید انجانے میں اس کے زخموں کو چھیڑ گئے تھے۔

آخر عمیر نے بھی تو بتایا تھا۔

تو کون سا ان کی وہاں شادی ہو گئی اور اسے صرف نار سائی کا دکھ نہیں تھا، اس سے زیادہ اپنے رنجیکٹ ہونے کا خیال اسے بے چین رکھتا تھا۔

ایک بار صرف ایک بار مل جاؤ شہلا۔ رات کے پچھلے پہر جب اس کی آنکھ لگی اس وقت تک وہ بڑی شدت سے اس کے ملنے کی آرزو کرتا رہا تھا۔

☆.....☆.....

صبح اماں کے جھنجھوڑنے پر ہی اس کی آنکھ کھلی تو گھڑی پر نظر پڑتے ہی وہ بڑبڑا کر اٹھ گیا، رات کے پچھلے پہر سویا تھا ظاہر ہے نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ نہانے کے بعد بھی سر بھاری رہا، آنکھیں بھی بوجھل اور سرخ ہو رہی تھیں۔ ناشتہ کرنے کا وقت نہیں تھا، اماں کے بہت اصرار پر بس کھڑے کھڑے چائے پی کر نکل گیا۔

پھر آفس میں کام کے دوران وہ بار بار چائے منگوا کر پیتا رہا کیونکہ وقفے وقفے سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگتی تھیں۔ لُنج ٹائم تک وہ پانچ چھ کپ پی چکا تھا، کھانے کے بعد بھی اس نے فوراً چائے منگوالی اور ابھی پہلا کپ لیا تھا کہ چوکیدار نے ایک چٹ اس کے سامنے رکھ دی، وہ یہی بھابھاس کا کوئی پیغام ہوگا، فوراً کپ رکھ کر چٹ اٹھالی۔

زیادہ چائے صحت کیلئے مضر ہے۔

ارے! اس نے حیران ہو کر چوکیدار کو دیکھنا چاہا لیکن وہ جاچکا تھا، تب اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی آخری سرے پر یوں ٹھہریں کہ ہٹنا بھول گئیں۔ بلاشبہ وہ شہلا تھی لیکن سارے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کتنی دیر گرم سم بیٹھا اسے دیکھتا رہا اور وہ اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کرنے کے باوجود براہ راست اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی بلکہ یوں دیکھا جیسے کبھی شناسائی تھی ہی نہیں اور اس اجنبی انداز پر اس کے دل پر ایک اور چوٹ پڑی تھی۔

میرے خدا۔

دل میں اٹھتی درد کی لہر نے اسے دہرا کر دیا۔

کوئی دن ایسا نہیں گزر راجب میں نے اسے یاد نہ کیا ہوا بھی رات ہی میں کس شدت سے اس سے ملنے کی آرزو کر رہا تھا آرزوئیں یوں بھی پوری ہوتی ہیں۔

بہت مشکل تھا اب اس کا کام کرنا، بس فائلوں کے صفحے ہی پلٹتا رہا کیونکہ ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا، کبھی سوچتا اس سے اپنے رنجوں کا حساب لے اور کبھی اس کی ذات میں الجھنے لگتا کہ راحیل سے شادی کر کے وہ خوش بھی ہے یا نہیں۔

اور اس کی خوشی کا سوچتے ہوئے درز دیدہ نظروں سے اسے دیکھتا لیکن اس کے سپاٹ چہرے پر کوئی تاثر نہیں ملا۔ خوشی کا نہ غم کا بلکہ وہ اپنے گرد ایسا حصار کھینچے بیٹھی تھی کہ وہ چاہتا بھی تو کسی تعلق یا شناسائی کے حوالے سے بے تکلفی سے اسے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ جیسی آف ٹائم میں وہ دل پر بوجھ لئے چپ چاپ آفس سے نکل آیا اور ابھی جیبوں میں بایک کی چابی تلاش کر رہا تھا کہ قریب سے گزرتے ہوئے وہ اچانک قدم روک کر پوچھنے لگی۔

کیسے ہیں آپ؟ شرٹ کی اوپری جیب پر حرکت کرتا ہوا اس کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا اور اسے دیکھ کر بولا۔

آپ کیسی ہیں؟

ٹھیک ہوں کیا آپ گھر جا رہے ہیں؟

ظاہر ہے آفس کے بعد گھر ہی جانا ہوتا ہے۔

اس نے بھی لیا دیا انداز اختیار کیا تو وہ ایک لمحہ توقف سے بولی۔

اور وہ جن کا گھر نہیں ہوتا وہ کہا جاتے ہیں؟

پتہ نہیں۔

اس نے اندر ہی اندر حیران ہوتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا پھر قدرے چپتے ہوئے

لہجے میں بولا۔

ویسے آپ کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ تو گھر والی ہیں۔

گھر والی وہ تا سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگی تو ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

میرا مطلب ہے آپ بے گھر تو نہیں ہیں ناں اور ہاں آپ کے والد صاحب کیسے

ہیں؟

ٹھیک ہیں۔

اور راحیل صاحب۔

راحیل اس نے سوچتے ہوئے انداز میں دہرایا پھر تعجب کا اظہار کیا ارے آپ کو تو نام

بھی یاد ہے۔

مجھے سب یاد ہے اس کے لہجے میں اچانک جذبات کی شدتیں سمٹ آئیں اور

آنکھوں میں گئے دنوں کا خمار تو وہ جلدی سے نظریں چرا کر بولی۔

میں چلتی ہوں اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئی تو وہ چپ چاپ اسے جاتے ہوئے

دیکھنے لگا اور جب وہ بس میں سوار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تب تا صرف وہ چونکا بلکہ

حیران بھی ہوا کہ اتنی دیر تک وہ اس کے ساتھ صرف رسی باتیں کرتا رہا ہے اور وہ اصل بات

جس کیلئے اس سے ملنے کی شدید آرزو تھی وہ تو بھول ہی گیا۔

خیر اب تو روز ملاقات رہے گی، گہری سانس کے ساتھ سوچتے ہوئے اس نے ہائیک

اشارت کی اور پارکنگ سے نکلے ہی پوری اسپید پر چھوڑ دی۔

اس وقت اس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی، خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آیا وہ خوش ہے یا ناخوش اور اگر خوش ہے تو کس بات پر، صرف اسے دیکھ کر جو اس کی زندگی کو ایک خوبصورت موڑ دے کر پھر اسے اکیلا چھوڑ گئی تھی اور وہ اب تک بھٹک رہا تھا، اسی نا سمجھ میں آنے والی کیفیت میں وہ گھر آیا تو خلاف معمول اماں کو بستر میں لیٹے دیکھ کر وہ خاصا متحش سا ان کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

کیا ہوا اماں طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی۔

ہاں، اماں کراہ کر رہ گئیں، تب ابا اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

یہ برآمدے کا فرش دھوتے ہوئے پھسل گئی ہیں، وہ تو اچھا ہوا عمیر اس وقت گھر پر تھا ورنہ سارا دن وہیں تکلیف میں پڑی رہتیں۔

زیادہ چوٹ تو نہیں لیگ، ڈاکٹر کو بلایا آپ نے۔

وہ واقعی پریشان ہو گیا۔

ہاں ڈاکٹر دیکھ گیا ہے، اللہ کا شکر ہے کوئی زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔ پتہ نہیں ابا

ٹھیک کہہ رہے تھے یا اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ وہ اماں کے پاس آ بیٹھا اور ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

کیوں کرتی ہیں اماں آپ ایسے کام، کیا ضرورت تھی فرش دھونے کی۔ اماں خاموش رہیں تو پوچھنے لگا۔

کہیں ہڈی وغیرہ پر تو چوٹ نہیں لگی، کیا کہہ رہا تھا ڈاکٹر۔

ڈاکٹر کہہ رہا تھا احتیاطاً یکسرے کروالیں۔ عمیر سنتا ہوا آ گیا اور اس نے جواب دیا تو

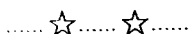
وہ پلٹ کر اسے دیکھتا ہوا بولا۔

پھر میرا مطلب ہے ابھی لے چلتے ہیں۔

اماں سے پوچھیں یہ ہی منع کر رہی ہیں۔

کیوں اماں؟

میں چل نہیں سکتی، اماں نے اپنی مجبوری بتائی تو عمیر سر پیٹ کر بولا۔
 اس وجہ سے منع کر رہی تھیں آپ، ارے اماں آپ کو چلنے کون دے گا۔
 اچھا جاؤ ٹیکسی لے آؤ وہ فوراً اٹھتا ہوا بولا تو اماں اسے روک کر کہنیل گئیں۔
 بیٹا! ابھی تو تم تھکے ہوئے آئے ہو کچھ دیر آرام کر لیتے۔
 کوئی ایسی تھکن نہیں ہے ابھی منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤں گا۔ وہ کہتا ہوا اپنے
 کمرے میں آ گیا۔



اماں کی ٹانگ میں معمولی سا فریکچر ہوا تھا اور کیونکہ گھر میں کوئی دیکھ بھال کرنے والا
 نہیں تھا۔ ابا، عمیر اور وہ صبح کے گئے شام میں آتے تھے اس لئے اس نے اماں کو ایک
 پرائیویٹ ہسپتال میں ایڈمٹ کرا دیا تاکہ بہتر دیکھ بھال سے وہ جلد چلنے پھرنے کے قابل
 ہو سکیں اور رات میں اس نے عمیر کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ اماں کے پاس رہے گا جبکہ گھر میں ابا
 اور اپنے لئے ناشتے اور رات کے کھانے پکانے کی ذمہ داری اس نے خود سنبھال لی اور
 کھانے میں وہ صرف انڈے یا پھر آلو کا سالن بنا سکتا تھا۔

بہر حال جیسے تیسے یہ وقت تو کاٹنا ہی تھا اور اسی وقت ابا نے اسے احساس دلایا کہ گھر
 میں ایک اور عورت کا ہونا کتنا ضروری ہے ان کا اشارہ اس کی شادی کی طرف تھا اور وہ سمجھ کر
 کہنے لگا۔

آپ ہی سنجیدہ نہیں ہوتے ابا ورنہ عمیر تو کب سے شادی کا کہہ رہا ہے۔
 عمیر کہہ رہا ہے اور تم ابا نے پہلی بار براہ راست اسے ٹوکا تو وہ کچھ شٹا گیا۔
 میں۔۔۔۔۔ ہاں میں بھی کر لوں گا پہلے آپ عمیر کی تو کریں۔
 وہ چھوٹا ہے تم سے۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے فوراً کہا پھر قدرے توقف سے سوچ کر کہنے

ابا آپ چھوٹے چچا کے ہاں کیوں نہیں جاتے، ان کی بیٹی فرزانہ اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ عمیر کی بات چلائیں۔

ہاں خیال تو مجھے بھی آیا تھا لیکن تمہاری ماں۔

پرسوج انداز میں کہتے ہوئے ابا جانے کیوں خاموش ہو گئے، وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

اماں کی فکر نہیں کریں، انہیں میں راضی کر لوں گا البتہ چچی جان کو راضی کرنا آپ کا کام ہے۔

لیکن بیٹا یہ رشتے ناٹے طے کرنا تو عورتوں کا کام ہے۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے، بس آپ بات چلائیں۔ جب اماں ہاسپٹل سے آئیں گی تب انہیں بھی لے جائیے گا۔ اباشش و بیچ میں تھے لیکن وہ انہیں قائل کر کے ہی اٹھا تھا۔

☆.....☆.....

صبح اسے بہت جلدی اٹھنا پڑا کیونکہ ناشتہ خود بنانا تھا اور جب وہ ناشتہ بنا رہا تھا اسی وقت عمیر آ گیا پھر تینوں نے ایک ساتھ ناشتہ کیا، اس کے بعد سب سے پہلے وہ آفس کے لیے نکلا تو ابا کو آج ہی کی تاریخ میں چچا کے گھر جانے کی تاکید کرنا آیا تھا۔

گوکہ کل شام سے اب تک اسے کچھ اور سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی پھر بھی آفس میں اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی اس کی نظروں نے سب سے پہلے اسے کھوجا لیکن وہ اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی، پتہ نہیں ابھی تک آئی نہیں تھی یا کہیں ادھر ادھر تھی۔ وہ بہر حال بے چین ہو گیا، کبھی گھڑی دیکھتا، کبھی گلاس ڈور سے باہر دور تک نظریں دوڑاتا۔

اوں ہوں سمیر ربانی تمہیں کیا۔۔۔؟ دل کے ٹوکے پر اس نے یونہی ذرا سا سر جھٹکا تھا، تبھی وہ دور سے آتی نظر آئی۔ اس کے قدموں کی رفتار بہت تیز تھی اور جیسے ہی وہ گلاس ڈور سے اندر داخل ہونے لگی وہ فوراً فائل کھول کر اس میں مصروف ہو گیا لیکن سارا دھیان اسی کی طرف تھا اور پہلی بار یہ خیال آیا کہ وہ جاب کیوں کر رہی ہے، ضرور تیا یونہی وقت

گزاری کیلئے۔ پھر اس کا جواب وہ اس کے چہرے پر تلاش کرنے لگا تو کل کی طرح پھر الجھ گیا کیونکہ اس کا چہرہ بالکل سیاٹ تھا۔

پتہ نہیں وہ اپنے احساسات چھپانے میں اتنی ماہر ہو گئی تھی یا وقت نے اسے ہر احساس سے عاری کر دیا تھا؟ وہ سمجھ نہیں سکا تو سوچا آف ٹائم میں جب وہ باہر نکلے گی تب اس سے پوچھے گا لیکن اسے موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اس سے پہلے ہی اسے آؤٹ ڈور جانا پڑا اور پھر وہیں سے وہ اماں کے پاس چلا آیا۔ ان کا حال احوال پوچھا اور وہ جو خاصی فکر مند تھیں کہ گھر میں کھانے ناشتے کا کیا انتظام ہوگا تو اپنی طرف سے انہیں پورا اطمینان دلایا۔

تبھی ابا اور عمیر ایک ساتھ آگئے تو کچھ دیر کے لئے بالکل گھر کا سا ماحول بن گیا تھا، اسی دوران ابا کے اشارے پر اس نے فرزانہ کا ذکر چھیڑ دیا اور اماں کا رد عمل دیکھنے کیلئے ابا سے کہا کہ وہ عمیر کا رشتہ لیکر جائیں تو خلاف توقع اماں خوش ہو کر بولیں۔

ہاں فرزانہ مجھے بھی پسند ہے، آپ ضرور جائیں۔ ابا نے حیران ہو کر پہلے اسے دیکھا پھر اماں سے کہنے لگے۔

میں کیلا کیسے جاؤں تم ٹھیک ہو جاؤ پھر اکٹھے چلیں گے۔

میرے ٹھیک ہونے میں بہت دن لگیں گے آپ جا کر بات تو چھیڑیں۔ اماں نے کہا تو وہ انکی تائید کرتا ہوا بولا۔

ہاں ابا، نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے، چلیں میں اور آپ ابھی چلتے ہیں۔

ہائیں، یہ تمہیں اتنی جلدی کیا ہے۔

کھانا جو پکانا پڑ رہا ہے بھائی کو، عمیر فوراً بولا تو وہ ہنس پڑا پھر اسی وقت ابا کو لیکر چل

پڑا۔

اور اماں تو خود یہی چاہتی تھیں کہ جلد کہیں عمیر کی بات طے ہو اور وہ اس کی شادی کریں اور اب تو وہ عمیر کیلئے بھی خاصی فکر مند تھیں۔ پتہ نہیں اس نے اپنے بارے میں کیا سوچ رکھا تھا جو شادی کیلئے ہامی ہی نہیں بھر رہا تھا حالانکہ اماں اتنی بے خبر نہیں تھیں، جانتی تھیں

کہ وہ ابھی تک اس لڑکی کے سحر سے نہیں نکل سکا اور اسے اب وہ کہاں ڈھونڈیں اگر وہ مل بھی گئی تو کیا کہیں گی اس سے۔



اگلے روز چچا اور چچی اماں کی عیادت کو آگئے وہ آفس سے سیدھا اماں کے پاس آیا تو چچا چچی کو ان کے پاس بیٹھے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ ساتھ ہی عمیر کو آنکھ مار کر اشارہ بھی کیا جس کا مطلب تھا تمہارا کام ہو گیا حالانکہ کل جب وہ ابا کے ساتھ گیا تھا تو اس وقت چچا نے کوئی امید افزا جواب نہیں دیا تھا لیکن اب ان کا آنا اس بات کا غماز تھا کہ وہ مایوس نہیں کریں گے پھر جب وہ جانے لگے تو انہوں نے ان سے اپنے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔

کھانے وغیرہ کی تکلیف ہوگی آپ کو جب تک بھابی جان یہاں ہیں آپ ہمارے ہاں آ جایا کریں۔

چچی نے کہا تو عمیر بھی ساتھ جانے کو تیار ہو گیا اور اس سے سرگوشی میں بولا۔

بھائی آج آپ یہیں رک جائیں مجھے جانے دیں۔

ایک شرط پر۔

وہ مسکرا ہٹ ہونٹوں میں دبا کر بولا۔

وہ کیا۔

تم سیدھے گھر جاؤ گے اس نے کہا تو عمیر بے اختیار چیخ پڑا۔

کیا۔

ہائیں یہ تمہیں کیا ہوا ابا کے ساتھ چچا چچی نے بھی عمیر کو دیکھا تو وہ بری طرح شٹا گیا۔

کچھ نہیں ابا وہ۔۔۔۔۔ تب وہ بات بناتا ہوا کہنے لگا۔

ابا میں اس سے کہہ رہا ہوں کہ آج مجھے اماں کے پاس رہنے دو یہ اسی پر احتجاج کر رہا

ہے۔

نہیں نہیں، میں بالکل احتجاج نہیں کر رہا۔ آپ شوق سے رہیں، چلیں ابا ہم چلتے ہیں۔
 عمیر کو موقع مل گیا فوراً ابا کے بازو میں بازو ڈال کر چلنے کے لئے تیار ہو گیا تو چچی کہنے لگیں۔
 لیکن پہلے ہمارے ہاں چلنا ہے۔

آپ کے ہاں کیوں؟ عمیر کے انجان بننے پر اسے بے ساختہ ہنس آئی جسے چھپانے
 کیلئے وہ فوراً دوسری طرف گھوم گیا پھر ان سب کے جانے کے بعد اطمینان سے اماں کے
 پاس بیٹھا تو پوچھنے لگا۔

کچھ کہہ رہے تھے چچا۔

نہیں ابھی تو بس طبیعت کا ہی پوچھتے رہے اور یہ کہ گھر کب جاؤں گی۔
 چلیں اب آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پھر عمیر کی شادی کرتے ہیں۔
 اماں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ سمجھ گیا اس کے بارے میں سوچیں گی ہیں تب وہ
 پھل وغیرہ لانے کے بہانے باہر نکل کر آیا تو پہلے ڈاکٹر سے مل کر اماں کی رپورٹ لی اس
 کے بعد گیٹ تک آیا تھا کہ شہلا کو دیکھ کر ٹھنک گیا۔ وہ ٹفن ہاتھ میں لئے اندر آ رہی تھی۔ اسے
 سامنے دیکھ کر وہ بھی تا صفر چونکی بلکہ بلا ارادہ رک بھی گئی تو وہ بس اسی قدر کہہ سکا۔

آپ۔

وہ۔۔۔۔۔ میرے قادر یہاں ایڈمٹ ہیں وہ بہت سنبھل کر بولی تو اس نے حیران ہو
 کر یونہی اپنے پیچھے دیکھا پھر اسے دیکھ کر بولا۔

آپ نے بتایا نہیں۔

بتا تو رہی ہوں۔

نہیں میرا مطلب ہے اس روز۔۔۔۔۔ پھر فوراً اس بات سے ہٹ کر پوچھنے لگا کیا ہوا

ہے انہیں؟

گردے میں تکلیف ہے ایک دو روز میں آپریشن ہونے والا ہے۔

اوہ اور ان کے پاس کون ہے۔

میں، میرا مطلب ہے دن میں تو کوئی نہیں ہوتا، اس وقت میں آ جاتی ہوں۔
کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں۔

آپ کی مرضی، اس نے ہاں یا نہ میں جواب دینے کی بجائے اس کی مرضی پر چھوڑا تو وہ
ایک لمحہ توقف سے بولا۔

آپ چلیں میں آتا ہوں، کون سے روم میں ہیں۔
جنرل وارڈ میں۔۔۔۔۔ وہ کہہ کر آگے چل پڑی تو اس کے پیچھے جانے کی بجائے وہ
باہر نکل گیا۔

پھر پھل وغیرہ لے کر آیا تو ایک شاہر پہلے اماں کے پاس رکھا اور انہیں ابھی آیا کہہ کر
جنرل وارڈ کی طرف آیا تو وہ دروازے میں کھڑی نظر آئی، وہ اس کے ساتھ اس کے ابو کے
بیڈ تک آیا اور سلام کرنے کے ساتھ ہی مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا تو وہ اسے یوں دیکھنے لگے
جیسے پچاننے کی کوشش کر رہے ہوں تب وہ آگے آ کر بولی۔

ابو یہ سیر ہیں، کبھی ہم ان کے پڑوس میں رہتے تھے۔
اچھا ہاں، انہیں یاد آیا تو معذرت کرتے ہوئے بولے۔

معاف کرنا بیٹا میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔

اکثر لوگ مجھے نہیں پہچان پائے حالانکہ مجھ میں کوئی خاص تبدیلی تو نہیں آئی۔ اس نے
بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں اس پر جتایا پھر فوراً پوچھنے لگا۔

آپ کب سے یہاں ہیں۔

آج تیسرا دن ہے اور پتہ نہیں آپریشن کے بعد کتنے دن رہنا پڑے، جلدی چھٹی مل
جائے تو اچھا ہے۔ شہلا کو اتنی پریشانی کا سامنا ہے، آفس سے گھر پھر یہاں آنا۔ وہ بیٹی کی
پریشانی محسوس کرتے ہوئے بولے۔

کوئی نہیں ابو مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی، اسے شاید اس کے سامنے پریشانی ظاہر
کرنا اچھا نہیں لگا۔

اچھا انکل میں چلتا ہوں، کوئی ضرورت ہو تو مجھے بلا لیجئے گا میں یہیں روم نمبر 11 میں ہوں۔

اس کے غیریت برتنے پر وہ فوراً ان سے اجازت لیکر چلا آیا، تب وہ اس کے پیچھے بھاگی آئی۔

سنیں سمیرا بداری میں مڑتے ہوئے اس کے قدم رک گئے، پلٹ کر دیکھا تو وہ قریب آ کر پوچھنے لگی۔

آپ کے ساتھ کون ہے؟

کیا مطلب؟ وہ سمجھ تو گیا کہ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے پھر بھی انجان بن گیا۔

میرا مطلب ہے یہاں کون ایڈمٹ ہے۔

میری والدہ وہ بتا کر ریلنگ سے نیچے جھانکنے لگا جبکہ وہ تشویش سے پوچھ رہی تھی۔

کیا ہوا ہے انہیں؟ اس نے فوراً جواب دینے کی بجائے اس کے متوحش چہرے کو دیکھا پھر کہنے لگا۔

کوئی زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے ٹانگ میں معمولی سال فریکچر ہوا تھا اور کیونکہ گھر میں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں اس لئے انہیں یہاں ایڈمٹ کرنا پڑا۔
کیوں آپ کی مسز کہاں ہیں؟ اس نے پوچھا تو وہ حیران ہو کر بولا۔
میری مسز۔

جی، وہ اماں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتیں، اس نے کہا تب وہ سمجھ کر ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

اگر ہوتی تو ضرور کرتی۔

کیا مطلب، کہیں گئی ہوئی ہیں۔

جی نہیں، ابھی آئی ہی نہیں تو جانے کا کیا سوال۔ وہ اس کے یقین پر خواہ مخواہ چڑ گیا اور

وہ حیران ہو کر بولی۔

اس کا دل چاہا وہ یہاں سے کہیں بہت دور چلا جائے اس سے پہلے کہ شہلا کو حقیقت

معلوم ہو رہا تھا کہ کسی اس کا سامنا نہیں کر سکے گا۔

سمیر! اس طرح کیوں بیٹھے ہو بیٹا۔

ماں نے تشویش سے پوچھا تو وہ ذرا سا چونکا لیکن ان کی طرف دیکھا نہیں کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ انہیں دیکھتے ہی وہ پھٹ پڑے گا، یونہی سر جھکائے ہوئے کھڑا ہوا اور بمشکل آواز پر بکا بپا کر لولا۔

میں گھر جا رہا ہوں اماں، عمیر کو بھیج دوں گا اور اماں کے ٹوکنے روکنے سے پہلے ہی باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....

گھر آ کر اس نے عمیر سے اچانک طبیعت خراب ہو جانے کا بہانہ کیا اور اسے بھیج کر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا، یہ بھی نہیں دیکھا کہ ابا سوچکے ہیں یا ابھی جاگ رہے ہیں۔ حقیقتاً اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ خیال تھا تو صرف اس لڑکی کا جو دور جا کر بھی ہمیشہ سارے خود سے قریب محسوس ہوئی تھی اور اب قریب آ کر بہت دور لگ رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ درمیان میں اماں نے جو ایک دیوار کھڑی کر دی ہے اسے وہ کیسے گرائے کہ اس کی نظروں میں اماں کا وقار مجروح نہ ہو۔

گو کہ ماں نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا، اس کے باوجود اسے ان کا خیال تھا اور وہ شہلا کے سامنے بھی انہیں شرمندہ ہونے نہیں دیکھ سکتا تھا ورنہ اسی وقت ان سے پوچھتا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا لیکن وہ خاموشی سے چلا آیا اور اس خاموشی کے اندر کتنے طوفان تھے یہ وہی جانتا تھا۔ تمام رات خود سے لڑتا رہا، صبح کے قریب جا کر کہیں آنکھ لگی تھی۔

بھر جب سو کر اٹھا تو کافی دن چڑھ آیا تھا، پتہ نہیں ابانے اسے اٹھایا نہیں یا کوشش کر کے مجھے تھے۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ بہر حال آفس کا وقت نکل چکا تھا، اس لئے وہ دیر تک ٹھہر لیتا رہا پھر آ کر اپنے لئے چائے بنائی اور برآمدے میں آ کر بیٹھ کر پینے لگا۔ ذہن ابھی بھی سوچوں میں خالی نہیں تھا لیکن رات والی کیفیت بھی نہیں تھی۔ کافی حد تک پرسکون

ہو چکا تھا۔

چائے پینے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھا رہا، اصل میں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرنے، باہر کہیں جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن جب بھوک لگنے لگی تب مجبوراً اسے باہر نکلتا پڑا کیونکہ کچن میں صرف ڈبل روٹی نظر آئی تھی ان دنوں وہ صرف دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔

ایک ریستورنٹ میں جا کر اس نے کھانا کھایا اور وہیں سے اماں کیلئے چکن پیک کروا کر ہاسپٹل چلا آیا۔

تمہاری طبیعت کیسی ہے، اماں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تو وہ قصداً مسکرا کر بولا۔
کوئی زیادہ طبیعت خراب نہیں تھی اماں بس سر میں درد تھا اور حکن ہو رہی تھی اب بالکل ٹھیک ہوں۔
آفس نہیں گئے آج۔

نہیں آ نکھ نہیں کھلی لیجئے آپ یہ کھائیے۔ اس نے پکٹ کھول کر ان کے قریب رکھا پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تو اماں کہنے لگیں۔

بیٹا! میں یہاں بہت گھبرا گئی ہوں، مجھے کمر لے چلو۔

پلاسٹر تو اترنے دیجئے پھر چلیں گے۔

پتہ نہیں کتنے دن میں اترے گا، تم بس مجھے لے چلو۔

کیسے لے چلوں؟ وہاں کون ہے سارا دن اکیلی پڑی رہیں گی کوئی ایک گلاس پانی پلانے والا نہیں ہوگا۔ وہ خواہ مخواہ چڑ گیا تو اماں آہ بھر کر بولیں۔

یہاں بھی تو اکیلی پڑی رہتی ہوں۔

لیکن کسی بات کی پریشانی تو نہیں ہوتی، کھانا پانی سب مل جاتا ہے۔ پھر ایک دن ہم بڑے

کر کہنے لگا۔

کچھ دنوں کی بات ہے اماں جیسے ہی ڈاکٹر آپ کو چلنے کی اجازت دے گا چلیں گے آپ سے زیادہ ہمیں جلدی ہے کیونکہ آپ نہیں ہیں تو گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا

اتنا سونا سونا لگتا ہے۔

اسی لئے تو جانا چاہتی ہوں، بے شک ایک کونے میں پڑی رہوں۔
کیوں کونے میں پڑی رہیں، انشاء اللہ چلیں پھریں گی اور برائے مہربانی آپ ذرا
فرش دھونے سے پرہیز کیجئے گا۔ آخر میں اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو اماں ہنسنے لگیں۔

..... ☆ ☆

پھر نہ صرف وہ شام تک اماں کے پاس رہا بلکہ رات میں بھی رک گیا، درمیان میں
ایک بار باہر کا چکر لگانے گیا تو اپنے لئے میگزین لیتا آیا تھا کیونکہ دوسری جگہ پر اسے نیند کم
آتی تھی۔ جب اماں سونے لگیں تب کچھ دیر کیلئے وہ شہلا کے ابا کے پاس آ بیٹھا، صبح ان کا
آپریشن ہونے والا تھا اور وہ تو نہیں البتہ شہلا بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی جب
وارڈ سے نکل کر وہ راہداری میں آیا تب اسے تسلی دینے لگا۔
فلک کی کوئی بات نہیں ہے، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا پھر ایک دم اسی پرانے انداز
میں بات کرنے لگا۔

تمہاری پریشانی فطری ہے لیکن کم از کم اپنے والد کے سامنے تمہیں پریشانی ظاہر نہیں
کرنی چاہئے، میری بات سمجھ رہی ہوناں۔ وہ جو اس کے لہجے پر غور کرنے لگی تھی، چونک کر
اثبات میں سر ہلانے لگی۔

آؤ کچھ دیر وہاں بیٹھتے ہیں، وہ بیچ کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا تو وہ کسی معمول کی طرح
اس کے ساتھ چل پڑی اور جب بیٹھ گئی تب وہ کہنے لگا۔

ایک بات پوچھوں برا تو نہیں مانو گی۔ وہ کچھ نہیں بولی، بس سوالیہ نظروں سے دیکھنے
لگی۔

تم نے شادی کیوں نہیں کی جبکہ تمہارے لئے اچھے پروپوزل بھی موجود تھے۔ اسے
براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو جواب میں اس نے بھی وہی بات
پوچھ لی۔

آپ نے کیوں نہیں کی جبکہ آپ کی تو بات بھی طے ہو چکی تھی، وہ بے ساختہ مسکرایا پھر

ذرا سے کندھے اچکا کر بولا۔

کیا کرتا جس کے ساتھ بات طے ہوئی اس کے ساتھ دل کا معاملہ سیٹ نہیں ہوا اور جس کے ساتھ دل کا معاملہ سیٹ ہوا وہ چھوڑ کر چلی گئی۔

کون وہ بے اختیار اسی قدر کہہ سکی اور وہ لا پرواہی سے بولا۔

تم جانتی ہو۔

نہیں میں نہیں جانتی۔ وہ اپنی جگہ پہلو بدل گئی تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو کیوں چلی گئی تھیں تم، کیا تمہیں میری محبت پر بھروسہ نہیں تھا کیوں اتنی جلدی مایوس ہو گئیں تم۔

اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپک کر اس کی گود میں گرنے لگے بجائے نرم پڑنے کے مزید سنگ کر بولا۔

میری بات کا جواب دو۔

میں مایوس نہیں ہوئی تھی آپ کی اماں نے کہا تھا کہ اگر مجھے آپ کی خوشی مطلوب ہے تو میں آپ کی زندگی سے دور چلی جاؤں۔

وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی تو اس نے پہلے ہونٹ بھیج کر اسے دیکھا پھر تاسف سے بولا۔

اگر تمہیں میری خوشی مطلوب ہوتی تو تم کبھی نہ جاتیں۔

آپ مجھے کیوں الزام دے رہے ہیں۔

اور کسے دوں وہ کسی طرح اس پر ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ اماں نے ڈبل پالیسی اختیار کی تھی۔

مجھے نہیں پتہ۔

تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تمہارے جانے سے میرے دل پر کیا قیامت ٹوٹی، کوئی دن ایسا نہیں گزرا جو۔

پلیز آپ اس طرح بات نہیں کریں۔ وہ اس کے تیز لہجے پر ٹوک کر پھر رونے لگی۔

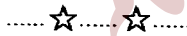
بہت آنسو جمع ہو گئے ہیں تمہارے پاس بند کرو رونا اور نہ بھییں سے اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔

اسے پتہ نہیں اس کی بات پر غصہ تھا جو مسلسل اس پر خفا ہو رہا تھا وہ جلدی جلدی آنسو صاف کرنے لگی پھر اسی طرح اٹھ کر جانے لگی کہ جلدی سے اس کے دوپٹے کا کونا پکڑ کر کھینچتا ہوا ہولا۔

سنو تم اماں کے پاس چلی جاؤ وہ رک کرنا سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا ہولا۔

اماں سو رہی ہیں انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا ان کے ساتھ دوسرا بیڈ خالی ہے تم وہاں سو جاؤ۔

نہیں میں یہاں ابو کے پاس۔
تمہارے ابو کے پاس میں ہوں وہ اس کی بات کاٹ کر کہنے لگا۔
چلو انہیں بتا کر تمہیں اماں کے کمرے میں چھوڑ آؤں۔
نہیں میں وہ منح کرتی رہ گئی لیکن وہ زبردستی پہلے اسے ابو کے پاس لے گیا پھر ان کی اجازت سے اماں کے کمرے میں چھوڑ آیا۔



صبح نو بجے اس کے ابو کا آپریشن تھا اور وہ تو پہلے ہی آفس سے چھٹی لے چکی تھی اس نے بھی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے سارا وقت اس کا دھیان ادھر ادھر کی باتوں میں لگائے رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

دو گھنٹے کے کامیاب آپریشن کے بعد جب اس کے ابو کو وارڈ میں منتقل کیا گیا تب وہ اسے بہت اطمینان دلا کہ اماں کے کمرے میں آیا تو وہ حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

تم آفس نہیں گئے۔

نہیں۔

وہ مختصر جواب دے کر تھکے تھکے انداز میں کرسی پر ڈھلے گیا تو اماں کچھ دیر تک اسے

دیکھتی رہیں پھر پوچھنے لگیں۔

رات تم کہاں تھے؟

یہیں تھا اس نے بدو حیاتی میں جواب دیا۔

اس کمرے میں تو نہیں تھے رات ایک دو بار میری آنکھ کھلی تھی اس پر بیڈ پر وہ۔۔۔۔۔

اس نے چونک کر دیکھا تو اماں ایک دم خاموش ہو گئیں اور قدرے توقف سے نظریں چراتی ہوئی بولیں۔

یہاں شہلا سو رہی تھی۔

جی میں نے اسے بھیجا تھا اس نے کہا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اماں کے پاس آ بیٹھا اور جس طرح شہلا کے سامنے اس نے اپنی شادی طے ہو جانے کی تردید کر کے اماں کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کی اس طرح اب بھی ان پر کچھ نہیں بتایا بلکہ ان ہی کی بات رکھتا ہوا کہنے لگا۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں اماں پھر ہم آج ہی چلتے ہیں آپ کے بغیر گھر میں بالکل اچھا نہیں لگتا۔ وہ اپنی بات کہہ کر جانے لگا کہ اماں نے اچانک پکار لیا۔

سنو۔

جی وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو اماں اسٹے کی کوشش کرتی ہوئی بولیں۔ پہلے مجھے شہلا کے لمبا کے پاس لے جاؤ میں ان کی عیادت کر لوں وہ اپنے آپ کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

ایک منٹ رکھیں میں سسٹر سے کہتا ہوں وہ آپ کو چیئر پر بٹھا کر لے جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی وہ کمرے سے نکل کر آیا تو پہلے کاؤنٹر پر کھڑی سسٹر سے بات کر کے اسے اماں کے پاس بھیجا اس کے بعد ڈاکٹر کے کمرے کا رخ کیا۔

ڈاکٹر سے بات کرنے میں اسے کافی وقت لگا کیونکہ اماں کو گھر لے جانے کی اجازت لینے کے بعد وہ اس سے شہلا کے ابو کی تفصیلی رپورٹ معلوم کرنے لگا تھا اور پورا اطمینان ہونے کے بعد وہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوا ان کے کمرے سے نکل کر آیا تو ریلنگ کے پاس شہلا کھڑی نظر آئی جانے کن سوچوں میں تھی وہ اسے چونکانے کی خاطر پہلے بے آواز

قدموں سے اس کے قریب آیا پھر ایک دم بول پڑا۔

یہاں کیا کر رہی ہو۔

وہ واقعی اچھل پڑی پھر خفگی سے اسے دیکھا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

سوری۔

اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔

تمہارے پاس ہارٹ ہی نہیں ہے تو فیل کیا ہوتا۔

وہ اچانک اسے نظروں کی گرفت میں لیکر بولا تو زروس ہو کر وہ فوراً دوسری طرف دیکھنے

لگی۔

سنو میری اماں تمہارے والد کی عیادت کو گئی تھیں کیا ابھی تک وہیں ہیں۔

قدرے توقف کے بعد وہ اسے متوجہ کر کے پوچھنے لگا اور اس کے اثبات میں سر

ہلانے پر بولا۔

چلو ہم بھی وہیں چلتے ہیں۔

نہیں۔۔۔۔۔ وہ جانے کیوں گھبرا گئی جس پر وہ تیراں ہو کر بولا۔

کیوں۔

بس کہہ دیا نہیں تو نہیں۔ وہ اس کے الجھنے پر خود بھی الجھ گیا اور کچھ دیر اسے دیکھنے کے

بعد نرمی سے بولا۔

کیا بات ہے کیوں منع کر رہی ہو؟

کوئی بات نہیں۔

نہ بتاؤ میں خود جا کر معلوم کرتا ہوں ذہ کہہ کر جانے لگا کہ وہ فوراً سامنے آگئی اور کچھ

کہنے کیلئے منہ کھولا لیکن پھر سر جھکا گئی تو وہ ذرا سا چونکا پھر اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھتے ہی سمجھ

گیا کہ اماں اس کے ابو کی عیادت کرنے کے ساتھ اس کی خوشیوں کیلئے ان کے سامنے

دامن بھی پھیلا بیٹھی ہیں۔